بانی
سہام مرزا

ماہنامہ دوشیزہ کراچی

مدیر اعلیٰ ——— منزہ سہام
مدیر ——— زین شمسی
اعزازی لیگل ایڈوائزر ——— مخدوم اینڈ کمپنی (ایڈووکیٹ)

MEMBER APNS CPNE	رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی رکن کونسل آف پاکستان نیوز پیپر ایڈیٹرز

خط و کتابت کا پتا

88-C II۔ فرسٹ فلور۔ خیابان
جامی کمرشل۔ ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی۔ فیز 7۔ کراچی
فون نمبر: 35893122 - 021-35893121
ای میل: pearlpublications@hotmail.com

اپریل 2017
جلد: 45 ☆ شمارہ: 04
قیمت: 60 روپے

☆ منیجر سرکولیشن: محمد اقبال زمان ☆ عکاس: موسیٰ رضا / مرزا محمد یاسر

باتیں ملاقاتیں

سلسلے وار ناول

منی ناول

مکمل ناول

ناولٹ

افسانے

افسانے

بازگشت

دوشیزہ میگزین

افسانے

زرِ سالانہ بذریعہ رجسٹری
پاکستان (سالانہ)......890روپے
ایشیا، افریقہ، یورپ......5000روپے
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا......6000روپے

پبلشر: منزہ سہام نے سٹی پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔ مقام: سٹی 7-OB تالپور روڈ کراچی
Phone : 021-35893121 - 35893122
Email : pearlpublications@hotmail.com

پنجوں کی کہانی

ایک خبر کے مطابق مہنگائی کی شرح اس قدر بڑھ چکی ہے کہ بے چارے عوام اب مرغی کے بجائے مرغی کے پنجے کھانے پر مجبور ہوگئے ہیں۔ کیا کریں قوت خرید ہی نہیں...... گوشت، مچھلی تازہ سبزیاں، دالیں سب اب صرف اشرافیہ کے باورچی خانوں میں نظر آتی ہیں، یا دوسری جگہ ان کا پیٹ ہے۔ یہ وہی پیٹ ہے جو اس قدر بڑا ہے کہ بڑے بڑے میگا کرپشن کر کے بھی نہیں بھرتا۔ مرغی اور گوشت کی کیا وقعت یہ لوگ تو پورے پورے ادارے کھا چکے ہیں اور ڈکار بھی نہیں لی...... بلکہ ٹی وی پر فیشن پریڈ کر کے بڑی شان سے دبئی روانہ...... چاہے وہ ایان علی ہو یا ڈاکٹر عاصم یا پھر شرجیل میمن سب آزاد خوش باش سر پر سونے کا تاج، گلے میں پھولوں کا ہار۔ قانون کو ٹھوکروں پر رکھنے والے اپنے ووٹ دینے والوں کو مرغی کے پنجے ہی کھانے کے قابل چھوڑ سکتے ہیں۔

اگر بات مرغی کے پنجوں تک ہی رہے تو مناسب ہے ورنہ کیا پتہ کل ہم اور آپ اپنے پنجوں کے بل چلنے کے قابل بھی نہ رہیں۔

منزہ سہام

محترم قارئین!

''مسئلہ یہ ہے'' کا سلسلہ میں نے خلقِ خدا کی بھلائی اور روحانی معاملات میں ان کی رہنمائی کے جذبے کے تحت شروع کیا تھا۔ سچی کہانیاں کے اوّلین شمارے سے یہ سلسلہ شاملِ اشاعت ہے۔ گزشتہ برسوں میں ان صفحات پر تحریر و تجویز کردہ وظائف اور دعاؤں سے بلاشبہ لاکھوں افراد نے نا صرف استفادہ کیا بلکہ اس مادی دنیا میں آیاتِ قرآنی اور ان کی روحانی طاقت نے حیران کردینے والے معجزے بھی دیکھے۔

ساتھیو! عمر کی جس سیڑھی پر میں ہوں خدائے بزرگ و برتر سے ہر پل یہی دعا کرتا ہوں کہ اُس کے حضور پیش ہونے سے پیشتر کچھ ایسا کر جاؤں کہ میرے دُکھی بچے، بچیاں میرے بعد کسی بھی ذریعۂ روزگار کو بروئے کار لاتے ہوئے عزت کے ساتھ رزقِ حلال کماسکیں۔

اتنے برس بیت گئے۔ آپ سے کچھ سوال نہ کیا۔ وہ کون سی پیشکش تھی جو نہ ٹھکرائی۔ کیسے کیسے دولت کے انبار ایک طرف کردیے۔ مگر اب...... وقت چونکہ ریت کی طرح ہاتھوں سے پھسلتا جارہا ہے۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ ایک ایسا ٹرسٹ، اپنی موجودگی میں قائم کر جاؤں جس سے نیکی اور بھلائی کا یہ سلسلہ جاری و ساری رہے۔

مجھے آپ کا تعاون درکار ہے۔

دکھی انسانیت کی فلاح کے لیے...... آئیے اور اپنے بابا جی کا ساتھ دیجیے......

ٹرسٹ میں اپنے عطیات جمع کرائیے۔

مجھے امید ہے۔ اپنے دکھی بھائی بہنوں کا درد محسوس کرتے ہوئے آپ کا اگلا قدم...... ٹرسٹ میں اپنے تعاون کے لیے ہی اٹھے گا۔

دوشیزہ کی محفل

محبتوں کا طلسم کدہ' خوب صورت

رابطوں کی دلفریب محفل

مدیرہ علی

محبتوں اور خلوص سے بجی اس محفل میں آپ سب کو خوش آمدید کہتی ہوں..... کرم فرماؤں نے سارا کراچی کھود ڈالا ہے شاید کسی خزانے کی تلاش میں ہیں کیونکہ سڑکیں تو بنتی نظر نہیں آ رہیں گھر سے دفتر اور دفتر سے گھر کا راستہ محبوبہ کی گیسوئے دراز محسوس ہوتا ہے بلکہ بعض اوقات تو ہجر کی طویل رات جو ختم ہونے کا نام ہی نہیں لیتی..... کمر اور ٹانگیں دہائیاں دیتے دیتے اب تھک چکی ہیں مگر قلم رواں ہے تو یہ چند سطور اسی طویل اور تکلیف دہ راستے پر چلتے چلتے لکھیں اس امید کے ساتھ کہ میرے درد کو آپ سب محسوس کر رہے ہوں گے۔ بڑھتے ہیں پہلے خط کی طرف اور یہ ہیں میری بہت ہی پیاری نگہت سیما چکوال سے لکھتی ہیں۔ دوشیزہ باقاعدگی سے مل رہا ہے شکریہ۔ بہت دنوں سے ایک کہانی خاص دوشیزہ کے لیے لکھنی شروع کی تھی۔ خیال تھا کہ کہانی مکمل کر کے ہی خط لکھوں گی۔ لیکن مکمل ہی نہیں کر پا رہی۔ سوچا پتہ نہیں کب مکمل ہو۔ خط تو لکھ دوں اسکول سے آ کر پتہ نہیں چلتا کہ وقت کیسے گزر گیا۔ رضوانہ پرنس کے بھائی' رفعت سراج کے والد اور رضوانہ کور کی بہن کے متعلق پڑھا اللہ تعالیٰ انہیں صبر عطا فرمائے اور مرحومین کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے آمین بازگشت کا سلسلہ اچھا ہے طلعت اخلاق کو پڑھنا اچھا لگا۔ زمر اور رفعت سراج کے ناول اچھے جا رہے ہیں صبیحہ شاہ کی کہانی بھی ہمیشہ کی طرح پسند آئی۔ فروری کا دوشیزہ ابھی پڑھا نہیں۔ فرزانہ آغا کا نام دیکھ کر خوشی ہوئی۔ چند دنوں تک کہانی ارسال کر دوں گی۔ امید ہے پسند آئے گی۔

مدیرہ: سویٹ نگہت! بہت اچھا فیصلہ کیا کہ خط لکھ ڈالا۔ دو چار لائنیں وقت نکال کر ہر ماہ لکھ ہی دیا کریں محفل میں رونق ہو جاتی ہے۔ بقول شاعر' وہ آئے بہار آئی' تو جناب افسانہ بھی مکمل کر لیں میں منتظر ہوں آپ کی تعریف مصنفین تک پہنچا دی ہے۔

✕: کراچی سے شاہی سواری آئی ہے عقیلہ حق کی ہاتھ میں تلوار تھامے لکھتی ہیں۔ پتہ نہیں کیا بات ہے کافی پریشان ہوں لگ رہا ہے یا تو میں دوشیزگی کی دہلیز پار کر گئی یا دوشیزہ نہیں رہی' یا آج کل میک اپ کی برانڈ اچھی نہیں آ رہی..... کچھ تو ہے جس کی وجہ سے..... ارے جس کی وجہ سے نہ مجھ کو دوشیزہ مل رہا ہے اور نہ ہی سچی کہانیاں..... کیوں می لارڈ' کیوں؟ خریدنے میں کوئی عار نہیں مسئلہ یہ ہے کہ خریدنے کے لیے دور بہت جانا

پڑتا ہے اور قریبی اسٹالز پر انتظار میں ختم ہو جاتا ہے۔ خیر یہ تو وہ دکھ ہیں جن کو کہاں تک سنو گے اور کہاں تک سناؤں۔ آج کل پاکستان سے باہر تھی۔ تو لوگوں نے دلوں سے بھی باہر نکال پھینکا۔ میری پیاری بہنوں ذرا احتیاط سے دھکا دیا کرو...... چوٹ لگتی ہے۔ رفعت سراج کے والد کا بے حد افسوس ہے میں اُن کو بھی فون کروں گی۔ میری بھی جواں سال بہت کم ماموں زاد بہن سلمٰی دو چھوٹے چھوٹے بچوں کو چھوڑ کر اللہ کے پاس چلی گئی۔ اللہ اُن کی مغفرت کرے بہت کم عمر تھی۔ کینسر ہو گیا تھا۔ اب آتے ہیں رسالے کی طرف ماشاء اللہ رسالہ دن بدن نکھر رہا ہے۔ ان تمام لوگوں کا سہیلیوں کا بہنوں کا بے حد شکریہ جن کو میری تحریر پسند آئی۔ زمر آپ نے یاد رکھا بے حد شکریہ۔ اقبال بانو جس بڑی لکھاری نے میری تحریر کا ذکر کیا میرے لیے یہ اعزاز بہت ہے۔ ڈیئر منزہ آپ بھی سوچ رہی ہوں گی کہ عقیلہ کا تبصرہ رسالہ پر تو ہو نہیں رہا تو میری پیاری حسینہ ماہ جبینہ دراصل میں رسالہ پڑھ نہ سکی۔ میری کزن کی حالت بے حد خراب تھی۔ تو بس اُسی میں لگے رہے۔ کل رات کو تو میں نے اپنی تحریر پڑھی وہ بھی نامکمل...... لیکن انشاء اللہ اگلے مہینے اگر رسالہ بروقت مل گیا تو تبصرہ بھی مکمل ہو گا اور بروقت بھی ہو گا۔ یہ بتائیں کہ دوشیزہ ایوارڈز کی تقریب کب رکھ رہی ہیں ہماری دوشیزگی برقرار رہے اُس دوران رکھ لو میری بہن ایسا نہ ہو کہ بالوں کے لیے کلر لینا پڑے اور ہائی ہیلز کے شوز کی جگہ فلیٹ چپل پہننا پڑے۔ میری بہن میرے دکھ کو سمجھو...... اور تقریب رکھ ہی لو اور اُس قسم کو بھی توڑ دو ویسے قسم توڑنے کا کفارہ ہوتا ہے کہ آپ عقیلہ حق کو کوئی ایوارڈ نہیں دینا۔ تم قسم توڑ دو روزے میں رکھ لوں گی ایوارڈ بھی تو میں نے ہی لینا ہے نا۔ کیا کروں جب لکھنے بیٹھتی ہوں تو خطوط غالب کی طرح خط طویل ہوتا چلا جاتا ہے لیکن اللہ لمبی خوشیوں بھری زندگی دے میرے بچوں کو کبھی چین سے لکھنے ہی نہیں دیتے۔ سوچ رہی ہوں اس دفعہ جولائی میں اُن کو چین لے جاؤں۔ پھر راوی ہر طرف چین ہی چین لکھے گا۔

ہ: پیاری عقیلہ! کچھ لوگ دوشیزگی کی دہلیز کبھی پار نہیں کر سکتے۔ اور اس فہرست میں تم درجہ اول پر موجود ہو۔ سرکولیشن والے یہ زیادتی کیوں کر رہے ہیں میں معلوم کروں گی۔ ویسے تمہیں تو پابندی سے دوشیزہ بھیجا جاتا ہے۔ ہوسکتا ہے تمہاری غیر موجودگی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اس دوشیزہ کو پوسٹ مین ہی لے اڑا ہو۔ تم ایوارڈ جیتو میں تقریب کا اعلان کرتی ہوں پکا وعدہ......

✉: اور جناب یہ وہ شاہکار ہے جس کا انتظار تھا...... کراچی سے تشریف لائی ہیں خولہ عرفان لکھتی ہیں۔ ڈھیروں دعاؤں اور نیک خواہشات کے ساتھ اپنی غیر حاضری پر نادم سی خولہ عرفان پھر حاضر محفل ہے۔ سوری سوری...... سوری منزہ چاہتے ہوئے بھی وقت ہاتھوں اور قلم کے درمیان رابطہ نہ پیدا کر سکا اور ہمارے درمیان دو مہینے کی طویل مسافت آ گئی۔ کوشش کروں گی کہ اس خط میں اس فاصلے کو طے کرلوں۔ منزہ میں آپ کی محبتوں کی قائل ہوگئی ہوں۔ آپ نے کنوئیں میں بانس ڈلوا دیے میری خاطر کاشی صاحب کا بھی فون آیا تھا ان کا محبتوں بھرا گلا تھا تبصرہ نہ لکھنے پر اور آپ کو کال کرنے کے لیے بھی کہا تھا جس پر میں نے عمل درآمد بھی کیا لیکن شبانہ صاحبہ سے گفتگو ہی ہوسکی آپ سیٹ پر شاید موجود نہیں تھیں بہر حال میں اتنا ضرور کہوں گی منزہ کہ دوشیزہ کے جتنے بھی مصنفین ہیں وہ میرے کیے گئے تبصرے سے کہیں اونچے مقام پر فائز ہیں۔ آپ کی محبت ہے کہ آپ مجھے اتنا مان دیتی ہیں اور مجھے آپ اور آپ کے رسالے دونوں پر بہت ناز ہے کہ میں نے دوشیزہ
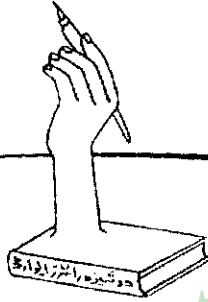
دوشیزہ رائٹرز ایوارڈ

مارچ 2017 کا نتیجہ: قارئین نے مندرجہ ذیل تحریر کو پسند کیا ہے

''توازن'' بلال فیاض

آپ کی نظر میں اس ماہ ''دوشیزہ'' کی بہترین تحریر کون سی ہے؟

دوشیزہ — اپریل 2017

عنوان: ____________

قلم کار: ____________

نام: ____________

پتا: ____________

ماہنامہ دوشیزہ کراچی

کے مدیروں جیسے مدیر اور اس میں موجود افسانوں جیسے افسانے اور رسالوں میں دیکھے اور نہ پڑھے۔ یقین کریں جتنے میچور اور حقیقت سے قریب تر ہمارے معاشرے کی صحیح ترجمانی کرتے افسانے دوشیزہ میں پڑھے ہیں اور کسی رسالے میں نہیں پڑھے۔ چھوٹے سے چھوٹا یا بڑے سے بڑا سماجی نوعیت کا ہو یا گھریلو نوعیت کا تمام مصنفین اسلوبِ بیاں اور کہانی کے انتخاب سے ان مسائل کو اجاگر کر کے سوچنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ مگر اس سے پہلے رفعت صاحبہ کے والد بزرگوار کے انتقال پر دلی تعزیت اللہ صبر و ہمت عطا فرمائے۔ خیر اب تبصرہ کی طرف آتی ہوں ماہ مارچ کا دوشیزہ سرورق کی خوبصورت دوشیزہ کی طرح خوبصورت ناول ناولٹ اور افسانوں سے مزین ملا کچھ افسانے آنکھوں کو رونق بخش چکے ہیں باقی کے لیے دل بے قرار ہے لیکن یہ کیا کہ آج بروز پیر بتاریخ تیرہ مارچ آپ نے دوشیزہ کا تحفہ بھی ارسال کر کے ہمیں حیران کر دیا۔ اب منزہ میں جتنا نہ اتراؤں کم ہے یا نہیں۔ بہت بہت...... بہت شکریہ منزہ یاد رکھنے کا...... دیکھیں آپ عادت بگاڑ رہی ہیں۔ ہم تو خرید کر پڑھ رہے تھے اور میاں جی ہماری واحد فرمائش بخوشی پوری کر رہے تھے۔ اب اگر اگلے مہینے بھی آپ نے محبتوں کا یہ سلسلہ جاری رکھا تو مطلع فرما دیجیے گا ورنہ دوشیزہ اور آپ کی محبت سے بڑھ کر ہم کسی چیز کو اہمیت نہیں دیتے۔ خیر سب سے پہلے آپ کا اداریہ زیرِ مطالعہ آتا ہے۔ سو ہم دل تھام کر رہ گئے۔ آپ کے جملے نے کہ 'ایک جاندار کو کاٹ کر سڑکیں چوری کرنے والے دوسرے جاندار کا گلہ با آسانی کاٹ سکتے ہیں۔ یقین جانیں حکمرانوں کی بے حسی کی بہترین عکاسی کر کے دل کاٹ کے رکھ دیا پتہ نہیں کیسے بے حد لوگ ہیں زندہ جسموں میں مردہ روحیں لے کر پھرتے ہیں۔ منزہ اب مزید سنجیدہ گفتگو نہیں ہو سکتی پلیز آپ مسکرائیں اور میں اپنے سابقہ انداز پر آتی ہوں۔ تو سب سے پہلے کاشی اور روحیلہ کو دوشیزہ ایوارڈ کی نامزدگی پر بہت بہت...... مبارک باد پھر محترمہ زمر صاحبہ کو بہت...... دعائیں۔ میں ان کے خوبصورت تبصرے پر کیا لب کشائی کروں۔ ان کو دیکھا نہیں ہے لیکن ان کی تحریریں اور جملوں کا حسن ان کے اور اُن کے حسنِ ذوق کا آئینہ دار ہے۔ فصیحہ فصیحہ ہے اس کا کوئی جوڑ نہیں۔ لوگوں کے دلوں میں جگہ بنانے کا فن آتا ہے فصیحہ اور رضوانہ کوثر کی محبتوں کی میں مقروض ہوں۔ بے لوث محبت کرنے والے لوگ ہیں۔ خوش رہیں فصیحہ اور رضوانہ۔ شہزاد شیخ اور سارہ خان کا تعارف و انٹرویو دونوں جاندار تھے۔ رفعت سراج حسبِ سابق دامِ دل میں ہمارے دل کو اٹکائے ہوئے ہیں۔ ویسے کہانی اپنے انجام کی طرف بڑھتی نظر آ رہی ہے۔ ثمر صاحب کا انجام کافی قابلِ عبرت نظر آ رہا ہے۔ فرح اسلم کے منجھے ہوئے قلم سے چابک جیسے خوبصورت افسانے کی توقع تھی۔ برمحل اور برجستہ جملے موضوع کی اہمیت کو اجاگر کرنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ فرح کو لفظوں کا باموقع استعمال پر گرفت ہے۔ بہت اچھے فرح حقیقت یہی ہے کہ زبان جیسی نرم اور سخت چیز دنیا میں نہیں۔ دوست بھی بنا سکتی ہے اور دشمن بھی۔ حنا بشریٰ کا ناولٹ دعویٰ محبت بھی کچھ اس طرح کے پس منظر کی عکاسی کر رہا تھا البتہ حنا نے اس بات پر زیادہ توجہ دی کہ زندگی کے حال کو ماضی کی تلخ حقیقتو سے آلودہ نہیں کرنا چاہیے۔ بہت اچھا موضوع خوبصورت کہانی اور انداز بیاں کے ساتھ...... سعدیہ سیٹھی کا ایک ہی کمی...... اور نفیسہ سعید کی تیری میری...... بھی محبتوں کے رنگوں سے سجے مختلف کہانی اور موزوں اندازِ بیاں لیے بہت خوبصورت تخلیقات تھیں۔ تحسین انجم انصاری کا منی ناول میرے چارہ گر...... ان کی تحریر کی خوبیوں سے مرصع ملا جملے دل کو چھو جاتے ہیں۔ نبیلہ نازش راؤ کا بری نظر بہت

سانحہ ارتحال

ہماری ہر دلعزیز لکھاری ساتھی نیر شفقت کی والدہ رضائے الٰہی سے گزشتہ ماہ انتقال فرما گئیں۔ ادارہ دکھ کی ان گھڑیوں میں ان کے ساتھ ہے اور مرحومہ کے درجات کی بلندی کے لیے دعا گو ہے اور اہلِ خانہ کے لیے صبر کی دعا کرتا ہے۔

پیارے اندازِ بیاں کے ساتھ مزیدار افسانہ لگا۔ نپا تلا انداز اور جملے دونوں نیر شفقت کا راج دلاری بہنا اور رو بینہ شاہین کا صحرا میں بارش بیمار معاشرے میں نشوونما پانے والی تکلیف دہ حقیقت کی عکاس تحریریں تھیں۔ معاشرے پر سے پردہ ہٹاؤ تو اس کا ہر حصہ زخمی نظر آتا ہے ناسور بننے کی حد تک بہت خوب نیر اور روبینہ...... زمر کا ناول ابھی امکان...... خوبصورت انداز سے آگے بڑھ رہا ہے۔ جملوں اور لفظوں پر اچھی گرفت ہے زمر کی۔ تمام جذبات واحساسات کی عکاسی ہے تجسس بھی برقرار ہے اور جملے بھی مزیدار ہیں۔ جیوز مرامر تا پریتم کی کرماں والی تحریر کی تمام خوبیوں سے مرصع کسی تعارف وتبصرے سے بالاتر بہت بہت بہت عمدہ...... دوشیزہ گلستان اسماء اعوان کی محنت کا منہ بولتا ثبوت ہوتا ہے۔ نئے لہجے نئی آوازیں میں فصیحہ، زمر اور نگہت تینوں کی شاعری بہت خوب، کچن کارنر کی ساری ریسپیز قابلِ قبول معدہ اور قابل عمل...... ابھی فرح انیس کا وہ مرے گماں...... ندا حسین کا دیوتا، درانہ نوشین کا براحال اور بلال فیاض کا توازن مطالعے سے محروم ہیں لیکن امید ہے کہ یہ سب مصنفین پہلے بھی اپنی خوبصورت تحریروں سے دل میں جگہ بنا چکے ہیں تو ابھی بھی ناامید نہیں کریں گے۔ تبصرہ تو ہو گیا مکمل...... منزہ میں یکے بعد دیگرے اپنے افسانے ارسال کردوں گی وہ بھی جو مسنگ ہو گئے ہیں اور نیا بھی...... حسب عادت ایک غزل پیش خدمت ہے۔ اپنا بہت خیال رکھیے گا۔ منزہ آپ کی توجہ ومحبت اور حوصلہ افزائی تمام مصنفین کے لیے وہی اہمیت رکھتی ہے جو ایک شجر کے لیے روشنی اور پانی کی ہوتی ہے۔ آپ کا عزم وحوصلہ انشاء اللہ تمام سابقہ مصنفین کو دوشیزہ کے فورم پر دوبارہ اکٹھا کرے گا۔ آپ کی دوشیزہ اور تمام اراکین ومبصرین ومصنفین کی ترقی اور خوشیوں کے لیے ہر پل دعا گو۔

✍: بہت ہی سوئٹ خولہ! تمہارا خط ملا بہت اچھا لگا۔ تمہارے خط کے بعد مجھے کچھ کہنے کی ضرورت ہی نہیں بہت مکمل اور جامع تبصرہ ارسال کرتی ہو دوشیزہ میں لکھنے والوں اور پڑھنے والوں کے لیے تمہاری رائے یقیناً بہت اہمیت رکھتی ہے۔ تمہاری محبتوں اور خلوص کی تو میں دل سے قائل ہوں۔

⋈: لاہور سے تشریف لائی ہیں فریدہ فری کہتی ہیں۔ السلام علیکم! پچھلے ماہ بیماری کی وجہ سے تبصرہ نہ کر سکی اب کچھ آرام ہے۔ سچی کہانیاں ایوارڈ جو کہ ہمارے پیارے شہر لاہور میں دیا گیا اس میں، میں اور فصیحہ اکٹھا گئے تھے۔ فصیحہ آصف ملتان سے ہمارے گھر آئی تھیں بہت ہی اچھا لگا۔ آپ کی کمی بے حد محسوس ہوئی کاش آپ بھی ہوتیں چلو اگلی بار سہی۔ افسانے اور ناول اس بار بھی بہترین لگے۔ خاص کر فصیحہ آصف کا شکستہ فاش اور اس افسانے کو بھی ایوارڈ سے نوازنے کا شکریہ۔ چابک فرح اسلم قریشی اور براحال دردانہ نوشین خان۔ ایک ہی کمی ہے تو سعدیہ سیٹھی، راج دلاری بہنا نیر شفقت۔ صحرا میں بارش روبینہ اہین بری طرح نبیلہ راؤ ایک سے بڑھ کر ایک پڑھ کر مزا آ گیا۔ مکمل ناول وہ میرے گمان جیسا واہ کیا تحریر ہے۔ اقبال بانو تو ناولوں کی ملکہ ہیں ان کے ناول تو پڑھ کر بے حد مزہ آتا ہے خوش رہیں اقبال بانو۔ جی فصیحہ آصف جی رائٹر تو ہو ہی اچھی آپ تو شاعری بھی کمال

سچی کہانیاں کا "پلیٹ فارم نمبر"

سچی کہانیاں کا وہ لازوال نمبر جس کی بازگشت اب تک قارئین کے دلوں میں تازہ ہے۔

یہ زندگی ریل کی دو پٹریوں کی طرح ہے۔ جس پر حق اور باطل ایک ساتھ محوِ سفر رہتے ہیں۔ زندگی ہر موڑ پر ایک پلیٹ فارم پر رُکتی ہے اور پھر...... زندگی کی منزل آجاتی ہے۔

حق اور باطل کبھی مل نہیں پاتے۔

ایک ایسا یادگار شمارہ جسے قارئین کبھی نہ بھول پائیں گے۔

پہلے سے زیادہ تلخ و شیریں، عبرت و سبق آموز یادوں بھری کہانیاں

نوٹ: پلیٹ فارم نمبر کے لیے اپنی کہانیاں اس طرح ارسال کریں کہ ہمیں 25 اپریل تک موصول ہو جائیں۔

قارئین اور ایجنٹ حضرات نوٹ فرمالیں۔

ماہِ جون کا شمارہ پلیٹ فارم نمبر ہوگا۔

کی ہے۔ جانم لکھ کر کمال کر دیا پڑھ کر حیران ہوں۔ اتنی اچھی شاعری واہ بھئی واہ مبارکاں۔ نگہت غفار نے بھی اچھی شاعری کی خوش رہیں۔ کچن کارنر میں شاہی گوشت مزیدار لگا۔ اچھا جی اللہ حافظ۔

ﷺ: فریدہ جی! طبیعت میں بہتری ہے جان کر اطمینان ہوا انشاء اللہ اگلی بار آپ سب سے ملاقات ضرور ہوگی۔ اس بار شمارے میں اقبال بانو موجود ہیں امید ہے کہ اُن کی تحریر پڑھ کر اچھا لگے گا آپ کی دعا اور سلام مصنفین تک پہنچا دیا ہے۔

✕: کراچی سے تشریف لائی ہیں فرحی نعیم لکھتی ہیں۔ امید ہے ایمان اور صحت کی سلامتی کے ساتھ آپ بخیریت ہوں گی۔ آپ نے میرے خط کا جواب اتنی اپنائیت اور محبت سے دیا۔ سچ میں تو آپ کی گرویدہ ہوگئی۔ کئی دفعہ جواب پڑھا۔ 'سرپرائز' کے بارے میں تو مجھے علم ہوگیا کہ وہ آپ کے پرچے میں جگہ بنالے گی۔ لیکن ابھی دوسری کہانی 'گرداب' کا نہیں پتہ چل سکا۔ اس خط کے ساتھ ایک اور کہانی آپ کی خدمت میں پیش کررہی ہوں۔ کہانی عید کے حوالے سے ہے۔ آپ کے عید نمبر کے لیے ایک ادنیٰ کوشش ..... آپ کی حوصلہ افزائی ساتھ رہی تو یہ کوشش اسی طرح جاری رہے گی۔ خط کے جواب کی منتظر رہوں گی۔ اور کہانی کی اشاعت بھی۔

ﷺ: اچھی سی فرحی! اپنوں کو جواب اپنائیت اور محبت سے ہی دیا جاتا ہے اور تم بھی تو اب ہماری اپنی ہو۔ جلد افسانے شمارے کا حصہ بنیں گے اور عید کے حوالے سے جو افسانہ بھیجا ہے وہ انشاءاللہ عید کے پرچے میں ہوگا۔ تم پابندی سے محفل کا حصہ بھی بنا کرو اور اب ایک اچھا سا ناولٹ لکھ ہی ڈالو۔

✕: اور یہ خط آیا ہے ہماری پیاری روبینہ شاہین کا لکھتی ہیں۔ آپ سب کے لیے بہت ساری دعاؤں کے ساتھ حاضر ہوں آپ کے شمارے میں پابندی تبصرے کے ساتھ شریک نہیں ہوسکتی کچھ نجی مصروفیات ہیں۔ آپ کو اپنی تحریریں ضرور بھیجتی رہوں گی امید ہے دوشیزہ میں پذیرائی ملتی رہے گی۔ بہت ساری نیک خواہشات کے ساتھ اجازت۔

ﷺ: بہت پیاری روبینہ! اپنے وعدے پر قائم رہنا اور افسانے بھیجتی رہنا دوشیزہ تم لوگوں کا اپنا رسالہ ہے۔ محفل میں بھی وقت نکال کر ضرور شرکت کیا کرو اچھا لگتا ہے۔

✕: شادیوال سے تشریف لائی ہیں نگین افضل وڑائچ، لکھتی ہیں۔ منزہ سہام کیسی ہیں آپ؟ میں تو الحمدللہ ٹھیک ہوں۔ دوشیزہ کی محفل میں آپ کے روبرو ہونے کی جسارت کو دل چاہ رہا تھا۔ سوچا نصف ملاقات کرلی جائے۔ دوشیزہ ہم سب قارئین کا پسندیدہ شمارہ بن چکا ہے۔ فروری مارچ کے شمارے میں اپنی شاعری پڑھ کر خوشی ہوئی۔ تمام سلسلے بہترین ہیں۔ سب سے بڑی بات بور بالکل بھی نہیں کرتے۔ ایک سے بڑھ کر ایک ہیں۔ اداکاروں سے ملاقات اور انٹرویو کا سلسلہ مزیدار ہے۔ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ دوشیزہ بیک وقت تفریح اور معلومات کا منبع ہے۔ سلسلہ وار ناول بھی بے مثال ہیں افسانوں میں بھی آپ کی اور کاشی چوہان کی چوائس اور رائٹرز کی قلم کشائی لازوال ہے اس خط کے ساتھ ایک عدد افسانہ بھی ارسال کررہی ہوں امید ہے کاشی چوہان اور آپ کو پسند آئے گا۔ دوشیزہ کے لیے اور بھی بہت کچھ محفوظ ہے میرے پاس لیکن سر پر منڈلاتے امتحان دل جلا رہے ہیں۔ امتحان کے بعد انشاءاللہ پھر سے افسانے بلکہ افسانوں اور شاعری کے ساتھ حاضر ہوجاؤں گی۔ اب اجازت چاہتی ہوں اس دعا کے ساتھ کہ خدا ہمارے لیے اردو کے اس بہترین پلیٹ فارم کو ہمیشہ قائم ودائم رکھے آمین۔

ﷺ: اچھی اور پیاری نگین! شمارہ پسند کرنے کا شکریہ۔ امتحانوں سے فارغ ہوکر پھر فوراً کاغذ قلم تھام لینا اور مجھے خط اور افسانہ لکھ بھیجنا میں منتظر رہوں گی۔

✉: گجرات سے یہ خط بھیجا ہے عائشہ نور عاشا نے لکھتی ہیں۔ السلام علیکم! منزہ جی میں بہت خوش ہوں کہ میرا دوسرا افسانہ بھی جلد شائع ہو رہا ہے۔ مارچ کے شمارے میں آپ نے کہا کہ 'مجھے تو لگ رہا ہے کہ دوشیزہ رائٹرز بھی ابن لاہور میں ہی ہوگا کیونکہ پرچے پر تو پنجاب ہی چھایا ہوا ہے' سچ پوچھیے تو مجھے بھی یہی لگ رہا ہے کہ پنجاب یہ بازی جیت جائے گا مگر میری دل سے دعا ہے کہ دوشیزہ اور سچی کہانیاں پر سارا پاکستان چھایا رہے یہ دونوں پرچے بہت کامیابیاں پائیں گے اس کی وجہ آپ اور کاشی چوہان کی خوش اخلاقی ہے اور اس کامیابی میں کچھ حصہ بلکہ بہت سارا حصہ ہمارے اچھے اچھے لکھنے والوں کا ہے اس بار پرچہ وقت پر مل گیا تھا ٹائٹل اچھا لگا اس کی وجہ کہ ماڈل اچھی لگ رہی تھی اور...... اور بڑی وجہ یہ کہ اس کی آنکھوں کا رنگ میری آنکھوں کے رنگ جیسا تھا (سبز) مگر اس شمارے میں میری شاعری غائب تھی تو کچھ خوشی غارت ہوگئی مگر جب اپنا خط دیکھا تو بس جی خوش ہی خوش ہوں۔ طاب اجازت چاہتی ہوں زندگی رہی تو پھر ملاقات ہوگی۔

ﷺ: سوئٹ عائشہ! پرچے کی پسندیدگی کا شکریہ اور کاشی چوہان تو مجسم خلوص اور اخلاق کا پیکر ہیں میں بھی اُن کی ان خصوصیات کی قائل ہوں۔ پابندی سے محفل میں شرکت کیا کرو اور اپنی خوبصورت آنکھوں کی نظر ضرور اتار لینا۔

✉: پیاری نیئر شفقت ساہیوال سے لکھتی ہیں۔ امید ہے خیریت سے ہوں گی۔ پچھلی مرتبہ محفل میں حاضری کا (جھوٹا) وعدہ کیا تھا اللہ نے سچ کر دیا۔ شکر اس مالک کا جس نے وعدہ پورا کرنے کی توفیق دی۔ دوشیزہ کا خاص نمبر کچھ زیادہ ہی خاص لگا۔ تمام کہانیاں ایک سے بڑھ کر ایک تھیں۔ سب سے پہلے آتے ہیں کاشی...... اتنی خوبصورت کہانی تھی کہ کتنی ہی دیر میرے دل کا کاسہ بھی خالی ہی رہا۔ روحیلہ خان کی سیلن خوبصورت خیال کی خوبصورت بُنت تھی۔ فرزانہ آغا کے دکھ بھرے خیال کی تعریف کرنا تو گویا سورج کو چراغ دکھانا ہے۔ کل کے پس منظر میں آج کا دکھ دل چیر گیا۔ ریشمی باتیں تسنیم منیر علوی کی اچھی لگیں۔ عقیلہ حق کی تین انگلیاں ایسی تحریر ہے جو ہر دور میں حقیقت بن کر دل پر اثر انداز ہوتی ہے۔ قسمت کے کھیل نرالے اور وہ جو اک ارمان تھا بھی اچھی تحریریں تھیں۔ ثمینہ طاہر سب مایا لے کر آئیں۔ گو موضوع پرانا تھا مگر اچھی تحریر تھی۔ زندگی گلابوں کی کیاری اور عق اک روگ دلچسپ رہیں۔ شکستِ فاش اور بہاریں میرے دامن میں بھی خوب صورت تحریریں ثابت ہوئیں۔ دسک نے تو دل پر دستک دے دی۔ ویل ڈن مہوش' گنجے شیطان بھی بہت خوبصورت تحریر تھی۔ واقعتاً یہ شمارہ بہت خاص تھا اور میرا خیال ہے کہ آپ کو اور قارئین کو بھی بہترین تحریر کے انتخاب میں یقیناً دشواری کا سامنا ہوگا۔ سلیم فاروقی اب ہم میں نہیں ہیں۔ بہت افسوس ہوا میں ان سے ملی ہوں۔ بہت اچھے عادت وخصائل کے مالک تھے۔ ان سے خط وکتابت بھی رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے اور اہل خانہ کو صبر عطا کرے آمین۔ کاشی سے میں سخت ناراض ہوں۔ ایک ایس ایم ایس کی توفیق نہیں ہوئی کہ بتا دیتے ایوارڈ کا...... عائشہ لاہور جانے اور آپ سب سے ملنے کے لیے اتنی ایکسائیٹڈ تھی۔ اب سچی کہانیاں کے لیے کوئی کہانی نہیں...... یہ کاشی کے لیے سزا ہے۔ رخسانہ آنٹی کو بہت سلام

کہیے گا۔اور آپ سب کے لیے بہت سی دعاؤں اور سلام کے ساتھ اجازت چاہوں گی۔انشاءاللہ کوشش کروں گی کہ آئندہ ماہ افسانے کے ساتھ حاضر ہوں۔انشاءاللہ۔

ﷺ: نیئر! اب وعدہ وفا کرنا اور کاشی سے ناراض رہنا دوشیزہ کی محفل میں شرکت کرتی رہو اور خوب مزے مزے کی تحریریں ارسال کرو رمضان اور عید کے حوالے سے اچھا سا ناولٹ بھیجو میں انتظار کروں گی۔

⋈: لاہور سے آمد ہوئی ہے نازک اور کومل آواز والی حنا بشریٰ کی لکھتی ہیں۔امید ہے آپ اور آپ کا اسٹاف خیریت سے ہوگا اور آپ کی رہنمائی میں اس ادارے کو عروج کی بلندیوں پر پہنچانے میں ہمہ وقت کوشاں ہوگا۔اللہ پاک آپ کا معاون و مددگار ہو۔رسالے پر تبصرہ کرنے سے پہلے آپ کی ایک خوبی بیان کرنا چاہوں گی کہ ہر رسالے کی الگ الگ ڈیمانڈ ہوتی ہیں کوئی اچھوتا موضوع کا طلب گار ہوتا ہے تو کسی کے دل کو اندازِ بیاں نہیں بھاتا اسی چکر میں بہت سے رائٹر گوشہ گمنامی میں چلے جاتے ہیں مگر آپ کے ادارے کی خاص خوبی ہے کہ آپ نئے لکھنے والوں کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔دوشیزہ اور سچی کہانیاں کو یہ کریڈٹ جاتا ہے کہ بے شمار رائٹر اسی ادارے کے تربیت یافتہ ہیں آپ نہ صرف نوک پلک سنوارتے ہیں بلکہ صحیح معنوں میں لکھنا بھی سکھاتے ہیں منزہ جی آپ کا ادارہ بلاشبہ ایک اکیڈمی بن چکا ہے۔نئے لکھنے والوں کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے تو وہ مزید حوصلہ کرتے ہیں۔کیونکہ دوشیزہ اور سچی کہانیاں ہر کسی کو موقع دیتا ہے ناقابلِ اشاعت کی صورت میں اصلاح بھی ہوجاتی ہے۔میں نے بڑی باریک بینی سے باقی رسالوں کے ساتھ موازنہ کیا تو یہ خوبی بڑی واضح تھی جس میں بالکل مبالغہ نہیں ہے ویلڈن منزہ جی ویلڈن...... مارچ کا شمارہ بہت لاجواب تھا ٹائٹل دیکھ کر تو طبیعت فریش ہوگئی۔بہت ہی شاندار اور اجلا اجلا سا...... عائزہ خان کا بھی ٹائٹل دیکھیے نہ کبھی......اب رسالے پر تبصرہ ادار یہ واقعی غور طلب تھا۔درخت پھول پودے قدرت کی انمول نعمت ہیں جنہیں حضرت انسان بے دردی سے ضائع کررہا ہے دوشیزہ محفل ہر بار کی طرح بارونق تھی۔سارہ خان سے ملاقات اچھی رہی......منی ناول میرے چارہ گر کو نوید ہو میں مہتاب کا کردار واقعی مظلوم تھا۔فرح انیس کا مکمل ناول بھی زبردست تھا۔اپنی تحریر کی اشاعت پر بے حد مشکور ہوں ناولٹ محبت کی دھنک بھی خوب تھا۔افسانے سارے ہی زبردست تھے۔چابک' توازن' بری نظر' دیوتا' صحرا میں بارش' راج دلاری بہنا' براحال' ایک ہی کمی ہے تُو' تیری میری پریم کہانی' سب نے متاثر کیا اور سب نے بہت اچھا لکھا۔کہکشاں کھوگئی ہے ٹاپ پر رہا حاجرہ ریحان کی بہترین کاوش تھی۔دوشیزہ گلستان اور کچن کارنر سمیت باقی سلسلے بھی زبردست تھے۔آخر میں اس دعا کے ساتھ اجازت چاہوں گی کہ اللہ پاک شہر قائد کو اپنی حفاظت میں رکھے اور علم وادب کے ستاروں سے سجی دوشیزہ کی یہ محفل یونہی آباد رہے آمین۔

ﷺ: کیوٹ سی حنا! تمہاری تعریف کا شکریہ۔یقین کرو بہت اچھا لگا تمہاری دعا ہم سب کی بھی دعا ہے کہ اللہ شہر قائد ہی نہیں بلکہ قائد کے وطن کو بھی اپنی امان میں رکھے۔تمہاری پسندیدگی لکھنے والوں تک پہنچادی ہے۔دوشیزہ کی محفل تم لوگوں سے آباد ہے لہذا اپنی شرکت کو یقینی بنایا کرو۔

⋈: لاہور سے تشریف لائی ہیں نسرین اختر نینا لکھتی ہیں۔کیسی ہیں آپ؟ اللہ تعالیٰ آپ کو آپ کے پیارے پیارے بچوں کو آنٹی رخسانہ سہام مرزا صاحبہ کو اور دوشیزہ اور سچی کہانیاں کے سارے اسٹاف کو خوش وخرم اور اپنے حفظ وامان میں رکھے آمین ثم آمین۔منزہ میں ایک مرتبہ پھر آپ کا شکریہ ادا کروں گی کہ آپ نے

سانحہ ارتحال

ہمارے ادارے سے وابستہ ملک افتخار نیوز ایجنسی فیصل آباد کے ایجنٹ ملک آصف کی والدہ رضائے الٰہی سے گزشتہ ماہ انتقال فرما گئیں۔ ادارہ دکھ کی ان گھڑیوں میں ان کے ساتھ ہے اور مرحومہ کے درجات کی بلندی کے لیے دعا گو ہے اور اہلِ خانہ کے لیے صبر کی دعا کرتا ہے۔

میرے ناول سپنے سہانے کو دوشیزہ کی زینت بنایا اور سبھی دوشیزہ کے ساتھیوں کی بھی ممنون ہوں کہ انہوں نے میرے ناول کو پسندیدگی کی سند بخشی اور بہت سے ساتھیوں نے اتنے خوبصورت کمنٹس دیے ہیں کہ مجھے یقین ہی نہیں آتا تھا کہ یہ سب انہوں نے میری تحریر کے لیے لکھا ہے۔ واقعی پڑھنے والے ہی اصل میں لکھنے والوں کو اعتماد اور اہمیت دیتے ہیں جس کی وجہ سے مزید بہتر لکھنے کی تحریک پیدا ہوتی ہے۔ میں سب کے نام یہاں تو تحریر نہیں کر رہی کہ اس طرح خط بہت طویل ہو جائے گا البتہ میں آپ لوگوں کے تبصروں کو ناول کے کتابی صورت میں شائع ہونے کی صورت میں ضرور شامل کروں گی۔ انشاء اللہ منزہ آپ کی اور دوشیزہ کے قارئین کی حوصلہ افزائی کی بدولت ہی میں نے ایک اور مکمل ناول تحریر کیا ہے اور مجھے امید ہے کہ جب بھی یہ شائع ہوا آپ سب اسے بھرپور طریقے سے سراہیں گے کہ اب تو سلسلہ چل نکلا ہے۔ منزہ میرا یہ مکمل ناول ہمارے معاشرے کے جیتے جاگتے کرداروں کی ایسی کہانی ہے جو کبھی بھی پرانی نہیں ہوتی۔ یقیناً اسے آپ جلد ہی دوشیزہ میں شائع کرنے کی کوشش کریں گی۔ اور ہاں میں 'سپنے سہانے' کا پارٹو لکھ رہی ہوں۔ 'تعبیر' کے نام سے کیونکہ ابھی کہانی کے کرداروں کا انجام واضح نہیں ہوا تھا کہ اسے میں نے عجلت مین ختم کر دیا تھا کہ چونکہ وہ منی ناول تھا۔ اس لیے زیادہ طویل نا ہو جائے اور اس ماہ کا دوشیزہ پڑھ ہی نہیں سکی۔ کیونکہ مارکیٹ سے بھی نہیں ملا۔ اور آپ کی طرف سے بھی موصول نہیں ہوا اس لیے تبصرہ کرنے سے قاصر ہوں شبانہ کو ایک دو مرتبہ فون کیا تھا وہ کہہ رہی تھیں کہ انہوں نے سرکولیشن والوں کو ناول کا مسودہ بھجوانے کے لیے دے دیا تھا اور وہ کہہ رہے ہیں کہ انہوں نے بھیج دیا ہے۔ پھر پتہ نہیں کیوں نہیں ملا۔ نا ہی دوشیزہ ملا ہے۔ شاید ڈاک میں گڑبڑ ہوئی ہے۔ ایک مرتبہ پہلے بھی ایسا ہوا تھا۔ خیر کوشش کر رہی ہوں کہ کسی طرح مارچ کا دوشیزہ کہیں سے مل جائے۔ خط کچھ زیادہ ہی طویل ہو گیا ہے اس لیے اب اجازت چاہوں گی۔

✍ : اچھی نسرین! آپ کی محبتوں اور خلوص کا شکریہ۔ میری دعا ہے کہ جلد سپنے سہانے کتابی شکل میں آئے فون پر آپ سے بات چیت اچھی لگی اور یہ جان کر تو بہت خوشی ہوئی کہ جلد سپنے سہانے ڈرامائی شکل میں نظر آئے گا۔ آپ کا دوسرا ناول مجھے مل گیا ہے جلد پڑھ کر پھر ڈسکس کروں گی۔ اللہ کرے میرے اس جواب سے قبل آپ کو اصل مسودہ مل گیا ہو...... محفل میں شرکت کرتی رہا کریں اچھا لگتا ہے۔

✉ : کراچی سے ہمارے نئے لکھاری تشریف لائے ہیں سید محمود حسن لکھتے ہیں۔ امید ہے آپ اور تمام اسٹاف خیریت سے ہوں گے پہلی بار دوشیزہ میں شرکت کرنے کی جرأت کر رہا ہوں۔ مجھے دوشیزہ کی تحریریں اس لیے پسند ہیں کہ یہ اپنے اندر شائستگی، بہترین اندازِ بیاں اور دل کو چھو لینے والا اثر رکھتی ہیں۔ چاہے کہانی ہو یا افسانہ اپنے اندر معاشرتی حقائق اور تلخیوں کو اپنے اندر لیے ہوئے خوبصورت پیرائے میں پیش کی جاتی ہیں

اس ماہ کی تمام تحریریں ہی اعلیٰ و پُرکشش تھیں۔ ایک کہانی یا افسانہ بنام 'پچھتاوا' ارسال کر رہا ہوں جو کہ ایک سچی کہانی ہے اگرچہ میں نے مختلف ڈائجسٹ میں لکھا بھی ہے۔ مگر میں نہیں جانتا کہ یہ تحریر آپ کے رسالے کے معیار پر پوری اترتی ہے یا نہیں۔ اگر کوئی کمی بیشی بھی ہو تو اصلاح فرما کر شائع فرمائیں امید ہے دوشیزہ اپنی دلنشینیوں کے ساتھ ترقی کے سفر پر گامزن رہے گا اور مزید کامیابیاں حاصل کرے گا۔ دوشیزہ کے ایڈیٹر اور تمام اسٹاف کے لیے نیک تمناؤں کے ساتھ دعاگو ہوں کہ اللہ تعالیٰ انہیں ہمیشہ خوش و خرم رکھے۔

☜: محترم محمود صاحب! آپ کو دوشیزہ کی محفل میں خوش آمدید کہتی ہوں اور امید کرتی ہوں کہ آپ اس محفل کا اب باقاعدگی سے حصہ بنیں گے۔ آپ کی تحریر ابھی پڑھی نہیں ہے پڑھ کر آگاہ کروں گی۔ آپ بھی دوشیزہ کا باقاعدگی سے مطالعہ کیا کریں اور اپنی رائے سے آگاہ رکھیں۔

✕: ژوب کوئٹہ سے ہمارے نئے لکھاری عمران مظہر تشریف لائے ہیں' لکھتے ہیں۔ امید کرتا ہوں کہ آپ' کاشی بھائی' زین بھائی اور تمام اسٹاف خیر و عافیت سے ہوگا۔ کاشی بھائی کے سسر اور انکل سلیم فاروقی کے بارے میں پڑھا۔ اللہ تعالیٰ مرحومین کے درجات بلند فرمائے آمین۔ آپ سب کو سچی کہانیاں ایوارڈز تقریب کی کامیابی پر ڈھیروں مبارکباد۔ مارچ کے شمارے کا سرورق بہترین رہا۔ آپ کا لکھا اداریہ کاش 'اُن' کے ذہنوں تک پہنچ جائے۔ افسانوں میں دردانہ نوشین خان کا 'برا حال' فرح اسلم قریشی کا 'چابک' سعدیہ سیٹھی کا 'ایک ہی کمی ہے تُو' اور نفیسہ سعید کا 'تیری میری پریم کہانی' ہی پڑھ پایا ہوں اور سبھی لکھنے والوں نے ہمیشہ کی طرح اعلیٰ لکھا ہے۔ باقی تبصرہ محفوظ رہا کیونکہ حاضری یقینی بنانی ہے۔ امرتا پریتم کی 'کرماں والی' پڑھ کر تشنگی دور ہوئی۔ ماہِ فروری کے خاص نمبر میں آپ نے میرا افسانہ لگایا۔ میرے پاس الفاظ نہیں ہیں کہ میں کس طرح شکریہ ادا کروں۔ ہمت آپ نے دی ہے مزید تحریریں بھجوانے کی گستاخی میں کروں گا۔ امید ہے اصلاح جاری رکھیں گے۔ فروری کے شمارے میں فرزانہ آغا' کاشی بھائی' عقیلہ حق' مسز نگہت غفار کے افسانے بہترین رہے۔ فصیحہ آصف خان نے میرے افسانے کو حقیقت سے دور کیا ان کی رائے کا احترام کرتا ہوں ہر اس کا کیا کہ ایسی زندہ مثال میرے ہی شہر میں موجود ہے اور افسانے کا بنیادی مقصد عورت کی قربانی کو اجاگر کرنا تھا۔ قربانی جو عورت کی ایک صفت ہے ہر حال وہ سینئر رائٹر ہیں۔ کوشش کروں گا کہ آئندہ انہیں شکایت کا موقع نہ دوں۔ آخر میں نزہت جبیں ضیاء آنٹی کو خصوصی سلام کہنا چاہوں گا کہ جب بھی انہیں پکارا وہ ہمیشہ مدد کے لیے موجود رہیں۔ کوئی غلطی گستاخی ہوئی ہو تو معافی چاہتا ہوں۔ دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔ آپ سب دعاؤں میں رہتے ہیں اپنا بہت سارا خیال رکھیے گا اینڈ منزہ آپی ایک بار پھر بہت شکریہ۔

☜: عمران بھائی! محفل کا اختتام لکھ رہی تھی تب آپ کا خط موصول ہوا...... آپ نے شمارے پر بہت اچھا تبصرہ کیا۔ اداریہ پسند کرنے کا شکریہ...... لکھاری ایک دوسرے کی تحریر کو تنقید اور تعریف کا نشانہ بناتے ہیں یہ بہت مثبت عمل ہے اور جاری رہنا چاہیے اس طرح بہت کچھ سیکھنے کا موقع ملتا ہے...... امید کرتی ہوں کہ پابندی سے محفل میں شرکت کریں گے۔

اس آخری خط کے ساتھ اجازت دیجیے۔ انشاءاللہ اگلے ماہ پھر اس رنگارنگ محفل میں آپ سے ملاقات ہوگی۔ خوش رہیے اور خوش رکھیے۔ اللہ حافظ۔

دعاؤں کی طالب

منزہ سہام

عرشیہ راضی

ننھی فنکارہ

موِنی خان

17 اکتوبر 2002ء کو کراچی میں پیدا ہونے والی ہماری یہ ننھی اداکارہ اِس وقت ڈراموں کی ضرورت بن چکی ہے۔ اشتہارات سے فنِ زندگی کا آغاز کرنے والی اداکارہ بے شمار ڈراموں میں بطور چائلڈ اسٹار کام کر چکی ہیں۔ 'ہم سب امید سے ہیں' میں ہوسٹنگ بھی کی اور لوگوں نے انہیں بہت پسند بھی کیا۔

عرشیہ نے ابتدائی تعلیم داؤد پبلک اسکول سے حاصل کی۔ ڈرامہ تنہائی اور سناٹا میں ان کی اداکاری کو بہت سراہا گیا۔ عرشیہ نے اپنا پہلا کمرشل ایک سال کی عمر میں کیا...... خوبصورت نین نقوش والی اس بچی نے آتے ہی چھانے والے مقولے پر عمل کیا۔ آج وہ ہر چینل سے نشر کیے جانے

والے ڈرامے کی اولین ضرورت ہوتی ہے۔ صرف 15 سال کی عمر میں عرشیہ نے بے شمار ڈراموں اور کمرشلز میں کام کرلیا ہے۔

عرشیہ نے باوجود اس کے کہ وہ بہت کم سنی سے ڈراموں اور اشتہارات میں کام کررہی ہیں پڑھائی کو اگنور نہیں کیا وہ ایک اچھی اسٹوڈنٹ ہے۔

عرشیہ فارغ وقت میں تیراکی اور موسیقی سے دل بہلاتی ہیں۔ انہیں نے گانے کا بھی بہت شوق ہے۔ فلمیں رومن دور پر ہوں تو شوق سے دیکھتی ہیں۔

عرشیہ کی جڑواں بہن سارہ راضی بھی ڈراموں میں نظر آتی ہیں۔ جڑواں ہونے کے باوجود وہ ایک دوسرے سے قدرے مختلف ہیں۔ ہم ٹی وی سے نشر ہونے والا مزاحیہ ڈرامہ 'مسٹر شمیم' جس میں عرشیہ بیٹی کا کردار نبھا رہی ہیں لوگوں میں بے انتہا مقبول ہے۔

ہماری نیک خواشات عرشیہ کے ساتھ ہیں۔

آصف رضا میر

سدا بہار فنکار

ذیشان فراز

آج آپ کی ملاقات 'تنہائیاں' کے زین سے کروانے جا رہے ہیں وہ کردار جو برسوں گزرنے کے باوجود آج بھی لوگوں کے ذہنوں میں روشنیوں کی مانند جگمگا رہا ہے۔ طویل عرصے کے بعد آصف رضا میر کی واپسی انڈسٹری میں بھی اور پاکستان میں تو بھرپور انداز میں مناتے ہوئے یہ انٹرویو آپ کی نظر......

س: آپ کی تاریخ پیدائش کیا ہے؟

ج: میں 28 ستمبر 1959ء کو لاہور میں پیدا ہوا۔

س: شوبز انڈسٹری میں کب آمد ہوئی؟

ج: 1980ء میں پہلی بار کیمرے کا سامنا کیا۔

س: آپ نے بے شمار ڈراموں اور فلموں میں کام کیا آپ کے اپنے پسندیدہ ڈرامے یا فلمیں کون سی ہیں؟

ج: یار یہ تو ایک طویل فہرست ہے پھر سب نام تو شاید یاد نہ ہوں مگر کچھ ضرور بتا سکتا ہوں جیسے دروازہ، سمندر، تنہائیاں، تان سین، چھوٹی چھوٹی باتیں، روشنی، عشق گمشدہ اور آنگن ٹیڑھا، فلموں میں بدلتے موسم، دامن، ہائے یہ شوہر، میرے اپنے، پلے بوائے، اور ساتھی قابل ذکر ہیں۔

س: کیسے رول آپ کو کرنا پسند ہے؟

ج: یقیناً جو میری شخصیت کے مطابق ہوں اور حقیقت سے بھی قریب ہوں۔ ایسے رول بہت Challenging ہوتے ہیں کام کرنے میں مزہ آتا ہے یا پھر بالکل لائٹ رول ہنسنے ہنسانے والے جنہیں دیکھ کر انسان کچھ دیر کے لیے ہی سہی مگر اپنی پریشانیاں بھول جائے۔

س: آپ 90ء کی دہائی میں لاپتہ ہوگئے انڈسٹری سے بھی دور ملک سے بھی دور کوئی خاص وجہ؟

ج: دیکھو یار انسان کی زندگی میں کئی Phases آتے ہیں جب میں نے شوبز میں قدم رکھا تب

اکیس بائیس سال کا لڑکا تھا۔ کوئی ذمہ داری نہیں تھی۔ ڈراموں میں کام کرنے کا شوق تھا سو کیا پھر فلمیں بھی کرلیں حالانکہ وہ میرا مزاج نہیں تھا پھر بھی..... اس کے بعد زندگی میں اور بہت کچھ کرنا تھا سو پھر دوسرے کام کیے مثلاً کاروبار سیٹ کیا شادی کی..... وغیرہ وغیرہ۔

س: 10 سال اس لیے ڈراموں سے دور رہے؟

ج: شاید مگر بڑی وجہ ملک سے باہر ہونا تھا شاید یہاں رہتا تو ان مصروفیات کے ساتھ ڈراموں کو بھی وقت دے پاتا۔

س: تنہائیاں میں زین کا کردار لوگ آج تک نہیں بھولے آپ کیا سمجھتے ہیں کہ اب ایسے جان دار ڈرامے اور کردار کیوں نظر نہیں آتے؟

ج: سب سے بڑی وجہ 'وقت' ہے۔ جس وقت تنہائیاں چل رہا تھا صرف ایک ہی چینل تھا پی ٹی وی لوگ 8 بجے کے ڈرامے کا انتظار کرتے تھے کیونکہ ایک ہی ڈرامہ آتا تھا اب حالات مختلف ہیں بے شمار چینلز ہیں بے حساب کام ہو رہا ہے لوگ اب بھی ڈرامے شوق سے دیکھتے ہیں مگر کتنا یاد رکھیں کتنے کرداروں کو ذہن میں رکھیں..... زمانہ بہت بدل گیا ہے۔

س: آپ سمجھتے ہیں کہ جو معیار ڈرامے کا اُس وقت تھا وہ ہی اب بھی ہے؟

ج: معیار ضرور کمپرومائز ہوا ہے کیونکہ گنجائش بہت ہے ہر چینل

پر صبح سے رات تک ڈرامے چلیں گے تو معیار تو ضرور نیچے کی طرف آئے گا لیکن اس صورت حال میں اچھی بات یہ ہے کہ کام کے مواقع اب بہت زیادہ ہیں چیک بھی تگڑے ہوتے ہیں درحقیقت اب آپ ڈرامہ انڈسٹری کو انڈسٹری کا نام دے سکتے ہیں۔

س: آپ کی شخصیت بہت سحر انگیز ہے ایسا خواتین کا ماننا ہے آپ کیا ایسا سمجھتے ہیں؟

ج: (زوردار قہقہہ) اچھا مجھے تو نہیں پتہ تھا کہ میری ایسی شخصیت ہے۔ ویسے اگر خواتین ایسا سمجھتی ہیں تو یہ بڑی خوشی کی بات ہے۔

س: آپ ایک کامیاب بزنس مین بھی ہیں پھر پروڈکشن ہاؤس بھی چلاتے ہیں۔ اداکاری بھی کرتے ہیں یہ سب کیسے Manage کرتے ہیں؟

ج: ہاں یہ تو صحیح ہے کہ سب کچھ کر لیتا ہوں مگر مجھے لگتا ہے کہ میں توازن نہیں رکھ پایا دو کاموں کے درمیان اداکاری پر توجہ دی تو کاروبار میں نقصان ہوا کاروبار کی طرف دھیان دیا تو سالوں کے لیے اداکاری کو خیرباد کہنا پڑا۔

س: آپ کی شادی شدہ زندگی کا کتنا عمل دخل ہے انڈسٹری کی طرف واپسی میں؟

ج: بہت زیادہ میری بیوی جانتی تھی کہ اداکاری کا مجھے بہت شوق ہے ہمیشہ بہت سپورٹ کی اور اب احد (بیٹے) کے ڈراموں میں کام کرنے کی وجہ سے تو میں مکمل طور پر دوبارہ ڈراموں میں واپس آچکا ہوں۔

س: احد رضا میر کو آپ اس طرف لائے ہیں؟

ج: بالکل نہیں میں نے دونوں بیٹوں پر کبھی کوئی چیز مسلط نہیں کی مگر ظاہر ہے جراثیم تو آ ہی جاتے ہیں۔ وہ کینیڈا میں پڑھ رہا تھا جب اُسے ٹیلی فلم 'پرواز ہے جنوں' آفر ہوئی تھی اس نے مجھ سے پوچھا کہ کیا کروں میں نے کہا بیٹے جو دل کہے تو بس اس طرح اس نے شوبز میں قدم رکھے۔

س: آپ کیا صرف ڈراموں تک ہی محدود رہیں گے؟

ج: بالکل نہیں میں نے تین فلمیں سائن کی ہیں اور مجھے امید ہے اس میں میرا رول دیکھنے والوں کو اچھا لگے گا۔

س: ہمارے ڈراموں میں نئے اداکاروں کی ایک طویل فہرست ہے آپ کیا سمجھتے ہیں کہ ہر ڈرامے میں نوواردوں کے ساتھ کام کرنا معیار کو برقرار رکھ سکتا ہے؟

ج: کیوں نہیں اگر سینئر سکھائیں گے نہیں تو نئے آنے والے کہاں سے سیکھیں گے۔ دونوں کو ساتھ لے کر ہی ڈرامہ تیار کرنا چاہیے۔ تجربہ شیئر کرنے کے لیے ہی ہوتا ہے۔

س: آپ کے والد رضا میر فلم انڈسٹری کا ایک بڑا نام ہیں انہوں نے ناگ منی اور آگ کا دریا جیسی مشہور فلمیں بنائیں آپ بھی فلم بنانے کا ارادہ رکھتے ہیں؟

ج: بالکل سوچتا ہوں اور یقیناً جب موقع ملے گا ضرور بامقصد فلم بناؤں گا۔

س: آپ کتنے بہن بھائی ہیں اور کیا آپ کے علاوہ بھی کسی کو اداکاری کا شوق ہے؟

ج: ہم تین بہن بھائی ہیں مگر یہ شوق صرف مجھے ہی ہے۔

س: شادی کب ہوئی؟

ج: 91ء میں ثمرہ سے اور شادی کے بعد ہی ہم لوگ کینیڈا شفٹ ہو گئے۔ ثمرہ بھی کچھ عرصہ ہما خواجہ کے بینڈ میں شامل رہیں مگر پھر شادی اور بچوں کی مصروفیات کے باعث یہ شوق ترک کرنا پڑا۔

س: موسیقی سے کتنا لگاؤ ہے؟

ج: بہت زیادہ مجھے غزلیں سننا بے حد پسند

ہے۔

س: ایک بہت ذاتی سا سوال آپ نے مونچھیں رکھی تھیں پھر صاف کردیں کیا کسی فین کی

خواہش تھی یا؟

ج: (مسکراتے ہوئے) ہاں بڑی پرانی بات یاد دلا دی۔ بس شوق تھا رکھی ہٹا دی کوئی خاص وجہ نہیں۔

س: آپ پیشے کے اعتبار سے کاروباری آدمی ہیں پھر اداکاری کا شوق کیسے ہوا؟

ج: گھر کا ماحول بہت میٹر کرتا ہے والد صاحب کی وجہ سے اکثر بڑے اداکاروں سے ملنے کا موقع ملا شوٹنگز دیکھیں تو بس دل میں شوق سما گیا۔

س: ڈائجسٹ میں لکھنے والی خواتین اب ڈراموں کے اسکرپٹ پر بھی کام کررہی ہیں کیا سمجھتے ہیں خواتین کے بس کی بات ہے یہ؟

ج: یہ کیا کہہ دیا آپ نے ہماری خواتین جنگی جہاز اڑا رہی ہیں ایسا کون سا کام ہے جو وہ نہیں کرپاتیں بلکہ میں تو کہوں گا ملٹی ٹاسکنگ ہوتی ہیں۔ گھر، بچے، شوہر، رشتے ناطے، نوکری سب سنبھالتی ہیں تو پھر ڈرامہ لکھنا کون سی مشکل بات ہے بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ ڈائجسٹوں میں لکھنے والی خواتین کی تحریر زیادہ پختہ اور حقیقت سے قریب ہوتی ہے اُن کا قلم رواں ہوتا ہے۔

س: ڈرامہ انڈسٹری کو کہاں دیکھ رہے ہیں؟

ج: ڈرامہ انڈسٹری اپنے پیروں پر مضبوطی سے کھڑی ہے اور آنے والے دنوں میں کامیابی کا سفر اور بہت تیز ہوگا۔

س: اپنے چاہنے والوں کو کیا پیغام دیں گے؟

ج: سب سے پہلے اُن کی محبتوں کا شکریہ میں ان کے بغیر کچھ نہیں اور بس ایک دوسرے کا خیال رکھیں اور پاکستان کی قدر کریں۔

☆☆......☆☆

لائف بوائے شیمپو... ایشیا کا سب سے بہتر، سب سے اعلیٰ شیمپو

اسماء اعوان

حقیقت سے جڑی وہ کہانیاں، جو اپنے اندر بہت سارے دکھ سکھ اور کامیابی کے راز پنہاں رکھتی ہیں

آپ دنیا میں ہر چیز کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ مگر حسن؟ حسن کا مقابلہ کوئی کیسے کر سکتا ہے۔ یہ بات کسی کے بھی سمجھ میں نہیں آتی۔

اس نے دو دفعہ صابن سے منہ دھونے کے بعد آئینے میں اپنا چہرہ دیکھا۔

صابن رگڑنے سے جلد ہلکی ہلکی سرخ ہو رہی تھی۔ اور تھوڑی دیر کے بعد جب ذرا سی ہوا لگی تو چہرے کی ساری جلد پھٹے کپڑے جیسی ہوگئی۔

اب کریم ملو...... کریم ملنے کے بعد ایسا ہو جائے گا۔ جیسے چہرے کو تیل کے دریا میں غوطہ دے دیا ہے۔

''ماہی!'' اماں نے دو تین آوازیں ایک ساتھ ہی دے دیں۔

''جی اماں! آ رہی ہوں۔'' اس کے سارے خیالات کا تانا بانا ہی ٹوٹ گیا۔

یہ تو اماں کی عادت تھی جب ذرا سوچ کسی موڑ پر پہنچتی' اماں جھٹ پٹ اُسے ڈسٹرب کر دیتیں۔

''ماہی! تمہیں ہر وقت فارغ بیٹھ کر سوچنے کے علاوہ اور کوئی کام نہیں ہے۔'' اماں نے اُسے دیکھتے ہی گھر کا۔

''تو اماں! ایسی کون سی قیامت آ گئی۔ صرف کچھ سوچ ہی رہی تھی' کوئی ڈاکا...... وغیرہ تو نہیں ڈال رہی تھی نا لیکن آپ...... آپ تو ایسے پریشان ہو جاتی ہیں۔ جیسے کہیں کوئی بم وغیرہ بلاسٹ ہو گیا ہو۔''

''یہ جو تمہاری سوچیں ہیں نا بیٹا! یہ بھی کوئی بم دھماکے سے کم تھوڑا ہی ہیں۔'' اماں نے جل کر کہا۔

اماں کی بات سن کر اُس کا دل یوں ہی اُداس ہو گیا۔

☆......☆......☆

کتنی محبت سے اُس نے چہرہ دھویا تھا مگر سانولے رنگ کا کمپلیکس اُسے کچھ کرنے ہی نہ دیتا تھا۔ بس وہ یہی سوچتی تھی کہ انسان میں کچھ تو ہو جو اُسے دوسروں سے ممتاز رکھ سکے مگر وائے نصیب' اُس میں ایسا کچھ نہ تھا۔ چہرے ہی کی بات نہ تھی۔ اُس کے تو بال بھی بے رونق اور عجیب چھدرے سے تھے۔ گھر سے بہت کم باہر

نکلنے کے باعث اُسے زمانے کی کوئی خاص خبر نہ تھی۔
آئینہ دیکھ کر اُس نے بالوں پر حسرت بھری نگاہ ڈالی اور پھر وہ دل مسوس کر ایک طرف بیٹھ گئی۔

ابھی تو اُس نے نہم کلاس کے پرچے دیے تھے۔
اور اسی دوران لڑکیوں کے خوبصورت بال اور گوری جلد دیکھ کر اُس کے دل میں بھی ہلچل ہوتی تھی مگر جب گھر میں آتی تو بھائی نہ ہونے کا دکھ اُس کے رگ و پے میں دوڑ جاتا اور یتیمی کا آسیب اُسے بری طرح جکڑ لیتا۔
غریب کی دوڑ تو ویسے بھی مسجد سے گھر تک کی ہی ہوتی ہے۔

☆......☆......☆

''بیٹا میں نے تجھے پہلے بھی کہا تھا کہ تُو نئی نئی سہیلیاں نہ بنایا کر۔'' اسے سجل کے ساتھ کار میں آتے دیکھ کر انجم نے لتاڑا۔ وہ فوراً سجل پر آیا غصہ بیٹی پر اتارنے لگی۔

''اماں! سجل بہت اچھی لڑکی ہے اور......''

''اور کیا...... بتا بیٹا...... اور کیا...... میں تجھے جب بھی کچھ کہا کروں اُس پر عمل کر لیا کر بس...... میں تیرے بھلے کے لیے ہی بولتی ہوں۔ دنیا میں نے تجھ سے زیادہ دیکھی ہے۔ بس مجھے نہیں اچھی لگتی ہے وہ لڑکی۔''
اُس نک سک سے تیار لڑکی کو دیکھ کر انجم کا احساس کمتری عود آتا تھا۔ وہ کھل کر کچھ نہ کہہ سکتی تھی۔
اپنی بیٹی کو غربت کے باعث وہ ویسا نہ دکھ سکتی تھی۔
اُس کا صاف ستھرا، سپید چہرا، گھنے لہراتے بال دیکھ کر اپنی بیٹی کی کم مائیگی بہت محسوس ہوتی تھی۔

☆......☆......☆

اُس کی سجل سے تھوڑے ہی عرصے میں بہت اچھی دوستی ہوگئی تھی۔ اس لڑکی میں بھی غرور والی کوئی بات نہیں تھی۔ حالانکہ بقول اماں کے وہ بنگلے والے لوگ تھے۔
ماہی نے کتنی ہی دفعہ اماں کو منع کیا تھا کہ اماں سجل کو اس طرح نہیں کہا کریں۔ انجم سجل سے چڑتی نہیں تھی۔
لیکن وہ ماہی کو یہ ضرور احساس دلاتی رہتی تھیں کہ اپنی حیثیت نہیں بھولو۔''

''اور جو بنگلے میں رہے گا، اُسے بنگلہ والا ہی کہا جائے گا بھئی اور اپنا یہ ایک کمرے کا کوارٹر بھی ذرا نظر میں رکھ لیا کرو۔''

''لیکن پھر بھی اماں مجھے اچھا نہیں لگتا۔ ٹھیک ہے ہم بے مایا لوگ ہیں لیکن کیا ضروری ہے کہ انسان ہر گھڑی اپنی اوقات کو ہی یاد رکھے۔''

''اگر انسان...... خود یاد نہیں رکھے گا تو دوسرے یاد دلا دیں گے۔''
اماں کے اپنے ہی فلسفے تھے اور مزے کی بات یہ کہ وہ ان سارے فلسفوں کو صرف خود تک ہی محدود نہیں رکھتی تھیں۔ اکثر و بیشتر ماہی کو بھی گھول کر پلانے کی کوشش کرتیں۔ یہ اور بات کہ وہ کبھی ہاتھ آ جاتی کبھی نہیں۔ کبھی سن لیتی، کبھی ان سنی کر دیتی لیکن اماں بھی مستقل مزاجی سے لگی ہی رہتیں۔
وقتاً فوقتاً اُسے خوابوں کے جزیرے سے نکال کر حقیقت کی بے رحم موجوں کے حوالے کر دیتیں۔ وہ اس میں بھی خواب کا ایک چھوٹا سا روزن کھول لیتی۔ اماں، جلبلا کر رہ جاتیں۔

''پہلے آئینے میں اپنی شکل تو دیکھ پھر یہ شہزادیوں والے خواب دیکھا کر۔''

''کیا ہوا اماں! آئینہ تو کہتا ہے کہ تم بہت اچھی ہو۔ کیا ہوا، جو ذرا سا رنگ سانولا ہے تو میں ابھی تھوڑے دن پہلے ہی تو اخبار میں پڑھ رہی تھی کہ ہمارے پڑوسی ملک کی ساری ہیروئنیں سوائے ایک دو کو چھوڑ کر سب کالی ہیں، یا سانولی اور یہ سب کچھ جو ہوتا ہے، صرف میک اپ کا کمال ہوتا ہے۔ وہاں کی جتنی میک اپ کمپنیاں ہیں۔ وہ سب بہت فائدے میں ہیں۔''

''اچھا پھر جا کر تم بھی ایک میک اپ کمپنی کھول لو۔''

''اُس سے اچھا یہ نہیں ہے کہ میں ذرا میک اپ کو ہی استعمال کر کے دیکھ لوں۔'' اس نے شرارت سے کہا۔

''ہاں' جاؤ میک اپ کرلو بلکہ تھوپ لو۔ تب بھی فرق کیا پڑے گا۔'' اماں نے بیزاری سے کہا۔

اور یہ تو وہ صحیح کہہ رہی تھیں کہ تب بھی فرق کیا پڑے گا۔

میک اپ کر کے چہرہ تو تبدیل کیا جا سکتا تھا لیکن بال......

آج ماہی اس کے پاس آئی تو دروازے پر کھڑی سب کچھ سن رہی تھی۔ وہ ذرا سا مسکرائی آج وہ اپنی اس پیاری سہیلی کے بالوں کے لیے ایک بہت آزمودہ اور قیمت میں بہت مناسب شیمپو لائی تھی۔

اس کے والد بہت بڑے بزنس مین تھے لیکن انہوں نے رزق حلال کو شعار بنا کر اولاد کی پرورش کی تھی۔ اور یہی وجہ تھی کہ غرور نام کی کوئی چیز اس کے سب بہن بھائیوں میں نہ تھی۔ اپنی اس سہیلی سے اُس کی دوستی نہم جماعت کے پیپرز کے دوران ہوئی تھی۔ اس سے باتوں کے دوران وہ جان گئی تھی کہ اس کا مسئلہ کیا ہے۔ اُس نے بالوں کے حوالے سے اُس کے خوبصورت بالوں کی بڑی تعریف کی تھی۔ سجل امیر باپ کی بیٹی ضرور تھی لیکن تھی بہت سادہ...... اُسے اُس کی ماں نے ہمیشہ کوالٹی میں نمبرون شیمپو لائف بوائے استعمال کرایا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ لائف بوائے کے مسلسل استعمال نے اُس کے بالوں کو قدرتی نگہداشت دے کر مضبوط' گھنا اور چمکدار بنا دیا تھا۔ سب کچھ پیسے سے ممکن نہیں ہوتا۔ کچھ چیزیں صرف تھوڑی سی کیئر مانگتی ہیں اور بس...... اور اب وہ یہی کیئر اپنی سہیلی کو دینا چاہتی تھی۔ وہ مسکراتی ہوئی انجم آنٹی کے دروازے کی دہلیز پار کر گئی۔ مسکراتے ہوئے انہیں سلام کیا اور اُن کی ناگواری نظر انداز کرتے ہوئے ماہی کے پاس آ گئی۔

''دیکھو آج میں تمہیں دینے کے لیے جو اہم چیز لائی تھی وہ باتوں باتوں میں بھول ہی گئی۔''

''سجل! تو تم نے اماں کی سب باتیں سن لیں؟'' وہ حد درجہ ندامت محسوس کر رہی تھی۔

''ارے چھوڑو یار! ماؤں ہی کے دم سے تو ساری رونق ہوتی ہے۔ تم کیوں فیل کر رہی ہو۔'' ماہی' سجل کے بڑے پن اور اعلیٰ ظرفی پر قربان ہو گئی۔

''سوری! میں سوری کرتی ہوں اماں کی طرف سے۔'' وہ اُس کے گلے لگ گئی۔

''پلیز ماہی! میں نے قطعاً برا نہیں منایا۔ تم ریلیکس ہو جاؤ۔''

''او کے!''

''یہ لو...... یہ تمہارے لیے ...... تمہارے بالوں کے مسائل کا مکمل حل۔'' سجل نے اُسے نئے لائف بوائے شیمپو کی بوتل نکال کر دیتے ہوئے کہا۔

''لائف بوائے شیمپو!''

''نہیں' نیو لائف بوائے شیمپو! ملک پروٹین اور باداموں کی طاقت لیے نیا لائف بوائے شیمپو جو سب کے بالوں کے لیے آکسیجن جتنا ضروری ہے۔''

''تو کیا تمہیں یقین ہے کہ میرے بالوں پر یہ شیمپو اثر کرے گا؟''

''کیوں نہیں...... 110 فیصد یقین ہے۔ کیونکہ نیا لائف بوائے شیمپو ایشیا کے لوگوں کے بالوں کی ساخت کو سامنے رکھ کر بنایا گیا ہے۔ اسی لیے اثر کرتا ہے۔ تو پھر آج سے کاؤنٹ ڈاؤن اسٹارٹ کرو۔ بلا ناغہ تم نئے لائف بوائے شیمپو سے بالوں کی نگہداشت کرو گی۔ مگر ایک وعدہ بھی مجھ سے کرنا ہوگا۔''

''وعدہ! کیسا وعدہ بھئی!''

''تمہیں ضرورت نہیں ہے گھبرانے کی ...... بس وعدہ یہ ہے کہ تم لائف بوائے شیمپو کو آنٹی سے چھپا کر استعمال کرو گی۔''

''مگر وہ کیوں!''

''وہ میں بعد میں بتاؤں گی اب میں چلتی ہوں۔''

''اوکے......'' ماہی کو حیران چھوڑ کر سجل جا چکی تھی۔

''چلی گئی سہیلی! ارے بیٹا تم بس کم ملا کرو اس لڑکی سے۔'' اماں سجل کے جانے کے بعد پھر سے سجل کی شان میں قصیدہ پڑھنے لگیں مگر اب ماہی کو اماں کی جھڑکیاں بری نہیں لگ رہی تھیں۔ سچ کہا تھا سجل نے...... ان ہی باتوں سے تو رونق ہوتی ہے گھر میں......

☆......☆......☆

ماہی نے نیو لائف بوائے شیمپو کا مسلسل استعمال شروع کیا تو اس کے بالوں میں حیرت انگیز طور پر تبدیلی آنے لگی۔ پہلے تو لائف بوائے شیمپو کے استعمال سے اس کے چھدرے چھدرے بال Straight ہونے لگے اور پھر مکمل طور پر بال سیدھے ہوگئے اور پھر دو مُوہے بال ختم ہو کر اپنی افزائش بڑھانے لگے۔ بال دن بدن خوبصورت ہونے لگے تو اُسے اپنی سانولی سلونی رنگت بھی پُرکشش لگنے لگی اور پھر اس تبدیلی نے اُس کے اعتماد میں اضافہ کیا۔

انجم اُس کی بدلتی شخصیت کو محسوس کر رہی تھی۔ اس کی شخصیت میں تبدیلی مثبت تھی۔ آخر چھ ماہ بعد ماہی کے بال کمر پر لہرانے لگے۔

☆......☆......☆

آج سجل پھر سے ماہی کے گھر پر تھی۔ انجم کو اُسے دیکھ کر آج کوفت اور بیزاری محسوس نہ ہوئی تھی۔ آج اُسے اپنی سلونی سی ماہی، گوری چٹی سجل کے مقابلے میں زیادہ پُرکشش محسوس ہو رہی تھی۔ سجل نے یہ تبدیلی فوری محسوس کی اور پھر ماہی کو ٹہوکا مارا۔

''اماں سجل آپ سے کچھ کہنا چاہتی ہے۔''

''ہاں بولو بیٹی خیر تو ہے ناں۔''

''آنٹی بس بات یہ ہے کہ آپ مجھ سے آدم بیزار تھیں نا۔''

انجم تھوڑا سا جز بز ہوئیں۔

''آنٹی پلیز۔'' سجل نے انجم کے ہاتھ تھامے۔

''آنٹی آپ کا مجھ سے بیزار ہونا ٹھیک تھا لیکن آنٹی اگر آپ خود ماہی کے اصل مسائل کو بھانپ لیتیں تو یقیناً یہ نوبت نہ آتی۔ آپ نے ہمیشہ ماہی کے سانولے رنگ پر چوٹ کی رنگت تو خیر اللہ کا معاملہ ہے۔ مگر اس کے بالوں کو بہتر کرنا تو آپ کے ہاتھ میں تھا۔ شیمپو تو بالوں ہی کے لیے بنائے جاتے ہیں اور نیا لائف بوائے شیمپو تو ہمارے ہی لیے خاص طور پر بنایا گیا ہے۔ اس کے استعمال سے بالوں کے تمام مسائل بڑی حد تک ختم ہوسکتے ہیں۔ مگر ہم لوگ بغیر کچھ تحقیق کیے سب کو برا کہتے ہیں۔ یہ دیکھیے نئے لائف بوائے شیمپو کا کمال۔''

یہ کہہ کر ماہی نے اپنے سر سے دوپٹہ اُتارا تو اُس کے سیاہ چمکیلے صحت مند بال لہرانے لگے اور بالوں کی خوبصورتی ہی تو لڑکی کا اصل حسن ہوتی ہے۔ جسے دیکھ کر انجم مبہوت ہو کر رہ گئی۔

''ارے میری چندا!'' انجم نے بڑھ کر سجل کو گلے سے لگا لیا۔

''بیٹی میں نے تجھے پہچاننے میں غلطی کی۔ مجھے معاف کردے۔''

''ارے یہ کیا کہہ رہی ہیں آنٹی...... پلیز مجھے گناہ گار نہ کریں۔ یہ حقیقت آپ کے سامنے ہے۔ اب بھی یہ نہ کہیے گا۔ اچھے برے سب جگہ ہوتے ہیں مگر سب سے اچھا ہے ہمارا یہ نیا لائف بوائے شیمپو...... لائف بوائے کے نئے اسٹرانگ اینڈ تھک شیمپو سے بال دکھیں 30 فیصد سے زیادہ گھنے اور خوبصورت۔''

''تھینک یو نئے لائف بوائے شیمپو۔'' یہ کہہ کر انجم نے ماہی اور سجل کو گلے سے لگا لیا۔

☆☆......☆☆

ناول
رفعت سراج

دامِ دل

قسط 27

معاشرے کے بطن سے نکلی وہ حقیقتیں، جو دھڑکنیں
بے ترتیب کر دیں گی، رفعت سراج کے جادوگر قلم سے

''میں بہت جلدی میں ہوں۔ مجھے آج کچھ بہت ضروری کام بھی کرنے ہیں...... جلدی سے اپنی ضروری چیزیں اٹھاؤ اور میرے ساتھ چلو۔''
ثمر نے گھر میں داخل ہونے کے بعد رسمی سلام کا جواب دیا اور ندا کو فوراً تیار ہونے کو کہا ندا آنکھیں

پھاڑ کر ثمر کی طرف دیکھنے لگی۔ ثمر کے انداز میں قطعیت بھی تھی اور اعتماد بھی وہ دو ٹوک انداز میں بات کر رہا تھا۔

''لیکن ہمیں جانا کہاں ہے؟'' ندا نے سوال کیا جو فطری تھا۔

''کہاں جانا ہے؟ یہ بھی کوئی سوال ہے۔ بھئی میں تمہیں اپنے گھر لے جا رہا ہوں۔ وہ تمہارا ابھی گھر ہے میں صرف امی کی وجہ سے احتیاط کر رہا تھا کیونکہ وہ بیمار تھیں ورنہ کوئی ایشو نہیں تھا۔ اب سوال جواب میں وقت ضائع نا کرو اور تمہیں جو جو چیزیں لینا ہے وہ لے لو کیونکہ تمہیں گھر پہنچا کر مجھے دو تین کاموں کے لیے پھر باہر جانا ہوگا۔''

''لیکن میں کیوں اُس گھر میں جاؤں اس لیے کہ وہ گھر صرف آپ کا اور میرا ہی نہیں ہے آپ بھول گئے یا آپ نے جان بوجھ کر چمن کا نام نہیں لیا...... ''ندا کے لہجے میں تلخی اُمڈ آئی جو کچھ دل میں چھپا تھا اُس کا اظہار کیے بغیر نہ رہ سکی۔

ثمر اندر ہی اندر مشتعل تو بہت ہوا...... لیکن اِس وقت اُسے بہت سمجھداری اور صبر و تحمل سے کام لینا تھا۔ کیونکہ اگر وہ صبر و ضبط کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیتا تو اُلٹی اُسے ہی دوسری مشقت کرنا تھی۔ اور اُس میں اتنا دم نہیں تھا کہ وہ ایک مسئلے کے بعد دوسرا مسئلہ حل کرنے کے لیے بھاگ دوڑ کرتا پھرے۔

چمن اب اُس گھر میں نہیں آئے گی میں وعدہ بھی کر رہا ہوں اور ضمانت بھی دے رہا ہوں۔ کیا تمہیں میری بات پر اعتبار نہیں......'' ثمر نے ندا کی آنکھوں میں جھانکا۔

''اعتبار نہ ہوتا تو آج آپ کی بیوی نا ہوتی اس اعتبار نے ہی تو مروا دیا مجھے......'' ندا نے یہ کہتے ہوئے ثمر کی طرف پشت کر لی۔

ثمر دو قدم آگے بڑھا اور اپنے دونوں ہاتھ ندا کے کندھوں پر رکھ کر ہلکا سا دباؤ ڈال کر اپنی طرف موڑا۔ غصہ تو بہت آ رہا تھا لیکن اُسے غصے کے نتیجے کا پتہ تھا اس لیے اعلیٰ درجے کی قوت برداشت کا مظاہرہ کر رہا تھا۔

''تم نے بالکل ٹھیک اعتبار کیا...... ٹھیک بندے پر اعتبار کیا۔ آنے والا وقت تمہیں یہی بتانے جا رہا ہے۔''

''نہیں میں اِس طرح نہیں جاؤں گی مجھے اِس بات کا یقین نہیں ہے...... مجھے تو سمجھ ہی نہیں آتی جب اُس عورت کا آپ سے کچھ لینا دینا نہیں ہے تو آپ نے اُسے باندھا ہوا کیوں ہے؟''

''میں اُسے طلاق دے رہا ہوں۔'' ثمر نے آہستہ آواز میں اور اپنے پُرسکون انداز میں کہا کہ ندا کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ وہ آنکھیں پھاڑ کر ثمر کی طرف دیکھنے لگی۔

''دے رہا ہوں...... پھر وہی دے رہا ہوں اُف میرے خدایا تو دیتے کیوں نہیں......'' اب جیسے وہ پھٹ پڑنے کے لیے تیار ہوگئی تھی۔ اور یہ تو اُس نے طے کر لیا تھا۔ اُس نے کیا طے کر لیا تھا کچھ نرگس کا سمجھانا بجھانا تھا کچھ ارسلان کے مفت کے مشورے تھے کہ اُس نے چمن کا فیصلہ ہونے سے پہلے ثمر کے ساتھ رہنا ہی نہیں ہے چاہے وہ اُسے ہمیشہ کے لیے چھوڑ دے...... وہ ایک چاہنے والے کے لیے تو

تکلیف اٹھا سکتی ہے دھوکہ دینے والے کے لیے نہیں۔
ثمر جو اِس وقت برداشت کرنے کا تہیہ کیا ہوا تھا۔
ایک گہری سانس لے کر پلٹا اور وہ بیگ جو اُس کے ساتھ ہوتا جس میں اُس کا لیپ ٹاپ بھی ہوتا تھا۔ وہ بیگ صوفے سے اُٹھا کر اُسے کھولا اور ایک نئی کوری فائل جس کے اوپر کچھ لکھا ہوا بھی نہیں تھا نکال کر ندا کے سامنے کیا۔

''اِس میں ڈیورس پیپر ہیں تمہاری اطلاع کے لیے عرض ہے۔''

''ڈیورس پیپر ہاں...... آپ نے یہی کرنا تھا...... آخر کار یہی ہونا تھا۔ مجھے پہلے ہی پتہ تھا۔ کیونکہ آپ کو پتہ تھا میں بہت بے وقوف ہوں۔ ساری زندگی بیوقوف بنتی رہوں گی۔''

''ایک تو تمہارا مسئلہ یہ ہے......'' ثمر نے اب سچ مچ برہمی سے اُس کی بات کاٹ دی تھی۔

''تم جب بولنے پر آتی ہو نا تو بولتی چلی جاتی ہو۔ درمیان میں رُک کر سامنے والے کو بھی سن لیتے ہیں تو بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ سامنے والے کی بات سن لینے کے بعد بات ختم ہو جاتی ہے آگے نہیں بڑھتی۔''

''یہ ڈیورس چمن کے لیے ہیں۔'' اَنا پرست ثمر نے دل کڑا کر کے اپنی اَنا کچل کر بڑی رسانیت سے بات کی تھی۔

''چمن کے لیے......'' اب تو جیسے ندا پر عجلت طاری ہو گئی جھپٹنے کے انداز میں اُس نے ثمر سے فائل لی تھی اور کھول کر پیپر پر نظر دوڑانا شروع کر دی تھی۔ پڑھتے پڑھتے اُس نے نظر اُٹھا کر ثمر کی طرف دیکھا۔

''لیکن یہ پیپر تو چمن کے پاس ہونا چاہیے ابھی تو آپ کے پاس ہیں۔''

''جی یہ فائنل ہو گئے ہیں میں ج ہی انہیں کوریئر سے روانہ کر دوں گا۔ تمہیں ساتھ لے کر جا رہا ہوں تاکہ ساری کارروائی تم اپنی آنکھوں سے دیکھو۔ تمہارے سامنے کوریئر کروں گا اب مزید دیر کرنے کی ضرورت نہیں...... جلدی سے شاباش...... فٹافٹ جو کچھ بھی لینا ہے جلدی سے لے آؤ اگر کوئی چیز رہ بھی گئی تو دوبارہ آ کر لے سکتی ہو۔ ایکچولی میں لیٹ ہو رہا ہوں۔ مجھے اِس کام کے علاوہ بھی دو تین اور اہم کام کرنے ہیں۔''

اب تو ندا کی حالت وہ تھی کہ خوشی نے اُس کے حواس بھی معطل کر دیے تھے۔ اُسے الفاظ سوجھ رہے تھے نا وہ اپنے آپ کو قابو میں رکھنے کی صلاحیت محسوس کر رہی تھی۔

ایک ٹک ثمر کی طرف دیکھے جا رہی تھی۔ آنکھوں سے خوشی جھلک رہی تھی۔ یوں جیسے خوشی سے ابھی ناچنا شروع کر دیے گی۔

پیار محبت یقین ایک طرح سے ثمر کی بلائیں لے رہی تھی۔ سارے اندھیرے چھٹ گئے تھے سارے اندیشے ساری بدگمانیاں پل بھر میں رفو چکر ہو گئی تھیں۔

''ارسلان بھائی تو بس اسی طرح فضول باتیں کرتے ہیں۔ شکر ہے بات آگے نہیں بڑھی۔ انہوں نے تو میرا بیڑا غرق کر دیا تھا۔ وہ تو مجھے پہلے ہی پتہ تھا میرا دل کہتا تھا...... ثمر ایسے نہیں ہیں اور اُن کو لڑکیوں کی کیا کمی تھی۔''

''اتنا اچھا گھر ہے اتنا اچھا کماتے ہیں۔ ایسے بندے کو تو بڑے آرام سے دوسری بیوی مل سکتی ہے کوئی

مسئلہ ہی نہیں ہے بلکہ نرگس آنٹی ہی ایک دفعہ سنا رہی تھیں کہ آج کل تو لوگ اتنے پاگل ہو گئے ہیں کہ شادی شدہ مرد کو بھی اپنی کنواری بیٹی دے دیتے ہیں یہ سوچ کر کہ خوشحال ہے دو بیویاں سنبھال سکتا ہے۔''

''توبہ استغفار یہ سب کرنے کے لیے بھی بڑا جگرا ہونا چاہیے۔'' وہ سوچ رہی تھی اور ثمر نے سر پیٹنے کے انداز میں اپنا ہاتھ سر پر رکھ لیا تھا۔

''اللہ کی بندی اب مجھے دیکھ دیکھ کر خوش ہوتی رہو گی یا مجھے کوئی کام بھی کرنے دو گی۔ ویسے وہ تمہارا ڈیئر کزن نظر نہیں آ رہا۔''

ندا تو جانے کے ارادے سے پلٹی ہی تھی کہ وہ اپنی چیزیں سمیٹ لے..... فوراً ثمر کی طرف دوبارہ لوٹ آئی۔

''بھئی یہ کیا آپ ہر وقت ڈیئر کزن ڈیئر کزن کہتے رہتے ہیں سب کے کزن ہی ڈیئر ہوتے ہیں۔ اب وہ آئے ہوئے ہیں بے چارے اپنا گھر بیچ کر چلے جائیں گے۔ ساری عمر میں تو اب اُن کی مشکل دیکھی تھی۔ اب گھر بیچ کر چلے جائیں گے پھر انشاءاللہ قیامت کو ہی ملیں گے.....'' وہ اپنے مخصوص پھکڑ پن سے بولتی ہوئی وہ اپنے عارضی بیڈروم کی طرف چل پڑی۔ ثمر اس وقت خود کو ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا۔ کیونکہ ندا کے ساتھ جھگڑے کے تمام امکانات ختم ہو چکے تھے اور آگے بہت ہموار زندگی نظر آ رہی تھی۔

☆......☆......☆

''دیکھو بھئی ہم نے تو تمہیں شروع میں ہی بتا دیا تھا کہ ہم نے اپنے بیٹے کا دوسرا بیاہ کرنے میں جلدی اس لیے دکھائی کہ ہمیں چاند جیسے پوتے کی آرزو نے بے چین کیا ہوا ہے۔''

''ہاں..... لیکن یہ انسان کے اپنے اختیار میں تو نہیں ہے یہ تو اللہ کی مرضی ہے..... وہ کسی کو بیٹا دیتا ہے کسی کو بیٹی اور کسی کو بیٹا اور بیٹی دونوں دیتا ہے اور بہت سارے لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو بے اولاد ہوتے ہیں۔ امی جان یہ سب اللہ کے کام ہیں ہم اس میں کیا کر سکتے ہیں۔'' ربیعہ جو دوپہر کا کھانا بنانے کی تیاری کر رہی تھیں اور سبزی وغیرہ لے کر بیٹھی ہوئی تھیں۔

جب سے اُسے ماں بننے کی خوشخبری ملی تھی فردوس لاڈ پیار زیادہ کر رہی تھیں لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ بھی جتا رہی تھیں کہ انہیں بس صرف اور صرف ایک پوتا چاہیے۔

ربیعہ یہ تمام چیزیں بہت خاموشی سے برداشت کر رہی تھی اور اُس نے یاور سے بھی اِس طرح کی کوئی بات نہیں کی تھی کہ وہ یہ سمجھے کہ وہ لگائی بجھائی کر رہی ہے یا اُس کی ماں کی برائی کر رہی ہے۔ وہ بہت سمجھدار تھی وہ جانتی تھی کہ یہ لاحاصل قسم کے بحث مباحثے فرمائشیں جس امر پر اختیار ہی نہیں اُس پر طویل بحثیں کیوں کی جائیں۔

''ہاں دیکھو اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے یاور کو اللہ نے دو بچیاں دیں تیسری بھی دی وہ خیر اللہ کو پیاری ہوئی اتنی ہی عمر لے کر آئی تھی بھئی بچیوں سے تو ہمارا دل بھرا پڑا ہے دیکھو میری عمر اس قابل نہیں ہے اور نہ میری صحت اِس قابل ہے کہ میری بہو بچہ پیدا کر کے بستر پر لیٹ جائے اور میں گھر کے کام سنبھالتی پھروں.....''

''دیکھو بیٹا یہ عیب کی بات نہیں اور آج کل تو ہو رہا ہے اگر تمہیں پتہ چل جائے الٹرا ساؤنڈ سے..... سنا ہے کہ آج کل تو بہت جلدی پتہ چل جاتا ہے بیٹی کا حمل ہو تو ضائع کرا دینا۔'' ربیعہ نے آنکھیں پھاڑ کر

فردوس کی طرف دیکھا تھا۔

''ضائع کرادینا..... کیا مطلب امی..... یاور کا یہ تیسرا یا چوتھا بچہ ہوسکتا ہے مگر میرا تو پہلا ہے۔ یہ کیسی باتیں کررہی ہیں آپ؟'' وہ اب جیسے ضبط کھو بیٹھی تھی۔ شاید اُس کی جگہ کوئی اور لڑکی ہوتی تو اُس کا ردِ عمل بھی یہی ہوتا۔

وہ تو ابھی بھرپور خوشی منانے کا سوچ ہی رہی تھی اللہ نے اُسے یہ خوشیوں بھرے دن دکھائے ہیں شادی کے بعد بہت جلدی اُسے یہ خوشخبری سننے کو ملی ہے۔ اور ساس صاحبہ فرمارہی ہیں کہ ضائع کرادینا..... یہ کیا جہالت ہے وہ اندر ہی اندر بری طرح کھول رہی تھی۔

''ارے بیٹا کیا پتہ پھر جلدی سے امید بندھ جائے اور اللہ تعالیٰ بیٹے کا منہ دکھائے۔''

''امی اب بس کریں دیکھیں میں ایسی کوئی بات نہیں کرنا چاہتی جو آپ کو بری لگے..... ماں بننا میرا حق ہے اور اِس موضوع پر بات کرنے کا حق میں کسی کو نہیں دے سکتی یہ میرا اور یاور کا معاملہ ہے کہ ہم کتنے بچے چاہتے ہیں چاہے ہماری چھ بیٹیاں ہوجائیں وہ ہماری بیٹیاں ہوں گی اُن کو سنبھالنا ہماری ذمے داری ہوگی۔''

یہ کہہ کر وہ اپنا تھال اُٹھا کر بہت نرم روی سے چلتی ہوئی کچن کی طرف چلی گئی۔ فردوس ہکا بکا اُس کو جاتا ہوا دیکھ رہی تھیں۔

''چھ بیٹیاں..... اللہ کی مار تم پر..... شکل اچھی نا ہو بندہ بات تو اچھی کرے۔ کیسا منہ بھر کر بول کر چلی گئی۔ کوئی مذاق ہے چھ بیٹیاں..... اگر اِس کی یہی حرکتیں رہیں تو بہت جلدی بتادوں گی کہ صرف تم ہی نہیں ہو میرے بیٹے کے لیے..... اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے جس طرف جاؤں گی انکار نہیں سننے کو ملے گا..... جب دوسری شادی کرسکتی ہوں بیٹے کی تو تیسری بھی کرسکتی ہوں۔ آئے ہائے ہم اِن جیسیوں کو جھیلنے کے لیے بیٹھے ہیں یہاں..... منہ بھر کے چھ بیٹیاں مانگ رہی ہے۔'' فردوس کا جل بھن کر برا حال ہورہا تھا۔

☆......☆......☆

ندا ثمر کے ساتھ گھر میں داخل ہوئی تو اُس کا انگ انگ خوشی سے تھرک رہا تھا۔ وہ جیسے خواب کے سے عمل میں تھی یقین ہی آکے نہیں دے رہا تھا کہ وہ اپنے گھر میں آچکی ہے اتنا خوبصورت بنا سنورا بڑا سا گھر اور اُس کا گھر کہیں وہ خواب تو نہیں دیکھ رہی۔ حالات اتنی جلدی پلٹا کھاتے ہیں یوں بھی ہوتا ہے وہ عجیب بے یقینی کی کیفیت میں اِدھر اُدھر گھوم رہی تھی۔

ثمر کافی تھکا ہوا لگ رہا تھا وہ لاؤنج میں داخل ہوتے ہی صوفے پر نیم دراز ہوگیا تھا۔ اور نیم وا آنکھوں سے ندا کو اِدھر اُدھر گھومتے پھرتے دیکھ رہا تھا۔ اُس کی خوشی کو محسوس کررہا تھا ندا کو خوش دیکھ کر اور اپنے گھر میں پاکر اُس کے سر سے بھی منوں ٹنوں بوجھ سرک چکا تھا۔ یہی تو اُسے چاہیے تھا ایک خوبصورت سا پُرسکون گھر اُسے چاہیے تھا۔ جس میں ایک ہنستی مسکراتی بیوی اُس کا ساتھ نبھاتی نظر آئے جہاں صرف محبتیں ہوں خوشی اور خوشخبریاں ہوں۔

ندا ایک ڈیکوریشن پیس اُٹھا کر بغور دیکھ رہی تھی ثمر نے ایک ہنکارا بھرا۔

''آپ سے ایک بات کہوں آپ مائنڈ تو نہیں کریں گے۔''

''یار مائنڈ کرنے کی بھی ایک حد ہوتی ہے کب تک اور کہاں تک مائنڈ کروں۔ یوں سمجھ لو کہ اب میرے پاس مائنڈ نہیں ہے..... تم بہت..... آرام سے ہر بات مجھ سے کرسکتی ہو۔'' وہ تھکے تھکے لہجے میں ساتھ ہی بڑی لطافت کے ساتھ گویا ہوا تھا۔ کیونکہ خوشی بہرحال ایک ایسا فطری عمل ہے جو انسان کی روح کو ہلکا پھلکا کر دیتی ہے۔ اور ماحول میں خوشی اتری ہوئی ہو تو لہجوں میں خودبخود اتر آتی ہے۔

''ثمر میں اُس بیڈروم میں نہیں جاؤں گی۔''

''کس بیڈروم میں؟'' ثمر کو کچھ سمجھ نا آئی۔

''میں اُسی بیڈروم کی بات کررہی ہوں جس میں آپ اور وہ محترمہ رہتی تھیں پتہ نہیں کیوں مجھے ہر وقت لگے گا کہ وہ ہمارے آس پاس ہی ہے مجھے پرائیویسی فیل نہیں ہوگی۔'' ثمر کی تو ساری تھکاوٹ ہی اُڑن چھو ہوگئی تھی۔ دراصل اُسے ندا سے اتنی عقلمندانہ بات کی توقع نہیں تھی۔ ندا نے اتنی گہری بات کی تھی کہ وہ اُس کی طرف دیکھتا ہی رہ گیا۔

''ایسے کیا دیکھ رہے ہیں میں نے کوئی ایسی انوکھی نرالی بات تو نہیں کی۔ اتنے سارے کمرے ہیں اِس گھر میں ہم کسی اور کمرے کو اپنا بیڈروم بنا سکتے ہیں۔ کوئی مسئلہ تو نہیں ہے؟'' وہ ثمر کو اپنی طرف دیکھتا پاکر اُلجھ سی گئی اور ہچکچاتے ہوئے گویا ہوئی۔

''نہیں، نہیں کوئی مسئلہ نہیں یہ تمہارا گھر ہے اور یقین کرو جس کمرے کو تم اپنا بیڈروم بناؤ گی نا میں اُسی میں اپنا ٹھکانا بنالوں گا۔ اب تو اِس گھر کو تم نے لے کر چلنا ہے یہ گھر ہی تمہارا ہے۔'' ثمر کافی دنوں کے بعد بہت اچھے موڈ میں اور بڑے محبتوں کے عمل میں نظر آیا تو ندا کو ایک سرخوشی کی کیفیت نے آلیا۔

''اچھا میں دیکھتی ہوں کہ ہم کس روم کو اپنا بیڈروم بنائیں۔''

''او بھئی تھوڑی دیر بیٹھ کر آرام کا سانس تو لے لو یہ گھر کہیں بھاگا تو نہیں جارہا تم بھی یہیں ہو اور گھر بھی..... آرام سے غور وفکر کرتی رہنا اور رہی یہ بات کہ تم اُس پہلے والے بیڈروم میں سونا نہیں چاہتیں تو کوئی زبردستی نہیں اگر آج بیڈروم شفٹ نہیں ہوسکا اور ہو بھی نہیں سکتا یہ بڑی ناممکن بات ہے کیونکہ بیڈروم سیٹ کرنے میں کچھ دن تو لگیں گے نا۔''

''ہاں یہ تو ہے..... اور تھوڑی سی اُداس بھی ہوگئی اُس کا دل چاہتا تھا کہ جادو کی چھڑی سے اُس کی ہر خواہش پوری ہو جائے۔ لیکن ابھی مجھے تو نہیں پتہ نا کہ اوپر رومز کتنے ہیں؟''

''ہاں تو جاکر دیکھ لو..... مجھے تھوڑا ریسٹ کرنے دو میں بہت تھکا ہوا ہوں تمہیں پتہ ہے تمہاری خاطر آج صبح میں اندھیرے منہ اُٹھ گیا تھا۔ میں نے سوچا تھا آج سب سے پہلے وہ کام کرنا ہے جس کے بعد تمہیں مجھ پر کوئی شک وشبہ نہ رہے اور ہم دونوں سکون سے زندگی گزاریں۔

''اچھا چلیں ٹھیک ہے آپ آرام کریں۔ کیا آپ کے لیے ایک کپ چائے بناؤں۔'' ندا کو آگے بڑھتے بڑھتے ایکدم خیال آ گیا وہ ایک طرح سے واری صدقے ہوئے جارہی تھی۔

سارے اندھیرے چھٹ گئے تھے یقین اپنی پوری قوت کے ساتھ روشنی بن کر چار سو پھیلا ہوا تھا۔

''نہیں نہیں میں نے اگر چائے پی لی تو نیند نہیں آئے گی میں چاہتا ہوں کہ ذرا ایک گھنٹہ سو جاؤں۔''

''تو پھر آرام سے جاکر بیڈ پر سو جائیں نا۔''

''نہیں نہیں بیڈ پر سو گیا نا تو اٹھنے کا دل ہی نہیں چاہے گا۔ تم جاؤ گھر میں گھومو پھرو اور دیکھو کہ تمہیں کیا کیا چاہیے کچن میں دیکھ لو میں نے تو بہت دنوں سے کچن کو نہیں دیکھا۔'' یہ کہہ کر ثمر نے بازو اپنی آنکھوں پر رکھ لیا اور ندا مارے تجسس کے بھاگتی ہوئی زینہ چڑھ گئی۔ وہ دیکھنا چاہتی تھی کہ گھر اوپر سے کیسا بنا ہوا ہے اور کتنے کمرے ہیں اور وہ کس کمرے کو اپنا بیڈ روم بنانا چاہے گی۔

ابھی ثمر سویا نہیں تھا غنودگی کی کیفیت میں تھا کہ اچانک ندا کے سیل فون کی رنگ ٹون نے ہلچل سی مچا دی اُس نے بڑی کوفت سے اِدھر اُدھر دیکھا تو پتہ چلا کہ سیل فون ندا کے بیگ میں ہے وہ بیگ اُس کے قدموں میں ہی پڑا ہوا تھا اُس نے کسلمندی کے ساتھ اپنے آپ کو اٹھنے پر آمادہ کیا اور ہاتھ لمبا کر کے ندا کا بیگ اُٹھا کر اُس میں سے سیل فون نکالا یہ دیکھنے کے لیے کہ کس کی کال آ رہی ہے۔ سیل فون پر نظر پڑتے ہی وہ چونک گیا ارسلان کی کال آ رہی تھی پہلے تو اس نے سوچا کہ Mute کر کے ایک سائیڈ پر رکھ دے پھر خیال آیا جب تک بات نہیں ہوگی یہ ڈفر سا شخص مسلسل ڈسٹرب کرتا رہے گا۔ ٹھیک ہے ایک مرتبہ بات کر لی جائے یقیناً وہ ندا سے یہ معلوم کرنا چاہ رہا ہوگا کہ وہ گھر میں نظر نہیں آ رہی تو کہاں ہے؟ اُس نے کال ریسیو کی اور خود کو بہت سمجھا بجھا کر بات کرنے پر آمادہ کیا۔

''جی جناب کیا حال چال ہیں آپ کے؟'' ثمر نے ڈائریکٹ بات شروع کر دی۔ نہ ہیلو نہ سلام دعا دوسری طرف ارسلان ثمر کی آواز سن کر گویا اپنی جگہ سے ہی اچھل پڑا تھا۔

''یہ ندا کا فون آپ کے پاس ہے اور وہ خود کہاں ہیں؟'' ارسلان بلا ارادہ بے سوچے سمجھے بول گیا۔

''بھئی جب سیل فون میرے پاس ہے تو جس کا سیل فون ہے وہ بھی میرے پاس ہے اس میں کوئی کسوٹی یا کوئی کوئز تو نہیں ہے۔''

''جی جی ٹھیک ہے ٹھیک..... کیا ندا سے بات ہو سکتی ہے وہ آپ کے آس پاس ہی ہے؟''

''نہیں اس وقت آپ کی بالکل بھی بات نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ میرے آس پاس نہیں ہے۔''

''لیکن ابھی تو آپ کہہ رہے تھے کہ جب اُس کا فون آپ کے پاس ہے تو سمجھ لینا چاہیے Understood ہے کہ وہ آپ ہی کے پاس ہے۔'' ارسلان ایک طرح سے جھنجلا گیا۔ کیونکہ اُس نے رات کو جی بھر کے ڈرنک کی تھی اُس کے اثرات ابھی تک تھے اور اِس قبیح فعل کے بعد انسان ویسے ہی کافی دیر تک نارمل حالت میں نہیں ہوتا۔

''ہاں وہ میرے پاس ہے میرا مطلب ہے میرے گھر میں ہے یا یوں کہہ سکتے ہیں کہ وہ اپنے گھر میں ہے لیکن مجھے نظر نہیں آ ئی میرا خیال ہے کہ وہ فرسٹ فلور پر ہے..... خدا حافظ۔''

ثمر اتنا میچور تھا جانتا تھا کہ بات شروع کی ہے تو اُسے ختم کہاں کرنا ہے جب اُسے بتا دیا کہ ندا میرے پاس نہیں تو اور باتیں کرنے کی ضرورت کیا ہے۔ اور ارسلان بھی ری ڈائل نہیں کر سکتا تھا کہ ری ڈائل کا کوئی فائدہ ہی نہیں جب ندا سے بات نہیں ہو سکتی یہ تو ایک طرح سے ایسا ہوا جیسے وہ ثمر کو تو تو میں میں کرنے پر آمادہ کر رہا ہے۔

اگر اُسے یہ بتا دیا گیا ہے کہ ندا اپنے گھر میں ہے تو پھر اُسے ریلیکس ہو جانا چاہیے اب اُسے فون کرنے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔

ثمر نے ندا کا فون واپس بیگ میں رکھنے کی بجائے ہاتھ بڑھا کر ٹیبل پر رکھ دیا۔ بیگ اُسی طرح نیچے کھلا پڑا ہوا تھا اُس نے بازو دوبارہ آنکھوں پر رکھ لیا تھا۔ حالانکہ صاف محسوس ہو رہا تھا کہ ارسلان کی کال آنے سے پہلے جو اُس کی ذہنی کیفیت تھی وہ نہیں رہی۔

☆......☆......☆

''کل ہفتہ ہے بچوں کی چھٹی ہے میرا خیال ہے کہ شام کو تم اُن کو لے کر ڈاکٹر علی کے گھر چلی جانا۔''

''امی میں اِس طرح سے نہیں جاتی ہوں ڈاکٹر علی کئی مرتبہ کہتے ہیں تو جاتی ہوں مجھے اچھا نہیں لگتا۔ پتہ نہیں کیوں ایک عجیب سا بوجھ محسوس ہوتا ہے۔ اگر ٹینا کی کال آ گئی تو پھر سوچوں گی۔''

''ارے بیٹا کیوں اتنے تکلفات میں پڑیں لے دے کے ایک گھر ہے جہاں بچیاں تھوڑی دیر کے لیے جا کر خوش ہو جاتی ہیں۔ اُس کو کیوں مسئلہ بنا رہی ہو۔'' عطیہ بیگم اپنے حساب سے چل رہی تھیں اور اُن کا حساب کتاب فی الحال چمن کو سمجھ نہیں آ سکتا تھا۔ عطیہ بیگم چاہتی تھیں کہ کسی طرح علی کے بارے میں جو کچھ بھی چھپا ہوا ہے سامنے آ جائے اور کوئی ایسی اچھی بات جو چمن کے لیے بہت خوشگوار اور قابلِ قبول ہو تاکہ کل کو جب خلع کے بعد نئے سرے سے اُس کا گھر بسانے کا مرحلہ آئے تو پہلی ترجیح ڈاکٹر علی ہی ہوں۔ اُن سے اچھا انسان چمن کو کہاں مل سکتا ہے۔ ایسا انسان جس کے مزاج میں سودے بازی ہی نہیں اچھا سوچتا ہے اچھا کرتا ہے اُس کی باتوں سے نہیں لگتا کہ اُسے کسی سے امید یا توقع ہے لیکن وہ اچھا ہے اُس کی باتوں سے پتہ چل جاتا ہے۔

عطیہ بیگم کا بس نہیں چلتا تھا کہ چمن کی ثمر سے جان چھوٹے اور وہ ڈاکٹر علی کے ساتھ خوش باش زندگی گزارتی نظر آئے۔

''بیٹا اِس میں کوئی معیوب بات نہیں ہے دیکھو وہ معذور بچی بھی خوش ہو جاتی ہے اُس بچی کا بھی کون ہے ناماں ناباپ بھائی ہے تو وہ بیچارا ابھی ڈیوٹیاں بھگتا تا پھرتا ہے۔ تمہارے جانے سے وہ بھی خوش ہو جاتی ہے یہ بھی بھلائی کا نیکی کا کام ہے۔ ہماری بچیاں بھی خوش ہوتی ہیں وہ بھی خوش ہوتی ہے اور ظاہر سی بات ہے جب بچے خوش ہوتے ہیں تو سبھی خوش ہوتے ہیں۔'' عطیہ بیگم بہت احتیاط سے بات کر رہی تھیں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اُن کے دل کے بھید کا چمن کو پتہ چل جائے اور وہ آئندہ کے لیے فیصلہ کر لے کہ اُسے اب وہاں جانا ہی نہیں ہے۔ اتنا تو انہیں پتہ تھا کہ اُن کی بیٹی بہت باحیاء بااصول اور وفادار ہے جس کی مٹی میں وفا ہوتی ہے وہ اپنے تمام معاملات میں وفا کو سرفہرست رکھتا ہے۔ ایک چھوٹے سے بچے سے بھی وعدہ کرتا ہے تو اُسے اپنے وعدے کی لاج رکھنا ہوتی ہے اتنی آسانی سے کسی غیر مرد کی طرف اُس کا ذہن موڑا نہیں جا سکتا تھا۔ وہ بھی اِس صورت میں کہ وہ ثمر کے ساتھ بہت عرصہ خوش و خرم زندگی گزارتی رہی ہے اور ثمر کے علاوہ اُس کے ذہن میں دور دور تک کسی کا تصور بھی نہیں رہ سکتا تھا وہ سر سے لے کر پاؤں تک ایک مشرقی بیوی تھی جو اپنے شوہر کے عیوب پر پردہ ڈالتے ہوئے اُس کا ساتھ نبھانے کے لیے بھرپور جتن کرتی رہی تھی۔

''ٹھیک ہے امی موقع ملے گا تو میں دیکھ لوں گی۔ لیکن میں آپ کو ایک بات کہوں بچیوں کو بھی وہاں جلدی جلدی نہیں جانا چاہیے اُن کی عادت خراب ہو جائے گی اور پھر میں ڈاکٹر علی سے کہوں گی کہ وہ بھی ٹینا

کو ہمارے گھر بھی چھوڑ دیا کریں اُن کی بہن بھی آ سکتی ہے ضروری تو نہیں کہ ہم ہی وہاں جاتے رہیں۔"
چمن یہ کہتی ہوئی ایک طرف چل پڑی جانے کیا کرنے جا رہی تھی نا عطیہ بیگم نے پوچھا نا اُس نے کچھ ایسا ظاہر کیا کہ وہ کوئی خاص کام کرنے جا رہی ہے۔

☆......☆......☆

ثمر بمشکل ایک آدھ گھنٹہ سویا تھا پھر تیار ہو کر چلا گیا تھا یہ تو نہیں بتایا کیا کرنے جا رہا ہے لیکن یہ ضرور کہا تھا کہ اُسے دو تین کام نمٹانے ہیں اور کل سے اُسے باقاعدگی سے آفس بھی جانا ہے بہت چھٹیاں ہوگئی ہیں کام کا انبار جمع ہو گیا ہے۔

ندا نے اُس کی تیاری میں اپنی طرف سے بھرپور مدد کی تھی کچن میں جا کر فریج سے شامی کباب بھی نکال کر تل دیے تھے ایک کپ چائے بھی بنا کر دی تھی۔ اُسے بہت اچھا لگ رہا تھا۔ صاف ستھرا چمکتا دمکتا گھر ہر شے اپنی جگہ پر تھی۔ یہاں سے لے کر وہاں تک ایک ترتیب نظم و ضبط نظر آتا تھا۔ جو شے جس جگہ رکھی گئی تھی وہ جگہ شاید اُسی شے کے لیے بنائی گئی تھی۔ ہر چیز توازن میں تھی آنکھ کو اچھی لگ رہی تھی۔ کچن بھی اتنا خوبصورت تھا کہ اُسے وہاں کام کرتے ہوئے لطف محسوس ہوا تھا۔ بڑا سا کچن جس میں دو بڑی بڑی کھڑکیاں بھی تھیں جن سے دن کی روشنی پوری طاقت کے ساتھ اندر آتی تھی اور کچن میں کوئی برقی بلب یا ٹیوب جلانے کی ضرورت ہی نہیں پڑتی تھی دن کی روشنی سے ہی کچن بھر جاتا تھا اتنا ہوادار اور روشن کچن اُس نے بہت کم گھروں میں دیکھا تھا۔ زیادہ تر گھروں میں کچن میں ایک ہی کھڑکی ہوتی ہے لیکن یہاں دو سائیڈ کھڑکیاں تھیں اور دونوں بہت بڑی بڑی تھیں اور ایک تو عین اُس طرف کھلتی تھی جس طرف سے سورج نے طلوع ہونا تھا یعنی مشرق کی جانب اُس کا مطلب یہ تھا کہ طلوعِ دن کا آغاز کا اندازہ کچن میں موجود شخص کو فوراً ہی ہو جاتا تھا۔ اتنی دیر تک اِس نے ساری کیبنیٹ کھول کر دیکھی تھیں اور کراکری کا جائزہ لیا تھا۔ اتنی زبردست کراکری تھی۔ ڈنر سیٹ شیشے کی الماری میں سجے ہوئے تھے کتنے ہی ٹی سیٹ اور کتنے ہی سوپ کے سیٹ تھے اور ایک کیبنٹ تو فل لبالب ڈنر پلیٹوں سے بھری ہوئی تھی۔

"اُف خدایا کس قدر برتن ہیں اتنے سارے برتن اور اتنے سے لوگ لگتا ہے ہماری ساس صاحبہ کو برتن جمع کرنے کا بہت شوق تھا۔"

وہ ایک پُرمسرت احساس کے تحت سوچ رہی تھی گھوم پھر کر گھر کا جائزہ لے کر وہ تھک گئی آخر لاؤنج میں آ کر بیٹھ گئی اب اُس کی نظر اپنے سیل فون پر پڑی تھی اور ساتھ ہی یہ دیکھا تھا کہ اُس کا بیگ کارپٹ پر کھلا ہوا پڑا ہے۔ اُس نے پہلے بیگ اُٹھا کر دیکھا کہ یہ کارپٹ پر پڑا ہوا کیوں ہے کھلا ہوا کیوں ہے پھر اُسے فوراً سوجھ گیا کہ یقیناً اُس کی کوئی کال آئی ہوگی اور ثمر نے ہی اُس کے بیگ سے نکالا ہوگا کیونکہ اُس نے نا کوئی فون رنگ سنی تھی اور نا جب سے وہ گھر میں آئی تھی فون کال ریسیو کی تھی نا کسی کو خود فون کیا تھا۔

سیل فون اُٹھا کر اُس نے دیکھا تو ریسیورڈ کالز میں ارسلان کی کال نظر آ رہی تھی۔ دورانیہ بھی دیکھا ایک منٹ کچھ سیکنڈ کی بات چیت تھی۔ اِس کا مطلب ہے ثمر نے ارسلان بھائی کی کال ریسیو کی تھی۔ لیکن مجھے کیوں نہیں بتایا۔ جلدی میں تھے ہو سکتا ہے بھول گئے ہوں۔ اب وہ سو رہے تھے میں نے تو جان بوجھ کر نہیں اٹھایا۔

''اچھا ہوا یہاں آ گئی۔ نہیں تو ثمر کو قیامت تک بھی نہیں بتا سکتی کہ وہ کیسے خراب خراب سے شغل کرتے ہیں اُن کے لیے تو ڈرنک کرنا کوئی بری بات ہی نہیں ہے مجھ سے کہہ رہے تھے ہم باہر رہتے ہیں اور باہر رہنے والے کے لیے یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے یہ اُن کے لیے روٹین کا حصہ ہے توبہ توبہ استغفار ہمارے لیے تو اس کا نام لینا ہی ایسا لگتا ہے کوئی گناہ کر رہے ہوں۔''

اُس نے ایک طرح سے جھرجھری لی تھی۔

''کیا مجھے اِن کو فون کرنا چاہیے کیونکہ ثمر نے بتا دیا ہوگا کہ میں اُن کے ساتھ گھر آ گئی ہوں۔ چلو میں ایک دفعہ خود سے بھی بتا دوں کہ وہ دوبارہ یہاں فون نہیں کرے۔ میں تو چاہتی نہیں ہوں کہ وہ اب مجھ سے کوئی بات کریں۔ گھر بیچیں اور سارا پیسہ رکھ لیں اور چلے جائیں یہاں سے......'' وہ ارسلان کو کال بیک کرنے کے لیے ڈائل کر رہی تھی پہلی ہی رنگ ٹون پر ارسلان نے کال ریسیو کی تھی یوں جیسے سیل فون ہاتھ میں ہی لیے بیٹھا تھا۔

''بھئی آپ کہاں وفات پا چکی ہیں۔''

''ہاں یوں سمجھ لیجیے کہ میں واقعی وفات پا چکی ہوں۔'' ندا نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دیا تھا۔ ارسلان بھی تو پورا راشن پانی لے کر چڑھ دوڑا تھا۔

''اچھا پرانے زمانے میں، میں نے نانو سے سنا تھا جب چھوٹا سا تھا کہ جب کسی لڑکی کی شادی ہوتی تھی تو سارے گھر کے بڈھے اُس کو گھیر کر کھڑے ہو جاتے تھے اور کہتے تھے آج ہم تمہیں رخصت کر رہے ہیں اور یہ سوچ کر رخصت کر رہے ہیں کہ تمہارا جنازہ جا رہا ہے...... توبہ زندہ انسان کو جنازہ کہتے تھے استغفر اللہ......''

''شکر ہے کسی بہانے آپ نے اللہ کا نام لیا۔'' ندا نے بھی جل بھن کر جواب میں کہا تھا اور دوسری طرف ارسلان نے بڑا جاندار قہقہہ لگایا تھا۔

''اچھا اچھا ٹھیک ہے موبائل کو اچھا ہے کہ لڑکیاں اسی طرح وفات پا جایا کریں۔ اسی میں عافیت ہے اور پھر گھر گھر گھومنے کی ضرورت بھی کیا ہے جب اللہ تعالیٰ نے گھر دیا ہے اُن کو یہ بھی اچھا ہوا کہ تمہاری ساس اِس دنیا سے رخصت ہو گئیں اللہ نے تمہیں بھی اپنا گھر نصیب کیا۔''

''کیا ہے ارسلان بھائی کسی کے مرنے پر خوشی منا رہے ہیں کسی کو مرنے کی دعا دے رہے ہیں لگتا ہے آپ ہوش میں نہیں ہیں لیکن اس وقت تو دوپہر کے تین بج رہے ہیں اس وقت تو کم از کم آپ کے سینسز کو ٹھیک کام کرنا چاہیے۔ جو وقت میں نے آپ کے ساتھ گزارا ہے اُس حساب سے بات کر رہی ہوں۔'' ندا نے اپنی دانست میں اُس پر چوٹ کی تھی وہ الگ بات کہ اُسے چوٹ کرنے کا سلیقہ تو تھا ہی نہیں۔

''یہ جو تین بجتے ہیں نا یہ دوپہر نہیں ہوتی...... دوپہر گزر رہے ہوئے ذرا دیر ہو گئی ہے۔ جب تین بجتے ہیں نا تو یوں کہتے ہیں پیاری پیاری سی شام آ رہی ہے اور شام آتی ہے نا تو تھوڑا سا کچھ لائٹ سا لے لیتے ہیں۔ ویسے تو شیمپئن کو مارننگ ڈرنک کہا جاتا ہے لیکن کبھی کبھی میرا دل بہت پریشان ہوتا ہے نا تو میں شام کو بھی مارننگ بنا لیتا ہوں۔''

''مجھ سے یہ فضول باتیں کرنے کی ضرورت نہیں'' ندا نے فوراً بات کاٹ دی تھی اور یہ خراب خراب

باتیں نا آپ اپنے امریکی دوستوں سے کیا کریں اور خیال رکھا کریں میں پ کی کزن ہوں بلکہ شادی شدہ ہوں اور مجھے تو آپ اپنی بہن ہی سمجھیں۔''

ندا نے اپنی ازلی حماقت سے کام لیتے ہوئے اُس کو ٹھیک ٹھاک سنا دی تھیں۔

میرا خیال ہے تم اس وقت بول بول کے تھک گئی ہو اور بندہ جب تھک جاتا ہے تو اُس کے منہ سے اُلٹی سیدھی باتیں نکلنی شروع ہو جاتیں ہیں۔ٹیک کیئر یہ کہہ کر ارسلان نے اپنی طرف سے رابطہ منقطع کر دیا تھا۔

''توبہ...... شکر ہے اللہ کا جان چھوٹی میری اُن سے اور اِس ٹوٹے پھوٹے گھر سے ندا سیل فون پٹخنے کے انداز میں ٹیبل پر رکھ کر صوفے پر نیم دراز ہوگئی تھی اور چھت کی طرف دیکھ رہی تھی۔ فارسیلنگ والوں نے کتنے خوبصورت ڈیزائن بنائے ہوئے تھے۔نقش و نگار بنائے ہوئے تھے...... واقعی گھر ہو تو ایسا بندہ اکیلے بھی بور نہیں ہوتا۔

☆......☆......☆

''ارے بھئی اتنا کیوں جل کڑھ رہی ہو وہ کون سا ولی اللہ ہے اب یہ تو اللہ ہی کو پتہ ہے کتنے بیٹے ہیں قسمت میں اور کتنی بیٹیاں فضول میں جان جلائے رہی ہو۔ اسی کو کہتے ہیں سوت نا کپاس گولی سے لٹھم لٹھا......''

حامد حسین اپنے کسی ضروری مسئلے میں اُلجھے ہوئے تھے آج کل اُن کی پینشن کا کوئی مسئلہ چل رہا تھا۔ پینشن بڑھی تھی لیکن اُن کے اکاؤنٹ میں نہیں آرہی تھی اُن کے لیے بہت ہی بڑی ٹینشن تھی اُس پر سے فردوس جسے اُن کو سامنے پاتے ہی پھٹ پڑی تھیں کب سے جل بھن کر اُن کا برا حال ہو رہا تھا مگر دیواروں سے باتیں کرنا بیوقوفی تھی۔ اُن کو تو مزا ہی تب آتا تھا جب وہ بولیں اور کوئی سنے...... شوہر نے بھی جھنجلا کر اُن کو مزید بات چیت کرنے سے روک دیا تھا۔

''ارے براشگون ہوتا ہے بندہ کوئی اچھی بات تو منہ سے نکالے نا کوئی قبولیت کی گھڑی ہوتی ہے۔ یہ تو اللہ ہی کو پتہ ہے کونسی گھڑی ہوتی ہے فی الحال تو تم میرا دماغ خراب نہیں کرو۔''

''ہاں...... آپ کو تو میری باتیں اب بری لگنے لگیں ہیں کیونکہ سمجھ رہے ہیں نا کہ میری تو ضرورت نہیں رہی ہے۔ بہت اچھی بہو آ گئی ہے صبح سات بجے ناشتے کی میز لگا دیتی ہے دوپہر کو ظہر کی نماز کے فوراً بعد تین چار کھانے چن دیتی ہے۔ میں تو بس فالتو ہوں...... فردوس نے اپنا پرانا وہی ازلی ہتھکنڈا استعمال کیا اور روٹھ کر اُٹھنے لگیں۔ حامد حسین ایکدم بوکھلا گئے۔

''ارے نہیں بھئی نہیں میں تو پتہ نہیں کس خیال میں تھا کیا بول گیا...... ہاں تو تم بتاؤ تم کیا کہہ رہی تھیں۔اے وہ چھ بیٹیوں کی بات کر رہی تھیں۔''

''ارے اللہ نا کرے میں چھ بیٹیوں کی بات کروں میں تو آپ کی بہو بیگم کے اقوال زریں دُہرا رہی تھی۔ مگر اب میرا موڈ خراب ہوگیا میں اب بات نہیں کرسکتی۔ چلیں آپ اپنا کام کریں۔'' فردوس بیگم نے اب اور ایشوے اور غمزے دکھانا شروع کیے حامد حسین تو بلی آنکھوں والی گول مول سی بیگم پر تو جیسے فدا ہی ہوگے اپنے دکھ پریشانیاں سب کچھ بھول گئے۔ بیگم کی ادائیں ہی تو تھیں جن کی وجہ سے اُن کی زندگی میں آج تک بوریت کا عنصر نہیں آیا تھا۔ اللہ تعالیٰ ہر کسی کو بیوی دے تو ایسی ہی بھرپور اداؤں والی دے۔ جو

اپنے شوہر کو ایک پل ایک لمحے کے لیے بیزار نا ہونے دے جو اُس کی تھوڑی دیر کی جدائی بھی برداشت نا کر سکے۔

''نہیں نہیں اب میرا موڈ نہیں ہے پھر...... موڈ اچھا ہو جائے گا تو بتا دوں گی لیکن یہ میں آپ سے کہے دے رہی ہوں کہ عورتوں کی بات دوسری ہوتی ہے مجھے یہ لڑکی بہت منہ زور لگ رہی ہے آپ کسی دن اکیلے میں لے کر بیٹھیں اور سمجھائیں۔''

''کیا سمجھاؤں؟'' حامد حسین کے خاص پلے نہیں پڑا حیرت سے پوچھنے لگے۔

''یہی کہ میرے سامنے ذرا احتیاط سے بات کیا کرے وہ کیا سمجھ رہی ہے ہم اُسے سر آنکھوں پر بٹھا کر لے آئے ہیں تو وہ ہماری مجبوری بن گئی ہے۔ اللہ نا کرے وہ ہماری مجبوری نہیں ہے اگر وہ ہمارے ساتھ ٹھیک سے نہیں چلے گی تو پھر ہم بھی دیکھ لیں گے۔ ایسے کوئی باندھا ہوا نہیں ہے اور نا خدانخواستہ ہم اپنے بیٹے کے محتاج ہیں۔ اللہ کا شکر ہے اللہ نے ہماری روزی روزگار کا بندوبست کیا ہوا ہے۔''

''ارے خدا کی بندی ایسی باتیں اُس کے سامنے کرنے نا بیٹھ جانا...... بیٹا لے کر چلتی بنی تو منہ دیکھتی کی دیکھتی رہ جاؤ گی۔ بہت تیز لڑکی ہے آرام سے چلو...... سمجھی یہ ایمن نہیں ہے ارے وہ کون سا کم تھی وہ بھی یہ چلتا پرزہ ہے۔''

''لاحول ولاقوۃ...... ارے بھئی وہ گھر میں ہی ہے سن لیا تو ہنگامہ ہو جائے گا ابھی نئی نئی شادی ہوئی ہے کچھ ہوش کے ناخن لو ذرا آواز دبا کر بات کیا کرو۔'' حامد حسین نے سمجھایا۔

''ارے آپ کو کیا پتہ ایسی تیسی ہوئی ہے نا میری صبح سے بتا نہیں سکتی۔ اچھا چلیں چھوڑیں پھر میں کچھ بول بیٹھوں گی اور آپ کی تقریر شروع ہو جائے گی۔ میں ذرا ایک گلاس کولڈ ڈرنک پی لوں تازہ جوس بھی بنایا تھا میں نے کہو تو آپ کے لیے بھی لے آؤں۔''

''ارے نہیں نہیں بھئی میری تو ویسے ہی شوگر بڑھی ہوئی ہے میں ذرا پرہیز کر رہا ہوں۔'' حامد حسین نے دل ہی دل میں معاملہ نمٹ جانے پر اللہ کا شکر ادا کیا۔ بیگم کچھ دیر کے لیے باہر چلی جائیں اور کچھ ٹھنڈا پی کر دل کو ٹھنڈا کریں۔ اب وہ جس ذہنی تناؤ سے دوچار تھے گھر کی طرف سے ملنے والا تناؤ تو وہ بالکل برداشت نہیں کر سکتے۔ عقل مندی یہی تھی کہ بیگم خوش رہیں اور وہ سکون سے اپنے مسئلے کا حل نکالیں۔ دو چار لوگوں کو فون بھی کرنا تھے۔

فردوس نہ بھی مطلع کرتیں تب بھی انہیں اندازہ تو تھا کہ ربیعہ...... ایمن نہیں ہے۔ مردوں کی طرح دلیل سے بات کرتی ہے اور دلیل سے جواب پا کر ہی مطمئن ہوتی ہے۔

اور اس معاشرے کا المیہ ہے جو عورت دلیل سے بات کرتی ہے اس کی ہی شامت آتی ہے۔

ماں تو جیسے ہوش سنبھالتے ہی بیٹیوں کو اچھی طرح سمجھا دیتی ہے۔

''کہ...... بیٹا...... شوہر عالم پناہ' جہاں پناہ ہوتا ہے جو بیوی ماننے سے انکار کر دے...... دوسری کر لو...... تیسری کر لو...... ہم نے تمہارے باپ کے ساتھ صبر سے گزارا کیا تو 'ٹک' گئے ورنہ ہاتھ پکڑ کر باہر کا راستہ دکھاتے۔''

''جی...... جی...... کر کے عمر گزار دی۔''

''ہم بھی کچی گولیاں کھیل کرنہیں بیٹھے۔''

''لاجواب کرنا کوئی ہم سے سیکھے.....'' حامد حسین کے ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ تھی۔

☆......☆......☆

وہ بچیوں کو لے کر سونے کی نیت سے بیڈ پر لیٹ چکی تھی اور بچوں کی عادت ہوتی ہے کہ سونے سے پہلے اُن کو سارے دن کے قصے کہانیاں یاد آنا شروع ہو جاتے ہیں۔

مہوش اپنے کسی دوست کی برائی کر رہی تھی کہ وہ لنچ میں شیئر نہیں کرتی۔ ماہ پارہ اپنی کسی نئی کلاس فیلو کے بارے میں بتا رہی تھی۔ پہلے وہ لوگ دبئی میں پڑھتے تھے اب وہ ہمارے اسکول میں آئی ہے اور بہت اچھی لڑکی ہے وہ تو مجھے اپنی ساری چیزیں دے دیتی ہے۔ چمن دس پندرہ منٹ تو اُن کے ساتھ باتوں میں لگی رہی پھر اُسے خود جمائیاں آنا شروع ہو گئیں۔ وہ کچھ سوچنا نہیں چاہتی تھی۔ وہ چاہ رہی تھی کہ کسی طرح بچیوں کی آنکھ لگے تو وہ اُٹھ کر اپنے دو چار ضروری کام نمٹائے۔ کافی کپڑے ابھی استری کے لیے پڑے ہوئے تھے۔ اُسے خدشہ تھا کہ اگر عطیہ بیگم کی نظر اُن کپڑوں پر پڑ گئی تو وہ خود ہی استری کرنے کھڑی ہو جائیں گی۔

''بیٹا آپ اب آرام سے سو جاؤ باقی باتیں کل اور جب ایک دفعہ نیند اڑ جاتی ہے تو پھر بہت دیر میں آتی ہے اور جب دیر سے نیند آتی ہے تو صبح اٹھنے کو دل نہیں چاہتا۔ پھر جھوٹ بولنا پڑتا ہے کبھی بولنا پڑتا ہے پیٹ میں درد ہے اور بچے کبھی بہانہ کرتے ہیں کہ اُن کے سر میں درد ہو رہا ہے۔ کبھی کچھ کہتے ہیں کبھی کچھ..... صبح صبح جھوٹ بھی نہیں بولنا چاہیے۔ اور جب بندہ رات کو ٹائم سے نہیں سوتا اور صبح اُس کا اٹھنے کو دل نہیں چاہتا تو وہ جھوٹ بولنا شروع کر دیتا ہے۔ جھوٹ بولنے سے بہت گناہ ملتا ہے پتہ ہے نا آپ کو.....'' وہ ماہ پارہ کو سینے سے لگا کر چومتے ہوئے بڑے پیارے بھرے لہجے میں کہہ رہی تھی۔

ماہ پارہ کو سنبھال لینے کے بعد مہوش کو سنبھال لینا مشکل نہیں ہوتا تھا۔ وہ تو بہت آرام سے بات مان جاتی تھی۔

''ٹھیک ہے خالہ لیکن آپ ایک پرامس کریں۔''

''اُف میرے خدایا اب تم لوگ سونے کے لیے بھی خالہ سے پرامس لیا کرو گے...... بولو......'' چمن کی ایک طرح سے ہنسی چھوٹ گئی تھی کہ بچے بھی کیا خوبصورت طریقے سے بلیک میل کرتے ہیں۔

''خالہ کل شام کو ہم ٹینا کے گھر جائیں گے۔ اصل میں وہ ٹینا کے پاس اتنے سارے ٹوائز ہیں نا ویسے والے ٹوائز ہمارے گھر نہیں ہیں ہم اُن کے گھر جاتے ہیں نا تو ٹوائز سے کھیلتے ہیں بڑا مزا آتا ہے۔ اور......'' چمن جو بولتی ہوئی مہوش کو جو بہن کی ہاں میں ہاں ملانے کے لیے بول پڑی تھی فوراً ٹوک دیا۔

''بری بات ہے بیٹا اللہ تعالیٰ آپ کو جو دیتا ہے اُس سے خوش ہونا چاہیے دوسروں کے پاس تو اور بھی بہت کچھ ہوتا ہے۔ کچھ لوگوں کے پاس تو پانی کے جہاز بھی ہوتے ہیں۔ ایروپلین بھی ہوتے ہیں۔'' ماہ پارہ کی نیند پھر اچٹنے لگی۔ چمن نے ہاتھ اپنے سر پر مارا۔

''خدا کے واسطے اللہ کے واسطے بچو اب سو جاؤ۔ بہت ٹائم ہو گیا ہے۔''

''پھر آپ نے بتایا نہیں..... کل چلیں گی نا......''

''نہیں بیٹا بری بات روز روز کسی کے گھر نہیں جاتے۔ تھوڑا سا گیپ دے کر جائیں گے تو اچھا لگے گا۔''

''لیکن خالہ ٹینا تو کہتی ہے کہ تم میرے پاس روزانہ آیا کرو۔''

''بیٹا ٹینا کہتی ہے لیکن جو بڑے ہوتے ہیں وہ اِس کو اچھا نہیں سمجھ رہے ہوتے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ پتہ نہیں کیسے لوگ ہیں روزانہ ہمارے گھر آ کر بیٹھ جاتے ہیں۔''

''کون ڈاکٹر صاحب کہہ رہے تھے؟'' مہوش نے بھی گفتگو میں حصہ لیا۔

''ارے نہیں بیٹا کہا تو کسی نے نہیں میں ویسے ہی آپ کو سمجھا رہی ہوں کہ بغیر بلائے ہوئے کسی کے گھر جانا اچھی بات نہیں ہوتی۔ میں یہ نہیں کہہ رہی کہ ہم نہیں جائیں گے۔ تھوڑے دنوں کے بعد انشاء اللہ تعالیٰ ہم ٹینا کے گھر جائیں گے چمن نے ماہ پارہ کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے پھر اُس کا گال چوم لیا۔ اور اب آپ سو جاؤ...... آنکھیں بند کرو اور اب آپ اگر آنکھیں کھولیں تو پھر میں کبھی بھی ٹینا کے گھر لے کر نہیں جاؤں گی۔''

ماہ پارہ نے آنکھیں بند کرلیں اور بالکل دم سادھ کر لیٹ گئی اُس کے پپوٹے تھرتھرا رہے تھے شاید وہ آنکھیں کھولنے کے لیے بے تاب تھی۔ خالہ نے دھمکی ہی ایسی دی تھی کہ اُسے آنکھیں کھولتے ہوئے ڈر لگ رہا تھا۔ زبردستی سونے کی کوشش میں اُس کے چہرے پر جو معصومیت جھلک رہی تھی اِس ادا پر چمن تو جیسے قربان ہی ہوگئی اُس نے بہت نرمی سے اُس کی پیشانی کو ہونٹوں سے چھوا۔ ماہ پارہ بہت اچھی بچی ہے مہوش تو اچھی بچی ہے خالہ کہتی ہیں تو فوراً سو جاتی ہے۔ اُس نے جلدی سے مہوش کی بھی تعریف کی کہیں ایسا نا ہو کہ چھوٹی بہن کی تعریف سن کر وہ دل شکستہ ہو جائے۔

اُسی لمحے اُس کے سیل فون پر رنگ ہوئی تھی چمن نے ایک طرح سے اپنا سر ہی پیٹ لیا۔ وہ ہمیشہ بچوں کو سلانے آتی تھی تو اپنا فون Vibration پر ڈال دیتی تھی۔ اُس نے ہاتھ بڑھا کر سرہانے سے سیل فون اٹھایا تو بری طرح چونک اٹھی۔ ڈاکٹر علی عثمان کی کال آ رہی تھی۔

''اُف میرے خدایا'' اُس نے دل ہی دل میں کہا اور کیونکہ اُس نے ماہ پارہ کی طرف کروٹ لی ہوئی تھی اِس لیے اس نے ماہ پارہ ہی کی شکل دیکھی ماہ پارہ بند آنکھوں کے کے ساتھ بڑی معصومیت سے کہہ رہی تھی۔

''خالہ میں آنکھیں نہیں کھول رہی مگر آپ کے فون پر کال آ رہی ہے......''

''ہاں ہاں بیٹا میں دیکھ لوں گی آپ سو جاؤ۔ آنکھیں کھولنے سے منع کیا ہے میں نے...... یاد رکھو اگر تم نے آنکھیں کھولیں تو ہم ٹینا کے گھر نہیں جائیں گے۔''

''خالہ میں نے ایک دفعہ بھی آنکھ نہیں کھولی لیکن میرے کانوں کو تو فون کی گھنٹی سنائی دے رہی ہے نا۔ آنکھیں بند کی ہیں میں نے اب کان تو بند نہیں ہو سکتے۔'' بڑی دلچسپ بات کی تھی اگر کوئی اور موقع ہوتا تو چمن کھل کھلا کے ہنس پڑتی۔ اُس کا ذہن تو فون کال کی طرف تھا سامنے ڈاکٹر علی عثمان کا نام Blink ہو رہا تھا۔ اور اُس نے سائیلینٹ کلک کر کے ٹکٹکی باندھ کے ڈاکٹر علی عثمان کے نام کی طرف دیکھنا شروع کر دیا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ کال لے یا نا لے اگر اِن دونوں کو پتہ چل گیا کہ ٹینا کے بھائی کی کال ہے تو یہ سونا دونا

بھول کر اُس کے پیچھے لگ جائیں گی۔ کیا کہہ رہے تھے۔ بلا تو نہیں رہے تھے ٹینا کا تو کچھ نہیں کہہ رہے تھے۔ ٹینا کے خیال کے ساتھ ہی اُسے یاد آیا اکثر ٹینا ڈاکٹر علی کے فون ہی سے کال کرتی تھی۔

''اُف خدایا اگر ٹینا کی کال ہوئی تو غضب ہو جائے گا اُس نے کال ریسیو نہیں کی۔ سائلینٹ کلک کرنے کے بعد رنگ ٹون بند ہوگئی تھی اور چند سیکنڈ کے بعد سیل فون کی اسکرین بلیک ہوگئی یقیناً ڈاکٹر علی عثمان دوسری طرف سن رہے ہوں گے کہ اس وقت رابطہ ممکن نہیں...... کاش کے میں اُن کو بتا سکوں کے واقعی اس وقت رابطہ ممکن نہیں...... اُس نے ہاتھ بڑھا کر فون واپس رکھ دیا۔

☆......☆......☆

ندا تو بانو آپا کا کمرہ جھاڑ پونچھ کر نئی بیڈ شیٹ بچھا کر محو استراحت ہو چکی تھی اور خاصی دیر تک ٹی وی پر ڈرامے اور مووی وغیرہ دیکھیں لیکن آخر کب تک کئی گھنٹے ٹی وی کے سامنے بیٹھ کر سخت بور ہو کر اٹھی۔ کوئی ایسی چیز دیکھنے کو ہی نہ ملی جس سے فری ہو جاتی۔ ہر طرف اٹھانے پکڑنے کی خبریں چل رہی تھیں ڈراموں کے اندر ساس بہو کے ڈرامے چل رہے تھے یا آپس میں ہیرو ہیروئن کسی شک کی وجہ سے ایک دوسرے سے اُلجھ رہے تھے۔ تنگ آکر وہ کمرے میں چلی آئی تھی۔

جو پہلے ہی سے اُس نے اپنے لیے سیٹ کر لیا تھا۔ میرا کمرہ جب سیٹ ہو گا تب ہو گا فی الحال رات کو سونا بھی تو ہے۔ وہ جان بوجھ کر یہ سب کچھ کر رہی تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ ثمر کو بتائے وہ اُس کی پہلی بیوی کا سایہ اور اُس کا ذکر اور اُس سے تعلق رکھنے والی کوئی بھی چیز برداشت نہیں کر سکتی کیونکہ اگر اُس نے ابھی نرمی دکھادی تو آگے کوئی نا کوئی مسئلہ ملنے لگے گا۔

اور اِس میں کوئی شک نہیں تھا حقیقت تھی کہ وہ چمن کا نام بھی سننا نہیں چاہتی تھی اُس نے چمن کے حوالے سے اتنی روحانی اذیت برداشت کی تھی کہ کبھی اُس سوچی بھی نہیں تھی۔ اب وہ کسی بھی صورت اُس روحانی اذیت سے نہیں گزرنا چاہتی تھی۔ جب چمن کا قصہ تمام ہو چکا وہ ثمر کی زندگی سے جا چکی تو اُسے نادیدہ در و دریچوں سے جھانکنے کی اجازت نہیں۔

ثمر نے اُسے فون کر کے بتادیا تھا کہ وہ دیر سے آئے گا حالانکہ اُس کا آج آفس جانے کا موڈ نہیں تھا لیکن اُس نے بتایا کہ راستے میں تھا کہ آفس سے فون آ گیا کہ وہاں بہت سیریس قسم کے ایشوز آئے ہوئے تھے اس لیے اُس کا وہاں جانا بہت ضروری ہو گیا تھا یہ بھی بتایا تھا کہ وہ رات کا کھانا کھا کر آئے گا یہ بھی بتایا تھا کہ وہ فریج میں کوئی کھانے پینے کی چیز ڈھونڈ لے اور اگر Availabel ہے تو وہ اُس پر گزارہ کرتے آتے ہوئے وہ پیزا یا روسٹ وغیرہ لے آئے گا۔'' اُس کے کہنے پر ندا نے فریج کھول کر جھانکا تھا۔ فریزر میں مختلف قسم کے گوشت قیمہ چکن فش اس طرح کی چیزیں تو نظر آئیں جو سب کی سب کچی تھیں صرف ایک ڈبے میں اُس کو شامی کباب مل گئے شاید اُس کی ساس نے ہی بنائے ہوں گے۔

اُس نے دو کباب لے کر گرم کیے اور کیچپ کے ساتھ بڑے مزے لے لے کر کھائے۔ اب بھوک کا تو کوئی نام و نشان نہیں تھا۔ لحاظ اُن کے کمرے میں لیٹ کر اُن کی کتابوں کی ورق گردانی کرنے لگی کتابیں بھی اُس کے مطلب کی نہیں تھیں۔ روحانی ٹوٹکوں کی...... وظائف کی اور دین سے تعلق رکھنے والا مواد کتابوں میں موجود تھا وہ کوئی اسٹوری بک تو تھیں نہیں کہ پڑھنا شروع کیں تو شاید وقت گزر جاتا۔ اُس

نے وہ کتابیں بہت پیار سے چوم کر واپس اپنی جگہ پہنچا دی تھیں۔

ٹی وی دیکھ دیکھ کر ویسے ہی اُکتائی ہوئی تھی اتنا بڑا گھر اور تنہائی..... بڑی وحشت سی ہونے لگی جب تک خود کو مصروف رکھا تب تک تو کچھ محسوس نہیں ہوا اور اب جبکہ نیند بھی نہیں آ رہی تھی اور کچھ کرنے کو بھی دل نہیں چاہ رہا تھا تو اُسے اِس بڑے سے گھر سے ایک عجیب قسم کا خوف محسوس ہونے لگا۔ دل میں خیال آیا کہ ارسلان کو فون کر کے تھوڑا سا وقت پاس کر لے۔

اُس نے نمبر ڈائل کیا ارسلان نے فوراً ہی اُس کی کال پک کر لی تھی۔

''ارے بھئی کیسے ہماری یاد آ گئی.....'' حسب عادت بغیر سلام دعا ہیلو ہائے کے وہ شروع ہو گیا۔

''ویسے ہی بور ہو رہی تھی میں نے سوچا آپ کیا کر رہے ہیں۔ کھانا وانا کھالیا۔''

''ہاں بھئی کھانا وانا کھالیا تمہارے احسان سے چھوٹ گئے۔''

''کیا مطلب احسان ..... میں نے کون سا احسان کیا ہے آپ پر؟''

''ارے بھئی وہ دو چار کھانے اُلٹے سیدھے پکا کر میرے سامنے رکھ دیتی تھیں مارے مروت کے کھانے پڑ جاتے تھے۔ اُن سے تو کم از کم جان چھوٹ گئی اور یہ بتاؤ تم نے کس خوشی میں مجھے فون کیا ہے..... اور تمہارے میاں صاحب کہاں ہیں؟''

''وہی تو نہیں ہیں جبھی تو آپ کو فون کیا ہے؟''

''واہ واہ بہت اچھی بات ہے اس پر تو میرا دل چاہ رہا ہے میں کہوں..... گریٹ ندا..... تم کتنی عظیم ہو جب تمہیں کوئی نہیں ملتا تو سر کھانے کے لیے میں یاد آتا ہوں۔ سوری میرے پاس ٹائم نہیں ہے۔''

''ارے ارے ارسلان بھائی کیا ہو گیا ہے آپ کو..... میرا خیال ہے آپ بھی بور ہو رہے ہیں.....

آپ کو تو بوریت دور کرنے کے سو طریقے آتے ہیں..... میرا مشورہ یہ ہے کہ زیادہ ٹائم نا لگائیں گھر کے جو پیسے بھی مل رہے ہیں نا..... اچھے بچوں کی طرح وہ پکڑ لیں اور واپس امریکہ چلے جائیں۔''

''مجھے تمہارے مفت کے مشوروں کی ضرورت نہیں ہے آئی سمجھ..... تم تو اتنی بے مروت ہو میاں کو دیکھتے ہی طوطے کی طرح آنکھ پھیر لی جاتے ہوئے بتا کر بھی نا گئیں کہ میرے میاں تشریف لائے ہیں اور میں جا رہی ہوں۔'' ارسلان نے ایک طرح سے اُس کے انداز کی نقل اُتاری تھی۔

''میں نے تو آپ کے ساتھ نیکی کی تھی کہ گہری نیند سو رہے ہیں سونے دو..... جانا تو ہے چلی جاتی ہوں وہاں جا کر فون کر کے بتا دوں گی آپ کو فون کر کے آپ اس کو ایشو کیوں بنا رہے ہیں۔'' وہ بھی منہ بنا کر گویا ہوئی۔

''اصل میں، میں بہت حساس ہوں تم نے ایک مرتبہ نہیں تین سو سولہ دفعہ میرا دل توڑا ہے''

''تین سو سولہ..... آپ کیا کیلکولیٹر لے کر بیٹھے ہوئے تھے گن رہے تھے۔ ندا کو اُس کی بات ذرا ہضم نا ہوئی۔

''تم نے میرا کیلکولیٹر دیکھا ہی نہیں اصل میں، میں اُسے چھپا کر رکھتا ہوں تمہیں کیا پتہ میں کیا کیا کاؤنٹ کر رہا تھا۔''

''اچھا مجھے نہیں پتہ تو بتا دیں۔'' ندا فوراً بولی۔

''اب تمہیں بتانے کا کوئی فائدہ نہیں وہ جعلساز بندہ تو تمہیں لے کر اڑ گیا..... چڑیا اڑ گئی خالہ پنجرہ میرے سامنے ہے.....ایسی کی تیسی ایسے پنجرے کی اس بھی کہیں دور پھینک دوں گا۔ خدا حافظ۔''

ارسلان نے آخری الفاظ بہت عجیب انداز میں ادا کیے تھے۔ جو ندا کے تو بالکل ہی پلے نہیں پڑے بے تابی تو بہت ہوئی کہ دوبارہ اُس کو فون کرے اور پوچھے کہ معاملہ کیا ہے۔

اور انہوں نے یہ کیا بات کہی اور کہی تو سمجھائیں بھی..... لیکن سوچا کہ وہ اگر اس سے بھی زیادہ الٹی سیدھی بات کر بیٹھے تو کیا کروں گی.....

''میرا خیال ہے چھوڑو.....'' یہ سوچ کر اُس نے سیل فون رکھا اور کروٹ لے کر آنکھیں بند کر لیں اور کوشش کرنے لگی کہ کسی طرح سے نیند آ جائے۔

ثمر نے اُسے یہ بھی بتا دیا تھا کہ وہ اُس کی ٹینشن نا لے اُس کے پاس گیٹ کی چابی ہے وہ آ جائے گا اگر اُسے نیند آئے تو وہ سو جائے۔ نیند تو نہیں آ رہی تھی لیکن وہ سونے کی کوشش کر رہی تھی۔

☆......☆......☆

''جب میں امی جان کے کمرے میں جا کر سو گئی تھی تو آپ جا کر اپنے بیڈ روم میں کیوں سوئے۔ میں نے تو دروازہ بھی بند نہیں کیا تھا۔''

''اُفوہ یہ بھی کوئی بات ہے کہ اِس پر بحث کی جائے سوال جواب..... کیا ہو گیا ہے ندا..... رات کو بندے کو سونا ہی تو ہوتا ہے جہاں بستر نظر آیا سو گیا۔''

''نہیں..... میں نے آپ کو آتے ہی بتا دیا تھا کہ وہ اب ہمارا بیڈ روم نہیں ہے کسی اور کمرے میں اپنا بیڈ روم سیٹ کریں گے پھر میں تو امی جان کے کمرے میں سو رہی تھی۔ آپ کو کیا مسئلہ تھا..... میں نے تو بیڈ

شیٹ بھی چینج کی تھی کمرہ بھی اتنا صاف ستھرا کر لیا تھا تو آپ میرے پاس اِس کمرے میں کیوں نہیں سوئے۔ اُس کمرے میں کیوں گئے؟''

''ندا مجھ سے یہ بچوں والی اور بیوقوفوں والی بات کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم اچھی طرح جانتی ہو جب انسان بہت عرصے سے اپنے بستر پر سوتا رہا ہو تو وہ اپنے بستر پر ہی سوئے گا...... اب جو الٹی سیدھی باتیں تمہارے ذہن میں آتی ہیں وہ بخدا میرے ذہن میں نہیں تھیں مجھے تو بس اتنا پتہ تھا کہ رات ہوگئی تم بھی سوگئی ہو چلو میں بھی سو جاؤں...... کھانا کھا کر آیا تھا تمہارے لیے لایا تھا وہ فریج میں رکھ دیا تھا۔''

''شکریہ...... لیکن آپ کو وہیں سونا چاہیے تھا جہاں میں سو رہی تھی۔''

''ارے بھئی تو میں نے کون سا تمہیں جگا کر باتیں کرنا تھیں تم سو رہی تھیں میں نے سونے دیا۔ اور میں نے نا یہ سوچ کر کمرے میں قدم نہیں رکھے باہر سے ہی دیکھ لیا تھا کہ تم سوئی ہوئی ہو اندر جاؤں گا تو تمہاری نیند ٹوٹ جائے گی تمہاری نیند خراب ہو جائے گی۔ میں نے تمہارا خیال کیا اور تم صبح صبح میرا سر کھا رہی ہو۔''

''آپ نے میرا خیال نہیں کیا مجھے Mentally Tourcher کیا ہے۔''

''ہاں تو ٹھیک ہے اپنی سوچوں کی تم خود ذمہ دار ہو۔ دوسرا تمہاری ان الٹی سیدھی سوچوں کا ذمے دار نہیں ہوسکتا۔ ٹھیک ہے اگر تم سمجھتی ہو کہ میں نے جان بوجھ کر ایسا کیا تو جان بوجھ کے کیا ہوگا...... اس لیے کہ میرا بیڈروم ہے میں ہمیشہ کے لیے وہیں سو رہا ہوں۔'' ثمر یہ کہہ کر آف موڈ میں دوبارہ اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔ ندا منہ پھلا کر اپنی جگہ بیٹھ گئی۔

جاتے جاتے ثمر نے پلٹ کر دیکھا۔

''اچھا یہ بتاؤ کہ کچھ کھانے پینے کو ملے گا یا باہر سے لے آؤں۔''

''جو آپ کا دل چاہے کریں اور پھر جو آپ کا دل چاہتا ہے وہی تو کرتے ہیں آپ...... دوسروں کے لیے کیا کرتے ہیں؟'' وہ جیسے پھٹ پڑی تھی۔ درحقیقت اُسے بہت شدید غصہ آ رہا تھا کہ ثمر اُسے اکیلا چھوڑ کے دوسرے بیڈروم میں جا کر سویا۔

ثمر نے دیکھ لیا بلکہ اندازہ کر لیا کہ ندا سے بات چیت کرنا فضول ہے۔ کیونکہ اُس کی سمجھ میں جب بھی کوئی بات آتی ہے وہ اپنے حساب سے آتی ہے۔ جب کوئی اُسے سمجھا رہا ہوتا ہے اُس وقت نہیں آتی...... وہ پھر اپنے بیڈروم میں چلا گیا اور ندا نئے سرے سے کھولنے لگی۔

☆......☆......☆

بچیوں کو اسکول بھیج کر وہ قرآن مجید لے کر بیٹھ گئی۔ کیونکہ ثمر کے گھر میں تو وہ نماز کے بعد تلاوت کرنے بیٹھ جاتی تھی۔ لیکن یہاں اُسے بچیوں کے لیے کافی بھاگ دوڑ کرنا پڑتی تھی۔ اُن کے لیے لنچ بنا کر اُن کے بیگز تیار کرنا ہوتے تھے۔ وہ بس نماز پڑھ کے درود شریف کی تسبیح پڑھ کے بچیوں کے کام میں لگ جاتی تھی جب وہ اسکول وین سے چلی جاتی تھیں تو پھر وہ تھوڑا بہت کچن سمیٹ کر قرآن لے کر بیٹھ جاتی تھیں۔ عرصہ دراز سے یہ اُس کے معمولات میں تھا بڑا عجیب سا سکون ملتا تھا اور وہ صرف قرآن کی تلاوت ہی نہیں کرتی تھیں اُس کو ایک زمانے سے قرآن کو ترجمے کے ساتھ پڑھنے کی عادت تھی۔

جتنا قرآن پڑھتی تھی اتنا ترجمہ اور تفسیر بھی دیکھ لیا کرتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ اب وہ قرآن کے اندر کافی

دلچسپی لیا کرتی تھی۔ ایک عجیب سا سکھ اُس کے اندر اتر جاتا تھا۔ یوں جیسے اللہ اُس سے باتیں کررہا ہے اُس کے غم کے بوجھ ہلکے ہورہے ہیں۔

ایک نورانی ہاتھ اُس کے سر پر ہے جس سے پیار بھری تسلی کی لہریں اُس کے دل کو چھوتی ہوئی اُس کی روح میں پھیل رہی ہیں۔ تقریباً ایک گھنٹہ اُسے قرآن اور تفسیر پڑھنے میں لگ جاتا تھا ایک گھنٹے بعد وہ ختم قرآن کی دعا پڑھنے اور منہ پر ہاتھ پھیر کر بہت ہلکی پھلکی ہوکر معمول کے کاموں میں لگ جایا کرتی تھی اور شاید اُس کو یہ توفیق ملی تھی اور یہ اس توفیق کا ہی صدقہ تھا کہ توڑ دینے والے غم بھی اُس کو توڑ نہیں پاتے تھے۔ ہر صبح اُس کے اندر ایک نیا حوصلہ پیدا ہوجاتا تھا قدم رکھتے ہوئے صاف لگتا تھا کہ پاؤں لڑکھڑا نہیں رہے۔ بہت مضبوطی سے اپنی جگہ جمے ہوئے ہیں۔

اُس کے بعد اس نے اپنے لیے اور مشکور احمد اور عطیہ بیگم کے لیے ہلکا پھلکا ناشتہ تیار کیا۔ عطیہ بیگم اور مشکور احمد ایک عرصے سے پراٹھے استعمال نہیں کرتے تھے۔ دونوں ڈبل روٹی کے ساتھ ہاف فرائی لیا کرتے تھے اور ایک ایک گلاس دودھ یہ دونوں کا ناشتہ ہوا کرتا تھا۔ کسی دن سلائس اور ہاف فرائی کی جگہ سیریل لے لیا کرتے تھے۔ دوپہر کے کھانے پر اچھا اہتمام ہوتا تھا۔ لیکن اُس اہتمام میں بھی خیال رکھا جاتا تھا کہ چیزیں صحت بخش ہوں لذیذ چٹ پٹی نہ ہوں۔ ناشتے سے فارغ ہوکر وہ سوچ ہی رہی تھی کہ آج بچیوں کے لیے کیا تیار کیا جائے۔ دونوں اندر آتے ہی سلام کے بعد پہلا سوال یہی کرتی تھیں کہ کھانے میں کیا ہے نانو؟

وہ کچن کا جائزہ لینے ابھی اندر داخل ہی ہوئی تھیں کہ کال بیل کی آواز نے بڑھتے قدموں کو گویا زنجیر ڈال دی۔

آگے بڑھ کر انٹر کام پر پوچھا تو پتہ چلا کہ کوریئر ہے...... کچن میں جانے کے بجائے باہر کی طرف چل پڑی۔

ماسی چھت پر کپڑے دھو رہی تھی۔ صفائی والی صفائی کرکے جاچکی تھی اور اس کے جانے کی خبر عطیہ بیگم کو نہیں تھی۔

''رشیدہ دیکھو گیٹ پر کون ہے؟'' انہوں نے قدموں کی آہٹ سے اندازہ لگاتے ہوئے ماسی سے کہا تھا۔

''رشیدہ چلی گئی ہے امی...... منور کپڑے دھو رہی ہے۔ میں دیکھتی ہوں'' وہ بولتی ہوئی تیز تیز قدموں سے گیٹ تک آئی۔

بڑے سائز کا لفافہ وصول کیا...... وصولی کے دستخط کیے...... اور تذبذب کی کیفیت میں لفافہ الٹ پلٹ کیا تو چونک پڑی۔

Sender کے کالم میں ثمر احمد کا نام تھا اور اس کے آفس کا ایڈریس تھا دل بہت زور سے سمٹا پھر پوری قوت سے پھیلا تھا۔

(رشتوں کی نزاکت اور سفاکی دکھاتے اس سحر انگیز
ناول کی اگلی قسط انشاء اللہ آئندہ ماہ ملاحظہ کیجیے)

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

افسانہ

''جھوٹ سے مجھے نفرت ہے۔'' میں نے کہا تو وہ طویل سانس لے کر میرا ہاتھ تھام کر کہنے لگا۔ ''تمہیں یاد ہوگا کہ ایک روز تمہارے اشرف بھائی تم سے ملنے آئے تم ان سے نہایت بے تکلفی سے بات کر رہی تھی۔ وہ تمہیں چندا کہہ رہے تھے۔ تب انوشہ مجھے لگا......

میں نے خود پر نظروں کی تپش محسوس کرتے ہوئے گردن موڑ کر دیکھا تو وہ مجھے ہی شعلہ بار نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ پہلے بھی وہ مجھے دیکھتا اور جب میں اُس کی نظریں محسوس کر کے گردن ترچھی کر کے اُسے دیکھتی تو اُس کی رنگت سرخ ہو جاتی۔ (جیسے کہ چوری کرتے پکڑا گیا ہو) وہ جلدی سے لیکچر پر توجہ مبذول کرتا۔ لیکن آج ایسا نہ ہوا۔ مجھے اپنی طرف دیکھتا پا کر اس نے ہونٹ بھینچ لیے۔ اُس کی آنکھوں میں مہکتے جذبوں کی جگہ شعلوں نے لے لی تھی۔

میں نے جلدی سے اُس پر سے نظر ہٹالی۔ دل اتنی زور سے دھڑکا کہ اُس کی آواز مجھے کانوں میں سنائی دے رہی تھی۔

''کیا ہوا ہے آج اُسے؟'' یہ جملہ میرے ذہن کے برتن میں ٹن ٹن بجنے لگا۔ مجھے نہیں پتا کہ پروفیسر بخاری کیا کہہ رہے تھے۔ میرا ذہن اُلجھا ہوا ریشم بنا ہوا تھا۔ مجھے لگا۔ جیسے میں صلیب پر لٹکی ہوں۔ اسی دوران کلاس ختم ہوگئی۔ پروفیسر بخاری کے کلاس روم سے جاتے ہی وہ بھی اُٹھا اور کرسی کو ٹھوکر لگاتا ہوا باہر چلا گیا۔ پہلے تو ایسا بھی نہ ہوا تھا۔ جب تک میں کلاس میں رہتی تھی وہ بھی بیٹھا رہتا آج خلافِ معمول ہی ایسا ہوا تھا۔

حالانکہ ہمیں ایک ہی کلاس میں پڑھتے ہوئے تقریباً ڈیڑھ ماہ ہونے کو آیا تھا۔ میں کلاس میں ہر لڑکے سے بات کر لیتی تھی۔ صرف خرم ہی ایسا تھا جس سے میں نے سلام دعا بھی کبھی نہ کی تھی۔

اونچے قد کاٹھ کا یہ کشمیری نوجوان جس نے پہلے روز آتے ہی میرے خیالوں پر کمند ڈال دی تھی۔

میرا بی اے آنرز کا فائنل تھا اور خرم نے ایم اے پر یولیس میں داخلہ لیا تھا۔ دو سال تک میں نے نہایت اطمینان سے پڑھائی کی تھی۔ کبھی خیالوں کی دنیا میں کسی نے بسیرا نہ کیا تھا۔

مگر نجانے خرم میں کیا بات تھی کہ وہ خواہ مخواہ ہی مجھے اچھا لگنے لگا تھا۔ کلاس میں، میں اُس کی نظروں کے حصار میں رہتی۔

کوریڈور میں بھی مجھے لگتا تھا کہ اس کی نظریں مجھی پر ہیں وہ مجھ سے بات نہ کرتا تھا صرف دیکھتا

تھا۔ جو وہ زبان سے نہ کہتا تھا اس کی آنکھیں چیخ چیخ کر کہتی تھیں اور میں خود میں عجیب سی تبدیلی محسوس کرنے لگی تھی اور میں یہ تبدیلی جانتی تھی۔

کہ فطرت اظہار چاہتی ہے یہ بھی انسانی جبلت ہے کہ انسان محبت میں اظہار وفا' وعدوں کو بہت اہمیت دیتا ہے اور میں بھی دوسروں سے مختلف نہ تھی۔

سینکڑوں بار خیالوں ہی خیالوں میں خرم نے مجھ سے اظہارِ محبت کیا تھا۔

وفا نبھانے کی قسمیں کھائی تھیں۔

وعدوں کے ڈھیروں خوشنما کھلونے میرے

ہاتھ میں تھمائے تھے۔
مگر یہ تو خیالوں کی دنیا تھی میری اپنی بنائی ہوئی جہاں صرف میرے دل کا حکم چلتا جو منظر چاہتی تھی تخلیق کر لیتی...... جبکہ حقیقت تو سنگلاخ چٹانوں جیسی نوکیلی تھی۔ جب میں خیالوں کی گل پوش وادی سے باہر آتی تو میں تنہا ہوتی اور میری تنہائی...... دردِ دل اور بھی بڑھ جاتا۔

میں خود سے لڑتی جھگڑتی کہ آخر کیا مصیبت مول لے بیٹھی ہوں میں یعنی ارم فاروق جو خود کو بہت مضبوط سمجھتی تھی کہ اِس عشق و محبت کے فضول بحر میں کود ہی نہیں سکتی تھی۔ پتہ چلا کہ یہ تو اختیار کی بات ہی نہ تھی۔ خرم کی پہلی نظر ہی نے مجھ سے میرا اپنا پن چھین لیا تھا۔ مضبوطی' بھربھری مٹی ثابت ہوئی تھی۔

خود کو سمجھاتی کہ اب خرم کو دیکھوں گی بھی نہیں اور نیا نیا معاملہ تھا کہ دل کی تڑپ کچھ کم ہو جاتی۔ مگر ہوتا یہ کہ یونیورسٹی جاتی اور اپنے ڈیپارٹمنٹ میں جاتے ہی نظریں اُسے...... کھوجتیں اُن اُن جگہوں پر جہاں وہ اپنے نوشہرہ کے دوست زمان خان کے ساتھ دیکھا جاتا تھا۔

میں پاؤں جلی بلی کی طرح اُسے تلاشتی رہتی۔ کبھی آفس میں کبھی کلاس روم میں اور جب وہ نظر آ جاتا تو میری آنکھوں میں نمی اُتر آتی جو مجھے ٹھنڈک پہنچاتی تھیں میں جو اظہار کے لیے بے چین تھی۔ اس کی طرف سے پہل کی منتظر تھی کہ آج یہ ناقابل برداشت بات ہوگئی تھی کہ وہ مجھے پروفیسر بخاری کے پیریڈ کے دوران مسلسل گھورتا ہی رہا تھا۔

کیا تھا اُس کی آنکھوں میں کہ تھرا کر رہ گئی۔

اُس کی آنکھیں لہو رنگ تھیں اور وہ بار بار ہونٹ کچل رہا تھا۔ جیسے کہ کوئی خلافِ توقع بات ہوگئی ہو۔

''صبح تک تو ٹھیک ٹھاک ہی تھا یہ ایک دم کیا ہو گیا ہے اُسے؟'' تبھی پروفیسر ابرار ہاشمی کلاس میں آئے تو اُن کے پیچھے پیچھے وہ بھی سر جھکائے آ گیا۔

میرے قریب سے گزرتے ہوئے اُس نے ایک سلگتی ہوئی نظر مجھ پر ڈالی۔ تو میری روح تک میں چھالے پڑ گئے وہ تیسری لائن میں سب سے الگ تھلگ بیٹھ گیا۔

میرا جی چاہا اُس کے پاس جاؤں اور پوچھوں۔ ''خرم! اچانک یہ بے اعتنائی کیسی؟'' جس روز پہلی کلاس تم نے اٹینڈ کی تھی اُسی روز سے تم نظروں سے مجھ پر محبتوں کے آبشار لنڈھانے لگے تھے۔ پھر جبکہ آج میرے ایوانِ دل میں تمہاری محبت کی فصل لہرا رہی ہے تو تم اُس بگیا میں آگ لگانا چاہتے ہو۔

بھلا کوئی اپنی محبت کی بگیا میں خود ہی آگ لگاتا ہے؟

''نہیں...... نہیں خرم خدارا ایسا نہ کرو...... ورنہ شاید میں مر جاؤں گی۔''

بیس سالہ زندگی میں پہلی بار دل پر محبتوں کا مینہ محسوس کیا ہے میں نے اب میرے دل کی دھرتی کو تپتی ریت میں تو نہ بدلو کہ ساری زندگی وہ ریت میری آنکھوں میں چبھتی رہے۔'' میں نے اپنا سلگتا سر تھام لیا۔ مجھے پتا ہے کہ خرم اب بھی مجھے دیکھ رہا ہے۔

مگر مجھ میں اتنی ہمت نہیں ہے کہ اُس کی طرف دیکھ بھی سکوں میں اس کی شعلہ بار نظریں برداشت نہیں کر سکتی۔

وہ شخص جو مجھ پر محبتوں کی پھوار برساتا رہا ہے اب بھلا آگ برسائے گا تو میں برداشت کر پاؤں گی؟ کبھی نہیں۔

''کیا ہوا انوشہ؟'' میرے ساتھ بیٹھی فریال نے ہولے سے پوچھا۔

''کچھ نہیں ڈیئر......''

''کوئی بات تو ہے؟''

"سر میں درد ہے۔"

"باہر چلی جاؤ......" فریال نے مجھے مشورہ دیا اور یہ مشورہ مجھے معقول بھی لگا کہ پروفیسر ابرار کے لیکچر کا ایک لفظ بھی میرے پلے نہ پڑ رہا تھا۔ میں اُٹھ کر باہر آ گئی۔ مجھے واضح طور پر محسوس ہو رہا تھا کہ میری ٹانگیں کانپ رہی ہیں۔ مجھ میں کھڑا ہونے کی سکت نہ تھی۔ میں زینے پر ہی بیٹھ گئی۔ تھی نا حیرت انگیز بات...... کہ میں خرم کی نفرت کا عذاب نہیں سہہ پا رہی تھی۔ جبکہ اُس کی محبتوں کے چراغوں سے میں نے اپنے ایوانِ دل میں روشنی کر لی تھی۔

آخر یہ ایک دم کایا کیسے پلٹ گئی؟ خرم مجھے میرا قصور تو بتاؤ میں دل ہی دل میں اس سے سینکڑوں شکوے کر رہی تھی اور نجانے کہاں کہاں سے آ آ کر آنسو میری آنکھوں میں جمع ہو رہے تھے۔

دل سلگ رہا تھا۔

آنکھیں سلگ رہی تھیں۔ وجود میں انجانی سی آگ دہک رہی تھی۔

جس سے میرا پور پور جل رہا تھا۔ آخری کلاس لیے بغیر ہی آ گئی۔ پور پور ایسا جلا کہ شام تک میں تاپ میں جھلسنے لگی۔

"میں تمہاری بے رخی برداشت نہیں کر سکتی...... خرم۔"

میرے دل و ذہن میں اسی ایک جملے کی تکرار تھی۔ اور ہونٹوں کو میں نے سختی سے دانتوں تلے بھینچ رکھا تھا۔ مبادا یہ جملہ ہونٹوں کے بھنور سے نکل پڑے اور ...... اور مصیبت آ جائے۔ کیونکہ امی میرے بالکل قریب ہی تھیں وہ کبھی میرا سر دباتیں کبھی ہتھیلیاں مسلتیں...... وہ بار بار کہہ رہی تھیں۔

"اتنا تیز بخار تجھے کبھی بھی نہیں چڑھا۔"

"ساری انہونیاں اب ہو رہی ہیں۔" میں دل ہی دل میں ہنس دی۔

پھر مجھے معلوم نہیں کہ مجھے کب نیند آ گئی۔ صبح میں نے حسبِ معمول یونیورسٹی جانا چاہا تو امی نے سختی سے ڈانٹ دیا۔

"رات بھر بخار میں جھلسی ہو اور اب یونیورسٹی جانا ہے پڑھائی ہوتی رہے گی آرام کرو۔" امی کی محبت بھری ڈانٹ سن کر میں نے سوچا۔

"وہاں جاؤں گی تو بے چینی اور بڑھ جائے گی۔ بہتر یہ ہے کہ گھر میں رہوں اور خود کو خرم کی محبت کے حصار سے کھینچ لوں۔"

"کتنی بے وقوف تھی میں...... بھلا کوئی ایک بار محبتوں کے حصار میں جکڑا جائے تو وہ کبھی نکل سکتا ہے یہ تو ناممکن سی بات ہے۔"

دل کے اندر بہت اندر جا کر محبتوں کی شکست رُلا رہی تھی اور مجھے بھی محبتوں کی شکست رُلا رہی تھی دلوں کے راز دل ہی میں رہتے ہیں۔ ہماری اندرونی جنگ کو کوئی بھی نہیں جان سکتا۔

یہ ہمارے ہی حق میں بہتر ہے۔ ورنہ دلوں کے راز لوگوں پر منکشف ہو جاتے تو زندگی ہی عذاب ہو جاتی۔ میں بھی اپنی شکست پر اندر ہی اندر روتی تھی۔ یہ اور بات کہ اب میں خرم سے شکوہ نہیں کرتی تھی۔ اپنے وجود کی تمام تر شدتوں سے میں اُسے بھلانے کی کوشش کر رہی تھی۔

تھی نا حیرت انگیز بات...... کہ میں کبھی اُس سے ہم کلام نہ ہوئی تھی۔ پھر بھی نظروں کے راستے وہ دل میں اتر گیا تھا۔ میری پور پور میں بس گیا تھا۔ یہ کیسی محبت تھی۔ جس میں کبھی اظہار کا موقع نہ ملا تھا اور اُس کی جڑیں دل میں دھنس گئی تھیں۔

محبت کا وہ سحر چند ہی دنوں میں اتنا مضبوط ہو گیا تھا کہ اُسے اُکھاڑ پھینکنے میں میں ناکام رہی تھی۔ حالانکہ میری شدید خواہش تھی کہ میں خرم کو بھول جاؤں۔ مگر دل نادان کی ادائیں ہی تو نرالی ہیں وہ خرم کا ساتھ چاہتا تھا۔ اُس کی ذرا سی نظر بازی کو اِس

دل نے اُسے اپنی...... کی تمنا بنالیا تھا۔

یوں بھی ہم لڑکیاں انتہائی بے وقوف ہوتی ہیں۔ محبت کی بوند کو بھی دریا سمجھ لیتی ہیں۔ میں بھی انہیں لڑکیوں میں سے ایک تھی۔ پورے چار روز سے میں یونیورسٹی نہ جارہی تھی۔ اب طبیعت بھی ٹھیک تھی۔ مگر میرا جی نہ چاہتا تھا کہ میں یونیورسٹی جاؤں مجھ میں خرم کا سامنا کرنے کا حوصلہ نہیں تھا۔ جونہی میں یونیورسٹی جانے کا سوچتی دل میں بے نام سادرد لہریں لینے لگتا۔

شام کو میں لان میں بیٹھی چائے پی رہی تھی کہ اشرف بھائی آ گئے۔ اشرف بھائی میرے فرسٹ کزن ہونے کے ساتھ ساتھ میری آپا فائزہ کے منگیتر بھی ہیں۔ فائزہ آپا میڈیکل تھرڈ ایئر میں ہیں اور اشرف بھائی فارمیسی کے فائنل ایئر ہیں۔ مجھے بے تحاشہ چاہتے ہیں۔ مجھے لان میں دیکھ کر وہیں چلے آئے۔

''ہیلو...... سالی۔'' وہ مجھے شرارت سے سالی ہی کہتے ہیں۔

''جی بہنوئی۔'' میں بھی شرارت کے موڈ میں تھی۔

''سُنا تھا تمہارے دشمنوں کی طبیعت ناساز ہے۔'' اشرف بھائی کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولے۔

''دشمن تو میرے بالکل ٹھیک ہیں اور خدا کرے کہ انہیں کچھ بھی نہ ہو۔'' میں نے کہا۔ کیونکہ میری نظروں کے سامنے ایک دم ہی خرم کا وجیہہ سراپا آ گیا تھا۔

''کون سی دنیا کی مخلوق ہو انوشہ ڈیئر کہ دشمن کے لیے بھی دعا کررہی ہو۔'' اشرف بھائی نے میرے ہاتھ سے چائے کی پیالی لے لی اور ایک سپ لینے کے بعد واپس مجھے تھمادی۔

''اشرف بھائی...... بعض دشمن ایسے بھی ہوتے ہیں جو جان سے پیارے ہوتے ہیں۔''

''واللہ شاعری...... بہت خوب۔'' وہ ایک دم چیخے۔

''کون ہے وہ جان سے پیارا دشمن؟'' انہوں نے میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

''بتادو کسی کو بھی نہیں بتاؤں گا وعدہ۔'' وہ راز داری سے بولے۔

''بتادیں مجھے کسی کا ڈر تو نہیں ہے۔'' میں نے بے پروائی سے جواب دیا۔

''اے لڑکی! یونیورسٹی تمہیں صرف پڑھنے بھیجا ہے۔ بہادر ہونے نہیں۔'' وہ رعب سے بولے۔

''بتاؤ کون ہے وہ دشمن؟''

''سوائے آپ کے اور کوئی ہوسکتا ہے؟'' میں نے زبردستی کی مسکراہٹ لبوں پر لاتے ہوئے کہا تو وہ چند لمحے تک میری آنکھوں میں دیکھتے رہے۔ جیسے کہ میرے دل کا راز آنکھوں میں پالیں گے اب میں اتنی بے وقوف بھی نہ تھی کہ دل کی حکایتیں آنکھوں میں تحریر کردیتی۔

''سچ کہہ رہی ہو؟''

''اشرف بھائی پتہ نہیں لوگوں کی آنکھوں کا پھیر ہے یا وہ سمجھتے نہیں سچ بات کو بھی...... جھوٹ ہی مانتے ہیں۔ اور انسان کو جھوٹ بولنے پر مجبور کردیتے ہیں۔''

''ارے تم تو فلسفہ بولنے لگیں۔'' وہ ہنس دیے۔

''آپ کو کیسے پتہ چلا کہ میری طبیعت خراب ہے؟'' میں نے موضوع بدلا۔

''آج فائزہ نے بتایا تھا وہی تو میں کہوں تمہارے ڈیپارٹمنٹ جاتا تھا تو تم نظر ہی نہ آتی تھیں۔''

''اوہ تو یہ بات ہے۔'' میں نے انہیں معنی خیز نظروں سے دیکھا تو وہ بری طرح جھینپ گئے۔ حالانکہ اشرف بھائی ہمارے فرسٹ کزن تھے:

پہلے ہمیشہ نہایت بے تکلفی سے آتے جاتے تھے۔ مگر جب سے فائزہ آپا سے منگنی ہوئی تھی انہوں نے گھر آنا ترک تو نہیں البتہ بہت کم کر دیا تھا۔ جب بھی آتے باشعور فائزہ آپا اپنے کمرے میں چھپ جاتیں...... یہ صرف امی، ابا کو دکھانے کے لیے ہی ہوتا تھا۔ ورنہ اشرف بھائی تو اُن کے کالج پہنچ جاتے کئی بار دن میں ایک دوسرے سے بات کرتے۔ بھلا ہوا اور محبت کرنے والوں کو بھی کوئی روک سکتا ہے۔ جو نہیں روکا جاتا؟''

فائزہ آپا بھی منگیتر ہونے کا پورا پورا فائدہ اٹھاتیں۔ اشرف بھائی کی بات ذرا سی بھی بری لگتی تو خفا ہو جاتیں اور وہ بے چارے بولائے بولائے پھرتے...... آپا اور نخرے دکھاتیں...... فون اٹینڈ نہ کرتیں، آخر میں بیچ میں پڑ کر اُن کا راضی نامہ کروا دیتی۔ اور پھر دونوں طرف سے ہی میری ٹریٹ پکی ہو جاتی۔

''صبح یونیورسٹی جاؤ گی؟'' انہوں نے ایک دم ہی پوچھا۔

''ارادہ تو ہے کہ پورے پانچ دن سے نہیں گئی۔ پڑھائی کا حرج ہو رہا ہے۔'' کہنے کو تو میں نے کہہ دیا۔ مگر دل کی تہوں میں پھر ٹیسیں اٹھنے لگیں۔

''فالودہ کھانے چل رہی ہو؟''

''نیکی اور پوچھ پوچھ...... سچ اشرف بھائی دل بھی چاہ رہا ہے۔'' میں بچوں کی طرح خوش ہوتے ہوتے بولی۔ تو وہ ایک دم ہی کرسی سے اٹھتے ہوئے بولے۔

''میں تائی اماں کو سلام کر آؤں...... تم اجازت لے لو پھر چلتے ہیں۔'' وہ اُٹھ کر اندر چل دیے تو میں بھی اُن کے ساتھ ہی اندر آ گئی۔

فائزہ آپا، امی کے پاس بیٹھی نجانے اپنی کون سی بات منوانے کی سعی کر رہی تھیں کہ اشرف بھائی کو دیکھتے ہی کمرے سے نکل گئیں اور اُن کے چہرے پر بکھرے بے شمار دھنک رنگ میری نظروں سے نہ چھپ سکے۔ اشرف بھائی کی آنکھیں بھی فائزہ آپا کو دیکھنے کے بعد دو سو دولٹ کے بلب کی طرح روشن تھیں۔

''آؤ بیٹا......'' امی نے اشرف بھائی کو نہایت محبت سے اپنے قریب بٹھالیا۔ پھر اُن کے گھر والوں کی خیریت پوچھنے کے ساتھ ساتھ میری بیماری اور اپنی تیمارداری کی پوری تفصیل انہیں بتا دی اور پھر مجھے بھی اشرف بھائی کے ساتھ جانے کی اجازت اس لیے دے دی کہ اس طرح میرا دل بہل جائے گا۔

کس قدر بھولی ہوتی ہیں مائیں...... انہیں کچھ پتہ بھی نہیں ہوتا کہ اولاد نے کون سے عذاب گلے میں ڈال لیے ہیں۔ ہم نے 'الفی' پر فالودہ کھایا۔ مجھے لپ اسٹک اور پف خریدنا تھا۔ اور جب میں 'گلبدن اسٹور' میں داخل ہوئی تو مجھے لگا جیسے کہ میرے قدموں سے زمین سرکتی جا رہی ہو...... سامنے ہی تو وہ دشمن جان کھڑا تھا۔ وہ میرا دشمنِ دل جس کا نام خرم تھا۔

حالانکہ اُس کی پشت میرے سامنے تھی۔ مگر میں بھلا اُسے کیسے نہ پہچانتی۔''

اور میرے قدم نچلی سیڑھی پر ہی تھے۔ اشرف بھائی آگے تھے انہوں نے مڑ کر مجھے دیکھا اور بولے۔

''آؤ نا یار......'' اُن کی آواز نے مجھ میں توانائی بھر دی میں جلدی سے آگے بڑھی تبھی خرم نے پلٹ کر دیکھا۔ ایک لمحے کے لیے اُس کی آنکھوں میں جذبوں کی فصل لہلہانے لگی۔ پھر ایک دم ہی وہ فصل شعلوں میں بدل گئی۔ میرا وجود اُس آگ میں جلنے لگا۔

اُس کے ہونٹ بھینچے ہوئے تھے اور آنکھیں

لہو رنگ ہوگئی تھیں پھر وہ رُکا نہیں لفافہ اپنے مضبوط ہاتھوں میں تھام کر مجھ پر ایک قہر آلود نظر ڈالتے ہوئے وہ 'گلبدن اسٹور' سے نکلتا چلا گیا۔ اور مجھے لگا میرے وجود کی تمام تر توانائیاں بھی اپنے ہمراہ لے گیا ہو۔

''کیا بے وقوفی ہے انوشہ..... جو شے اپنے لیے نہ ہو اُس کی طرف دیکھو بھی مت۔'' میں نے خود کو ڈانٹا اور چند لمحے بعد ہی میں نارمل انداز میں اپنی پسندیدہ چیزیں منتخب کرنے لگی۔ جب میں اشرف بھائی کی بائیک پر اُن کے پیچھے بیٹھ رہی تھی تو وہ دو سلگتی آنکھیں پھر مجھے گھور رہی تھیں۔ میرے جسم پر..... چیونٹیاں سی رینگنے لگیں۔ وہ تو شکر ہے کہ اشرف بھائی بائی بہت تیزی سے بوہری بازار کی حدود سے نکال لے گئے تھے۔

میں نے جو خود پر بے تحاشہ پہرے بٹھائے تھے اور گزشتہ پانچ روز کے دوران میں نے خود کو بہت سمجھایا۔ میرے دل نے میری باتیں مان لی تھیں۔ مگر خرم نے ایک بار پھر سامنے آ کے میرے قلعے میں دراڑیں ڈال دی تھیں اُس پوری رات تکیہ میرے آنسوؤں سے بھیگتا رہا جو باوجود کوشش کے رُک ہی نہ رہے تھے۔

معصوم دل نے پہلی مرتبہ کسی کو چاہا تھا۔

اظہار کا موقع بھی نہ ملا۔

اور وہ چاہت یکطرفہ چاہت میں بدل گئی۔

دُکھ ہونا تو لازمی ہونا ہی تھا۔

دوسرے روز میں بہت ہمت کر کے یونیورسٹی گئی اپنے ڈیپارٹمنٹ کی طرف جاتے ہوئے میں نے اِدھر اُدھر نہ دیکھا۔ مبادا خرم نظر آ جائے۔ یہ بھی میری بے وقوفی ہی تھی آخر میں اُس سے کب تک چھپ سکتی تھی وہ میرا کلاس فیلو تھا۔ بھلا کس طرح اُس کا سامنا نہ ہوتا؟''

''ہائے انوشہ! اگر تو آج نہ آتی تو ہم نے تیرے گھر آنا تھا۔'' رفعت نے مجھے دیکھتے ہی ہانک لگائی اور میرے ہاتھ تھام لیے۔ محبت کی وہ گرمی ہاتھوں کے راستے میرے دل میں اُتر گئی۔

''کیوں نہیں آئی تھی؟'' روبینہ نے نہایت محبت سے پوچھا۔

''بس طبیعت خراب تھی۔''

''اشرف بھائی نے بھی کئی بار چکر لگائے تمہیں نہ پا کر بے چارے چلے جاتے تھے۔'' روبینہ نے کہا اُس کے اِس جملے پر ایک دم ہی میری نظر روبینہ کے پیچھے سے آتے خرم پر پڑی اور اُسے دیکھتے ہی میری کیفیت وہی ہوگئی۔

آواز حلق میں گھٹ گئی۔ ٹانگیں کانپنے لگیں۔

وہ حسب معمول تیغ صفت نظریں میرے دل میں کھبوتا ہوا کلاس روم میں چلا گیا۔

''کل آئے تھے اشرف بھائی۔'' میں نے نہایت ہمت کر کے روبینہ کی بات کا جواب دیا۔

''کوئی سیٹ ہوگی؟''

''ہمیں کیا پتہ تھا تم آج آؤ گی۔ یوں کرتے ہیں تینوں پیچھے ہی بیٹھ جاتے ہیں۔'' رفعت نے کہا اور پھر میں کلاس میں آ گئی۔ سر بخاری ابھی نہیں آئے تھے اس لیے سب طالب علم کتابیں رکھ کر کوریڈور میں چلے گئے۔ خرم بھی چلا گیا زمان خان کے ساتھ۔

مجھ میں دوبارہ نظروں کے تیر سہنے کی ہمت نہ تھی۔ میں نے رفعت اور روبینہ سے کہا کہ کلاس میں ہی بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں وہ دونوں ہی اچھے موڈ میں تھیں کہ مان گئیں

پھر یونہی دن گزرنے لگے۔ میں نارمل ہوتی گئی خرم کا رویہ اب بھی میرے ساتھ ویسا ہی تھا۔ اُس کی نظروں کی تیزی آرے کی طرح میرے

دل کو کاٹتی تھی میرے اندر اُس کی چند روزہ محبت میں پاگل ہونے والی لڑکی بے تحاشہ روتی بھی تھی۔ آپ کہیں گے کہ اظہار تو ہوا نہیں مجھے کیسے پتا چلا کہ اُسے مجھ سے محبت ہے۔ اصل میں محبت وہ جذبہ ہے جو کبھی یکطرفہ پروان نہیں چڑھتا۔

خرم کے دل میں جذبے تھے تو اُس نے وہ ساری حکایتیں اپنی آنکھوں کی زبانی مجھے سنائی تھیں۔ زبان خاموش رہی تھی۔ عورت اور مرد میں یہی تو خوبی ہے کہ وہ ایک دوسرے کی آنکھوں کی زبان پڑھ لیتے ہیں۔ میں نے بھی خرم کی آنکھوں میں اپنے لیے تحریر بہت کچھ پڑھ لیا تھا۔ اُس کی محبت کے پھول انجانے میں سمیٹے تھے محبت کو اظہار کا موقع ہی نہ ملا تھا کہ ببول کے کانٹے جھولی میں آ گئے۔

خرم نفرت کرنے لگا تھا مجھ سے...... (کاش میں بھی ایسا کر سکتی) اگر سر کلاس میں نہ ہوتے تو وہ اور لڑکوں کے ساتھ کوریڈور میں کھڑا ہو جاتا۔ اور اگر میں رفعت اور روبینہ کے ساتھ کوریڈور میں جاتی تو وہ کلاس میں چلا جاتا۔ یہ بات میں نے کئی بار نوٹس کیا تھا۔ کہ اگر میں کلاس میں جاتی تو وہ اچھا خاصا بیٹھا ہوتا اور اُٹھ کر باہر چلا جاتا۔ شاید وہ اپنے قریب بھی میرا وجود برداشت نہ کر سکتا تھا۔ یہ اور بات کہ جب کوئی پروفیسر کلاس لے رہا ہوتا تو وہ مجبوراً مجھے برداشت کیے کلاس میں بیٹھا رہتا اور گاہے بگاہے مجھے تیغ صفت نظروں سے ضرور گھورتا۔

''آخر میں نے اس شخص کا کیا بگاڑا ہے؟''

میں نے بارہا سوچا مگر مجھے اس سوال کا جواب نہ ملا...... حالانکہ کئی بار جی چاہا کہ خرم کو گریبان سے پکڑ کر جھنجھوڑتے ہوئے پوچھ ڈالوں۔ مگر یہ دل ہے نا بہت ہی نافرمان ہے۔ روتے ہوئے سسکتے ہوئے کہنے لگا۔

''کسی طرح سہی وہ دیکھتا تو ہے؟''

''ہاں...... وہ دیکھتا تو ہے...... اور شاید میں دل سے چاہتی تھی کہ وہ مجھے دیکھے اسی طرح ڈوبتے ابھرتے۔''

وہ نفرت کا کھیل کھیلتا رہا اور میرے دل میں اُس کی محبت کی فصل بڑھتی گئی۔ پورا سال بیت گیا ہمارے سمسٹر ہو گئے تھے اور اب ہم فائنل کے اسٹوڈنٹس تھے۔

اب خرم کی کج ادائیوں پر دل روتا نہ تھا۔ بلکہ میں اس کی عادی ہو گئی تھی۔ اشرف بھائی کا فائنل کلیئر ہو گیا تھا اور انہیں دواؤں کی ایک فرم میں اچھی بات بھی مل گئی تھی۔

چچا جان چاہتے تھے کہ اب اُن کی شادی کر دی جائے۔ جبکہ میرے ابا چاہتے تھے کہ فائزہ آپا کی تعلیم مکمل ہو جائے کہ فائزہ آپا کا فورتھ ایئر تھا مگر...... چچا جان نے کسی نہ کسی طرح ابا کو منا ہی لیا۔

''شادی کے بعد فائزہ پڑھتی رہے گی۔'' یہ جمیلہ چچی کا فیصلہ تھا۔ جلد ہی شادی کی تیاری مکمل ہو گئیں۔ جہیز کی تو کوئی شرط ہی نہ تھی کہ گھر ہی کی بات تھی۔ دو ورنز دیک کے سارے ہی مہمانوں سے گھر پٹا پڑا تھا۔

ایسے میں پتہ نہیں صادق ماموں کے بیٹے عمیر صادق کو مجھ میں کیا نظر آیا کہ وہ میری تمنا کر بیٹھا۔ عمیر صادق ایئر فورس میں فلائٹ لیفٹیننٹ تھا۔ اِن دنوں اُس کی پوسٹنگ سرگودھا میں تھی اور اشرف بھائی سے دوستی کی وجہ سے وہ خصوصی طور پر اُن کی شادی میں آیا تھا۔ صادق ماموں کی فیملی بھی لاہور میں سیٹل تھی۔ ماموں نے امی سے بات کی تو انہوں نے ہامی بھر لی۔ بھلا عمیر میں کوئی برائی ہوتی تو انکار بھی کیا جاتا۔ مگر میں نے امی سے صاف کہہ دیا کہ ابھی میرا شادی کا کوئی موڈ نہیں...... ایم اے کے بعد ہی دیکھا جائے گا۔''

''آخر عمیر سے منگنی میں حرج کیا ہے؟'' امی نے حیرت سے مجھے دیکھا۔

''حرج کوئی نہیں ہے مگر ابھی میں کوئی بات' کوئی رشتہ ذہن پر مسلط کیے بغیر یکسوئی سے پڑھنا چاہتی ہوں۔'' میں یہ نہ کہہ سکی کہ امید کی ایک کرن اپنے پاس رکھنا چاہتی ہوں۔

''تمہیں پڑھنے سے کون روکتا ہے؟'' امی نے کہنا چاہا۔

''ٹھیک ہے کردیں منگنی کی رسم مگر میں یونیورسٹی نہیں جاؤں گی۔'' میں نے دھمکی کے انداز میں کہا اور اپنے کمرے میں چلی آئی۔ پھر ظاہر ہے کہ امی کسی صورت بھی میری مرضی کے بغیر کچھ نہ کرسکتی تھیں۔ نہ وہ مجھے پڑھنے سے منع کرسکتی تھیں۔ پتا نہیں کس طرح انہوں نے صادق ماموں کو سمجھایا۔ کیا کہا کہ وہ بنا منگنی کی رسم کیے ہی لاہور لوٹ گئے۔ عمیر بھی واپس سرگودھا چلا گیا۔ میری پھر وہی یونیورسٹی کی مصروفیات ہوگئیں۔

رفعت اور روبی کے اصرار پر میں فائزہ آپا کی شادی کی تصویروں کا البم لے کر آئی تو تقریباً پوری کلاس نے ہی وہ البم دیکھا۔

تب پہلی بار خرم کے دوست زمان خان نے مجھ سے پوچھا۔

''یہ کس کی شادی کی تصویریں ہیں؟''

''میری آپا کی پچھلے ماہ شادی ہوئی ہے۔''

''دکھائیں گی ہمیں بھی......'' زمان نے کہا تو میں نے عشرت سے البم لے کر اُسے دے دیا اور خود کلاس سے باہر آگئی۔ مجھے معلوم تھا کہ خرم بھی تصویریں دیکھے گا۔ اب پتا نہیں کیا بات تھی کہ میں بہت بہادر ہوگئی تھی۔

اس کی آنکھوں میں سُلگتی چنگاریاں میرے وجود کو بھسم نہ کرتیں البتہ کبھی کبھی جب میں عمیر صادق کے بارے میں سوچتی کہ وہی میرے والدین کا انتخاب تھا تو دل کی تہوں سے اٹھنے والی سسکیاں مجھے صاف سنائی دیتیں۔

زمان خان نے مجھے البم تھماتے ہوئے کہا تھا۔

''آپ کے بہنوئی کو میں نے کہیں دیکھا ہے۔''

''ہاں وہ یہیں فارمیسی ڈیپارٹمنٹ میں پڑھتے تھے اور اکثر میرے ڈیپارٹمنٹ میں بھی آتے رہتے تھے۔ میرے فرسٹ کزن ہیں۔'' میں نے زمان کو تفصیل بتائی۔

دوسرے روز پھر ایک ناقابل یقین بات ہوگئی۔ آج پھر خرم کی نظروں میں میرے لیے مہکتے جذبے تھے۔

جگنوؤں کی سی چمک تھی۔

مجھے خود پر اعتبار ہی نہ آیا۔ پھر پروفیسر اشفاق کے پیریڈ کے دوران میں گاہے گاہے اُس کی طرف دیکھتی تو وہ مجھے ہی دیکھ رہا ہوتا۔ میں حیرتوں کے سمندر میں غوطہ زن تھی۔

''یا خدا جب مجھے اس شخص کی خواہش تھی تو یہ اُکھڑا اُکھڑا سا رہا اور اب یہ پھر پلٹ رہا ہے۔''

دل کی فصل میں ایک بار آگ لگ چکی تھی۔ دوبارہ بھلا وہ کس طرح سرسبز ہوتی۔ مجھ پر بھی اب خرم کی نظروں کا وہ پہلا سا اثر نہ ہوتا کہ میں بے خود ہوکر رہ جاتی۔

خود کو بہت مشکل سے میں نے اس کی نظروں کے حصار سے نکالا تھا۔ اب بھلا میں کیسے دوبارہ اس طلسم میں جکڑی جاتی۔

اب تو میں نے خرم کی طرف دیکھنا بھی چھوڑ دیا تھا مگر اُس کی نظریں شیتل چاندنی کی طرح میرے وجود پر پڑتی رہتیں اور میں نظر انداز کردیتی۔

میرے دل میں یہ خواہش پارے کی طرح

مچلتی کہ خرم کے قدموں کے ساتھ قدم ملا کر چلوں مگر میں نے خود پر کڑے پہرے بٹھا لیے تھے کہ اب دل کی موت میرے بس میں نہ تھی۔

اس رز میں کولر کے پاس کھڑی پانی پی رہی تھی کہ زمان خان آتا نظر آیا۔ آج خلافِ توقع خرم اس کے ساتھ نہ تھا۔ میرا دل ایک لمحے کے لیے تیزی سے دھڑکا، مگر میں نے اُسے تھام لیا۔

''ہیلو مس انوشہ'' زمان خان میرے قریب آ گیا تھا۔

''ہیلو......'' میں نے لبوں پر مسکراہٹ لاتے ہوئے کہا۔

''کیسی ہیں آپ؟'' اُس نے پوچھا۔

''آپ کو کیسی نظر آ رہی ہوں؟'' میں نے شوخی سے کہا۔

''ٹھیک ٹھاک......مگر......'' اُس نے جملہ نامکمل چھوڑ کر مجھے دیکھا۔

''مگر کیا......؟ زمان صاحب جملے کا حسن اَدھورے پن میں نہیں بلکہ مکمل جملے میں ہے۔ اَدھوری چیزیں مجھے اچھی نہیں لگتیں۔'' میں نے کہا۔

''آپ کو پتا ہے مس انوشہ کہ میرا دوست خرم ہاسپٹل میں ایڈمٹ ہے۔''

''اوہ......!'' دل کی تہوں میں پھر ہلچل مچنی شروع ہوگئی (کم بخت دل سے نکل بھی نہیں جاتا) میں نے خود جھڑکا۔

''مس انوشہ! اگر میرے دوست کو کچھ ہوگیا تو میں آپ کو کبھی معاف نہیں کروں گا۔''

''کیا مطلب ہے آپ کا؟'' میں گرتے گرتے بچی۔

''ہاں...... ہاں مس انوشہ اگر اُسے کچھ ہوگیا تو میں آپ کو بھی زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ پٹھان بچہ ہوں۔ جو کہتا ہوں کر دکھاتا ہوں۔ ڈیڑھ برس سے تم نے اُسے دیوانہ بنا رکھا ہے اور اب۔''

''پلیز مسٹر زمان۔'' میں نے اس کی بات کاٹ دی۔

''غلط بات مت کریں۔ آپ نے کبھی مجھے اُس سے ہمکلام ہوتے ہوئے بھی دیکھا ہے۔ فضول میں الزام مت لگائیں۔'' میرا لہجہ تند تھا۔

''ضروری نہیں کہ ہر بات زبان کہہ دے۔ کچھ باتیں محسوس کرنے کی بھی ہوتی ہیں۔ اور مس انوشہ! مجھے یقین ہے کہ اس کے جذبوں نے آپ کے دل پر کمند ضرور ڈالی ہوگی۔ آپ بے حس ہیں۔''

زمان خان مجھے گھورتا ہوا آگے بڑھ گیا اور مجھے لگا کہ اندر کوئی دیوار ڈھے گئی ہو۔ یہ وہ دیوار تھی جو میں نے خود پر کڑا پہرہ لگانے کے لیے بنائی تھی۔

اب مجھے وہ خرم صاف نظر آ رہا تھا جو میری محبت تھا۔ جسے میں بھول نہ پا رہی تھی۔ کلاس کے بعد زمان خان میرے قریب آ کر ایک لمحے کو رُکا اور بولا۔

''خرم...... ہاسپٹل میں داخل ہے اس کا تین روز قبل نروس بریک ڈاؤن ہوگیا تھا۔'' زمان نے اطلاع دینے کے انداز میں کہا اور سیڑھیاں اتر گیا۔ جیسے کہ یہی اطلاع دینا اس کا فرض تھا۔

میرے اندر بے نام سی جنگ شروع ہوگئی ایسی جنگ جس میں ہمیشہ میری ہی ہار ہوتی تھی۔

خرم کو دیکھنے کے لیے میں بے چین تھی اور جب دوسرے دن شام کو امی سے یہ بہانہ کر کے کہ میں رفعت کے ہاں جا رہی ہوں، جانے لگی تو میں نے تہیہ کر لیا تھا کہ اگر خرم نے اب میرا ہاتھ تھامنا چاہا تو انکار نہ کروں گی۔ بہت دے لی تھی اس نے خود کو اور مجھے سزا......

مجھے حیرت ہے کہ میں اتنی بہادر کہاں سے اور کیسے ہوگئی تھی کہ تنہا اُسے دیکھنے ہاسپٹل پہنچ

گئی۔

''مجھے تو یہ بھی ڈر نہ تھا کہ اگر اس کے والدین اور بھائی بہن ہوئے اور پوچھا کہ میں کس ناتے اس کی عیادت کو آئی ہوں تو کیا جواب دوں گی۔''

یہ تک نہ سوچا تھا۔ بس خرم کو دیکھنا چاہتی تھی۔ جس نے خود اظہار نہ کیا تھا بلکہ دوست کے ذریعے انکشاف کروایا تھا اور کیا خبر کہ زمان خان کو اس نے کہا بھی ہو۔ اس نے خود بخود کہہ دیا ہو۔

جب میں پرائیویٹ وارڈ میں پہنچی تو کوریڈور ہی میں مجھے زمان خان مل گیا۔

''موسٹ ویلکم مس انوشہ فاروق۔'' زمان خان کا چہرہ مارے خوشی کے سرخ تر ہو گیا۔ میں نہایت مضبوط قدموں سے اس کے ساتھ خرم کے کمرے میں آ گئی۔ جہاں وہ بیڈ پر لیٹا تھا۔ سینے تک کمبل اوڑھے، اس کے کافی کلر کے بال پیشانی پر بکھرے ہوئے تھے۔ شیو بڑھا ہوا تھا اور آنکھیں بند کیے وہ نہ جانے کون سے سپنے دیکھ رہا تھا۔

''خرم! دیکھو تو کون آیا ہے؟'' زمان خوشی سے کانپتی آواز میں کہہ رہا تھا۔ خرم نے ہولے سے آنکھیں کھول دیں اور یہی وہ لمحہ تھا جب مجھے لگا میرے مضبوط قدم زمین سے اُکھڑ رہے ہوں۔ مجھے دیکھ کر خرم کی آنکھوں میں حیرت ابھری پھر وہ خوشی سے جگمگا اٹھیں۔ زمان کمرے سے نکل گیا اور خرم نے اپنے لہجے میں دنیا جہاں کی مٹھاس سمیٹ کر کہا۔

''انوشہ.....'' اس کے لبوں سے نکلنے والا اپنا نام مجھے بہت اچھا لگا میرا جی چاہا وہ کہتا رہے اور میں مدہوش ہوتی رہوں، وہ مجھے پکارتا رہے۔

''یہاں آؤ نا۔'' خرم نے مجھے قریب بلایا تو میں اس کے بیڈ کے پاس رکھی کرسی پر ٹک گئی۔

''انوشہ! جی چاہتا ہے کہ تمہارا سواگت کروں، پھولوں کی تم پر بارش کروں۔ تمہارے قدموں تلے ہتھیلیاں رکھ دوں۔'' میں چپ چاپ سنتی رہی وہ کہتا رہا۔

''میں نے تمہیں اتنا چاہا کہ کسی نے بھی کسی کو نہ چاہا ہوگا۔ لمحے لمحے تمہاری پرستش کی ہے انوشہ..... پہلے ہی روز تمہیں دیکھ کر یوں لگا تھا جیسے تم ہی میری تلاش ہو۔ تمہیں دیکھتا تو دل میں بے نام سا گداز پیدا ہونے لگتا اور......''

''لیکن خرم! تم ایک دم ہی پیچھے کیوں ہٹ گئے تھے۔ آگے آتے آتے۔'' میں نے دل میں مچلتا سوال کر دیا۔

''سچ بتا دوں۔'' وہ آنکھوں میں پیار سمو کر بولا۔

''جھوٹ سے مجھے نفرت ہے۔'' میں نے کہا تو وہ طویل سانس لے کر میرا ہاتھ تھام کر کہنے لگا۔

''تمہیں یاد ہوگا کہ ایک روز تمہارے اشرف بھائی تم سے ملنے آئے تم ان سے نہایت بے تکلفی سے بات کر رہی تھی۔ وہ تمہیں چندا کہہ رہے تھے۔ تب انوشہ مجھے لگا کہ میرے خوابوں کا تاج محل ایک دم ہی گر گیا ہو اور ملبے تلے میری روح سسک رہی ہو۔ بس اس روز سے مجھے تم پر خواہ مخواہ ہی غصہ آنے لگا کہ تم تو میری تھیں۔ میرے خیالوں میں دل میں اور تمہارے دل میں کوئی اور..... مجھے پتا نہیں تھا کہ وہ تمہارے بہنوئی ہیں پھر 'گلبدن اسٹور' میں بھی تم لوگ اکٹھے نظر آئے کئی بار میں نے تمہیں اُن کے ساتھ بازار میں دیکھا۔ اصل میں ہم لوگ خاصے روایت پرست دوسرے لفظوں میں دقیانوسی کہہ لو ہیں ہمارے ہاں بہنیں یا کزنز لڑکوں کے ساتھ فری نہیں ہوتیں۔ چاہے کتنی بھی قریبی رشتے داری ہو اور اگر کوئی بے تکلف ہو جائے تو ہم چھوٹے علاقے کے رہنے والوں کے چھوٹے ذہن میں ایک ہی

بات آتی ہے کہ ان کا آپس میں کوئی 'چکر' ہوگا۔ بس یہ بات تھی۔'' مجھے لگا جیسے کوئی شے دھڑام سے گری ہو۔

خرم نے تفصیل بتا کر میری طرف دیکھا۔ میں نے ایکدم ہاتھ چھڑا لیا۔

''پھر یقین کب آیا کہ میرا اشرف بھائی سے کوئی ایسا ویسا تعلق نہیں؟'' میں نے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔

''جس روز تم نے کلاس میں البم لا کر دکھایا تھا۔ سچ انوشہ اِس روز لگا جیسے میں ڈیڑھ برس بعد تپتی بھٹی سے نکلا ہوں۔ میں پھر تمہاری طرف بڑھا مگر تم نے مجھے ایسا نظر انداز کیا کہ میں ہاسپٹل میں آ پڑا ہوں۔ پلیز انوشہ! اب نہ چھوڑنا۔'' وہ ملتجی لہجے میں بولا تو میں ایک دم ہی کرسی سے اُٹھ کھڑی ہوئی۔

''خرم صاحب! آپ نے کہا کہ آپ نے مجھے اتنا چاہا کہ کسی نے اتنا نہ چاہا ہوگا۔ تو سچ یہ ہے کہ میں نے بھی آپ کو بہت چاہا اتنا کہ اس کائنات میں کوئی کسی کو اتنا نہیں چاہ سکتا۔ مگر جس طرح آپ نے میرے بارے میں بے بنیاد مفروضے قائم کر کے قطع تعلق کیا تھا مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کی بات نہیں مان سکتی۔''

''انوشہ!'' وہ حیرت سے بولا۔

''محبت کرنے والے بہت اعلیٰ ظرف ہوتے ہیں۔ محبت کرنے والے کسی کو دکھ نہیں دیتے وار میں بھی عمیر صادق کو دکھ نہیں دینا چاہتی۔ لیکن یہ بتا دوں کہ مجھے آپ سے شدید نفرت ہے آئی ہیٹ یو آئی ہیٹ یو...... اتنے چھوٹے سے ظرف والے شخص کے لیے میں نے اپنے جذبوں کو خوار کیا۔ نہیں خرم صاحب' مجھے شرم آ رہی ہے اپنی محبت پر۔'' میں نے تیغ صفت لہجے میں کہا۔

ایڑی پر گھومی اور دروازے کے قریب جا کر ایک بار پھر میں نے بستر پر بیٹھے گم صم سے اس شخص کو دیکھا جو میرے دل کی پرتوں میں ہلچل مچاتا تھا۔ آج اُس کے دل میں ہلچل مچی ہوئی تھی۔

باہر نکلتے ہوئے میں زمان خان سے ٹکرا گئی جو کولڈ ڈرنک لیے آ رہا تھا۔

''بیٹھیں نا انوشہ۔'' مگر میں اُسے کہے بنا سیڑھیاں طے کر گئی۔ مجھے رہ رہ کر دکھ ہو رہا تھا کہ میں نے کیوں ایسے شخص کو پورے ڈیڑھ سال تک دل کا مکین رکھا جو انتہائی شکی آدمی تھا۔

محبت کی عمارت میں اگر شک کی اینٹ چُن دی جائے تو عمارت ڈھے جاتی ہے اور اپنی ازدواجی زندگی کی عمارت میں کوئی ایسی اینٹ نہیں رکھنا چاہتی تھی۔ شکی آدمی کا کیا اعتبار' آج ایک شک کیا وہ صاف ہونے پر کل دوسرے شک کو بنیاد بنا کر دکھ دے دے۔ میں تاعمر دکھوں میں نہیں رہ سکتی۔ ایسی محبت کا نہ ملنا ہی بہتر ہے۔

اس سے بہتر ہے کہ راستہ بدل لو اور میں نے بھی یہی کیا ہے ہاسپٹل سے آنے کے بعد میں نے امی سے کہہ دیا کہ صادق ماموں کو فون کر کے کہہ دیں کہ وہ آ کر منگنی کر جائیں۔ یہ نہ ہو کہ میرا دل کہیں اور پھسل جائے۔

امی ہنس دیں۔ انہیں پتا ہے کہ میری مذاق کی عادت ہے۔ مگر مجھے پتا ہے کہ میں نے غلط نہیں کہا۔ ایسا نہ ہو کہ خرم منت سماجت کرے اور میرا دل اُس کی طرف فیصلہ کرے۔ اس سے پہلے ہی میں نے عمیر صادق کے نام کی انگوٹھی پہننے کا فیصلہ کر لیا ہے۔

''ٹھیک ہے نا میرا فیصلہ؟''

☆☆......☆☆

ناولٹ

عالیہ حرا

خار کو گلاب کرو

''آپ کی غفلت' گھر کے ماحول نے اُسے ڈپریس کیا ہوا ہے۔'' ''وہ دو دفعہ خودکشی کی کوشش کر چکا ہے۔ ایک دفعہ بالکونی سے چھلانگ لگانے لگا تھا۔'' ''کیا......'' اُس کی آنکھیں دہشت سے پھیل گئیں۔ ''یہ ٹین ایج بڑھتی عمر کے بچے ہوتے ہیں نا یہ بہت......

''وہ لڑکا مجھے بہت اچھا لگتا تھا۔''

''اور میں اُسے جانے کب سے دیکھتا آ رہا تھا۔ اُسے شاید میری توجہ' میرے ارتکاز کا پتہ ہی نہیں تھا اپنے آپ میں گم رہتا تھا وہ......''

اُس پلازہ کی تیسری منزل کی بالکونی میں آ کر کھڑا ہو جاتا تھا۔ دونوں ہاتھ گرل پر ٹکائے اُس پر چہرہ رکھے اِدھر اُدھر نیچے روڈ پر چلتی گاڑیوں کو دیکھتا رہتا۔ فٹ پاتھ پر چلتے ہوئے لوگوں کا جائزہ لیتا گزرتے ٹھیلے پر نگاہ جما لیتا اور میں اُسے نظر کے حصار میں لیے رہتا۔

میں یعنی عبداللہ حمید...... سڑک کے اس پار فٹ پاتھ کے کنارے بنے بس اسٹاپ کی سنگی بینچ پر بیٹھا اُسے دیکھے جاتا۔ ہم ریٹائرڈ لوگوں کی شاید یہ ہی زندگی رہ جاتی ہے۔ جائزہ' جاننا' پرکھنا۔

اِس لڑکے میں جانے کیوں مجھے کشش سی محسوس ہو رہی تھی۔ اکیلا' اُداس اور تنہا......

اور میں بوڑھا ریٹائرڈ اُس سے دوستی کرنا چاہتا تھا۔ مگر وہ بہت بلندی پر کھڑا تھا اور میں نیچے زمین پر سر اٹھائے اُسے دیکھتا تھا' دوستی کیونکر ہوتی۔

اُس نے مجھے نہیں دیکھا تھا اور میں نے اُسے نیچے اپنے سامنے نہیں دیکھا تھا۔

ہوسکتا تھا کہ وہ اپنی بالکونی میں کھڑا مجھے دیکھتا ہو جانچتا ہو بس اسٹاپ کے لیمپ پوسٹ کے نیچے رکھی بینچ پر بیٹھا یہ بوڑھا' جھکی ہے جو دو گھنٹے یہاں آ کر گزارتا ہے۔ یا میری طرح اکیلا ہے جو آتی جاتی گاڑیوں کو گنتا ہے چہروں کو پڑھتا ہے۔ یہاں کسی کی جستجو ہے مجھے آگہی تھی اُسے ادراک ہوتا تھا۔ مسئلہ ایک جیسا تھا مگر انداز جدا جدا تھے۔

شاید ہم روبرو ہوتے تو بہت گفتگو کرتے' یا...... اک دوسرے کے سامنے ہوتے تو نظر بچا کر گزر جاتے۔

سورج کی زرد کرنیں بالکونی سے اوپر بالکونی میں چلی گئی تھیں۔ اپنے بالوں میں ہاتھ پھیرتا وہ لڑکا اندر چلا گیا۔ اپنی اسٹک اُٹھا کر میں بھی کھڑا ہوا اور گھر کی جانب جانے والے راستے پر ہو لیا۔

گاڑیوں کا شور' میرے ساتھ ساتھ چلنے لگا اور میں

اسٹیڈیم کی دیوار کے ساتھ ساتھ چلتے سوچنے لگا۔ میں اس لڑکے کو مہران غزنوی سے ملواؤں گا۔ یہ کوئی کیس ہے جوان لڑکا اور یوں اُداس' چہ معنی دارد......

سائیکالوجسٹ مہران غزنوی میرا بہت اچھا دوست تھا اُسے ہر عمر کے لوگوں سے ملنے کا طریقہ بھی تھا اور سلیقہ بھی' مجھ ریٹائرڈ بندے کے ساتھ وہ اس مہربانی محبت سے ملتا تھا کہ میں تو اُس کا اسیر تھا۔

وگرنہ تو ریٹائرڈ لوگوں کو لوگ بالکل فالتو سمجھ لیتے ہیں ایسے جیسے کوئی عضو ناکارہ ہو۔

مگر میں ڈاکٹر مہران کا شکر گزار ہوں جس نے مجھے ایک بار پھر جینا سکھا دیا تھا۔

☆......☆......☆

آج میں اِدھر آ کر بیٹھا وہ لڑکا یونہی کھڑا نیچے نظریں گاڑھے کھڑا تھا سامنے والی روڈ کا ٹریفک

جام تھا۔ وہ بڑی توجہ سے اس بڑھتے اژدھام کو دیکھ رہا تھا۔ بلکہ سوچ رہا ہو کہ یہ ہیوی ٹینکر ہٹ جائے تو سڑک صاف ہو جائے اور میں سوچ رہا تھا۔ ٹریفک پولیس کہاں ہے اس وقت...... گاڑیوں کا شور...... کان پڑی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ میری نگاہ اِدھر اُدھر کا جائزہ لینے کے بعد اوپر اٹھی اور اٹھی رہ گئی۔ اُس کے برابر میں اک ادھیڑ عمر شخص آ کر کھڑا ہوا تھا۔ اُسے کچھ کہہ رہا تھا وہ خاموش کھڑا تھا۔ بند مٹھی کی انگلی اٹھائے وہ وارن کرنے کے انداز میں کہہ رہا تھا۔ لڑکے نے سر جھکا لیا' مرد شاید چیخ رہا تھا' پھر اندر چلا گیا۔

لڑکا بے چینی سے اپنے بالوں میں ہاتھ پھیرنے لگا سڑک کا ٹریفک کھلنے لگا تھا عصر کا سورج روشن تھا۔

اُسے یوں اُداس' قدرے پریشان دیکھ کر میرے اندر بے کلی سی بڑھنے لگی۔

''یہ مسئلہ محبت کا نہیں...... مسئلہ کوئی اور تھا۔''

نہ معلوم وہ باپ تھا یا کوئی اور...... لڑکا دھیرے دھیرے گرل سے سر ٹکرا رہا تھا۔ بے قراری سے' یا ذہنی تکلیف سے' مجھے بھی قلبی سا دکھ محسوس ہوا۔

میں اوپر جاؤں تو اُس کا فلیٹ کیسے تلاش کروں گا۔ بے نام کے ساتھ کسی کا گھر ڈھونڈنا...... سورج کو چراغ دکھانا...... نہیں! میں مسکرا دیا۔ اندھیرے میں تیر چلانا تھا۔

اور مجھے کل سے یہ تیز اندازی کرنا تھا۔ اس لڑکے کا گھر تلاش کرنا تھا روڈ کے پار' تیسری منزل پر......

ہم فارغ لوگ تو ہیں بقول بیگم کے...... میں مسکرا دیا۔

اک سلسلہ مصروفیت سہی......

لڑکا بے چینی سے بالکونی میں ٹہل رہا تھا۔ میری بے چینی بھی بڑھ رہی تھی۔

☆......☆......☆

میرے سیل پر رنگ ٹیون بجی۔ 'اللہ اکبر...... اللہ اکبر......' میں نے اسکرین آن کی اور مسکرا دیا۔ مہران کا فون تھا لیس کا بٹن دبا کر سیل کان سے لگا لیا۔ دل کو دل سے راہ ہوتی ہے آج کل میں اُسے یاد کر رہا تھا۔

''ہیلو......''

''اسلام علیکم......! انکل کیسے ہیں آپ کہاں ہوتے ہیں......'' اُس کی آواز بہت پُر جوش تھی۔ اس گرمجوشی کے ہم بوڑھے لوگ متلاشی ہوتے ہیں۔

''وعلیکم السلام...... بالکل ٹھیک' اور تمہارے شہر میں ہی ہوتے ہیں۔''

''ارے...... اتنے مصروف کے ہم سے ہی بے خبری......''

''نہیں یار...... تمہیں ہر وقت ڈسٹرب نہیں کرنا چاہتا۔''

''ارے...... پھر وہی غیروں والا انداز!'' آواز سے خفگی کا تاثر ابھرا۔

''نہیں...... یار...... بڑی اچھی مصروفیت جو تم نے سونپی ہے۔ بس وہی کر رہا ہوں۔''

''پھر...... ملا کوئی کیس......؟''

''ہاں!''

''پھر کب ملوا رہے ہیں؟''

''جلد ہی مگر...... پیپر ورک کے ساتھ......''

''ہا...... ہا...... ہا اُس کا قہقہہ بڑا جاندار تھا۔

''اس کے پیسے الگ سے ملیں گے۔''

''ہا...... ہا...... ہا۔'' میں زور سے ہنسا۔

''منہ مانگی رقم!''

''ہاہا...... ہاں بالکل!''

میں نے ہنسی پر کنٹرول کیا۔ اُس نے مجھے جینا سکھا دیا تھا۔

''بچے ٹھیک ہیں۔''

''جی...... بچوں کی ماں بگڑی ہوئی ہے۔''

''کیوں بھئی' بہو کو کیوں ناراض کرتے ہو۔''

''اُس کی دوست اپنے میاں سے لڑی تھی میں نے اُسے کہا۔ پرابلم ہے تو مجھ سے ملوا دو...... اُس نے سنا نہیں۔

زری کا فون غلطی سے میں نے اٹینڈ کرلیا اور اپنی آفر دی۔ وہ بیگم سے لڑی کہ تمہارا نفسیاتی ڈاکٹر مجھے نفسیاتی مریض سمجھتا ہے۔

''ہا...... ہا......ہا'' میری ہنسی زوردار تھی۔

''اب انکل خود بتائیں افہام و تفہیم کی راہ اپنانی چاہیے نا...... اگر دونوں نے اپنا گھر بسانا' بچانا ہے۔ وگرنہ اَنا' تنگ مزاجی اور اکڑ...... تو گھر تباہ کرتے ہیں۔''

''بالکل......!'' میں متفق تھا۔

جو جھکنے میں مزا ہے وہ اکڑنے میں کہاں' اکڑی ہوئی چیزیں تو تڑخ کر کے ٹوٹ جاتی ہے۔

''بس وہ اسی بات پر خفا ہے کہ میری دوست نفسیاتی تھوڑی ہے۔''

اور میں اُسے سمجھا رہا ہوں تمہارا شوہر بھی نفسیاتی ڈاکٹر نہیں...... سائیکالوجسٹ ہے۔''

''ہا...... ہا...... ہا۔''

''زیادہ خفا مت ہونے دینا میری بہو کو......''

''نہیں انکل میں اُسے کہنے جا رہا ہوں شاپنگ پر چلتی ہو۔''

''پھر......''

''تیار بھی نہیں ہو گی اور چل پڑے گی۔''

''تو کیا آپ کا خیال ہے ایسے ہی چھوڑ دوں گی جیولر کی دکان پر لیکر جاؤں گی' پھر چھوڑوں گی ناراضگی۔''

اُس کی بیوی نے آ کر شاید فون چھین لیا تھا۔

''ارے پھر کس کافر کا دل چاہے گا تمہیں چھوڑنے کو......'' مہران کی آواز ابھری۔

میں نے مسکراتے ہوئے سیل آف کر دیا۔

بہت اچھا نیک' نائس آدمی تھا۔ دلوں کو اس طرح کھینچ لیتا تھا کہ گویا جیسے بس اسی کام کے لیے ہو۔ محبت اُس کے لفظ لفظ سے پھوٹتی تھی۔

''یہ کس بات پر اتنا مسکرایا جا رہا ہے۔'' ذکیہ سامنے بیٹھی مجھے غور سے دیکھ رہی تھی۔

''وہ بھی فون پر......'' مشکوک انداز......

''تم نے سامنے بیٹھ کر مسکرانا جو چھوڑ دیا ہے۔''

''لاحول ولاقوۃ...... آپ کی باتیں......''

''تمہارے لہجے' انداز سے تو میرے لیے محبت ہی ختم ہو گئی ہے۔'' میں نے بھنڈی کترتی ذکیہ کو دیکھا۔

''تو آپ باہر جھنڈے گاڑھنے لگے ہیں۔''

''تمہاری نظر میں، میں فالتو جو ہوں۔'' شکوہ کیا۔

''اب اتنے بھی فالتو نہیں ہیں کہ باہر کے ہو جائیں۔''

''ظاہر ہے جب بندے کو ٹائم' توجہ' محبت نہیں ملے گی وہ کہیں نہ کہیں تو جائے گا نا...... میں اپنی پچیس سالہ جاب سے کیا ریٹائرڈ ہوا ہوں۔ تم نے تو اپنی زندگی سے ہی مجھے فارغ کر دیا ہے۔''

جانے کیوں مجھے غصہ آ گیا...... میں کھڑا ہو گیا۔

تبھی فرح میری بہو آ گئی۔

''ابو باہر جا رہے ہیں تو پلیز یہ میڈیسن لا دیں۔'' پرچی میری طرف بڑھا دی۔

''ریحان کہاں ہے؟''

''آفس۔''

''اچھا......!'' میں نے پرچی تھام لی۔

''ذرا دیر ہو جائے گی۔''

''جی...... ابھی آیان بھی سو رہا ہے۔'' میں باہر نکل آیا۔

''امی' ابو ناراض کیوں ہو رہے تھے۔'' باہر نکلتے قدم رُک گئے۔

''جانے کیوں بولائے بولائے پھرتے ہیں۔ ریٹائرڈ ہونے کے بعد نفسیاتی ہوتے جا رہے ہیں۔'' غصے کی لہر میرے اندر دوڑ گئی۔

''میری ہم نصف' میری ہم سفر جس کے ساتھ آدھی عمر گزر گئی وہ یہ کہہ رہی تھی۔

''اُف! بہو کے سامنے......'' میں باہر نکل گیا۔

گھر سے توجہ' پیار نہ ملے تو ہم ریٹارڈ لوگ باہر توجہ اور محبت تلاش کرتے ہیں۔

اور اس عمر میں بے راہ روی کے طعنے سہتے ہیں قصوروار کون ہوتا ہے؟

مجھے ریٹائرڈ ہوئے تین سال ہو رہے تھے اور ذکیہ کی گھریلو مصروفیات بڑھ رہی تھی اور میرا اکیلا پن......

پہلے آفس سے نے کے بعد وہ میرا خیال رکھتی تھی۔ مگر اب...... گھر میں ہوں تو غافل ہوگئی ہے۔ گویا جیسے میں عضو معطل ہوں۔ کھانا تو بھوک لگنے پر ہر کوئی کھا ہی لیتا ہے۔

مگر مجھے توجہ کی ضرورت تھی۔ جب ذکیہ کو اس چیز کی ضرورت تھی تو میری جاب کی مصروفیات تھیں۔ اب مجھے اس کی ضرورت تھی تو ذکیہ کی گھریلو مصروفیات......

وہ مجھ سے بدلہ لے رہی تھی۔ پہلوتھی برتتی تھی۔

ہا...... ہا...... پھر گھر میں بہو کی موجودگی......''

میں اُسے سمجھ نہیں پا رہا تھا۔

رات کو بھی عشاء پڑھتے ہی بستر پر ہوتی تھی۔

میں مطالعہ کی کتاب کا آخری صفحہ پڑھ کر بستر پر جاتا تھا۔ میں گھر سے باہر آ گیا۔

اُس کیس کو حل کرلوں...... پھر...... ذکیہ کا بھی علاج کرواتا ہوں اُس سے......''

میں اپنی سوچ پر مسکرا دیا۔

☆......☆......☆

میڈیکل اسٹور سے میڈیسن لے کر باہر نکلا اور رائٹ ہینڈ پر چلتے ہوئے میری نگاہ جوجی پان ہاؤس پر پڑی۔ میں ایک دم سے چونکا۔

''وہ...... وہی تھا...... تیسری منزل والا...... لڑکا...... دکان کی اوٹ میں قدرے چھپ کے کھڑا وہ سگریٹ پی رہا تھا۔ میں دم بخود...... گھنیرے بالوں والا گورا سا وہ لڑکا بہت پُرکشش اور معصوم تھا میری پہچان غلط تھی۔ میں اُس کی جانب چل پڑا۔ اور وہ آگے کو اُس کی سگریٹ ختم ہو چکی تھی۔

''اے......!'' اُس نے سنا نہیں تھا۔

''اے بچے......!'' میری آواز بلند ہوئی۔

مگر وہ اپنی سوچوں میں تھا...... دھیرے دھیرے چلتا پتھروں کو ٹھوکر مارتا وہ گم تھا۔

میں اُس کے پیچھے پیچھے...... وہ مین روڈ تک پہنچ گیا اور سڑک پار کرنے کے بجائے وہ لیفٹ ہینڈ چلا اور کچھ فاصلہ طے کر کے اوور ہیڈ برج کی سیڑھیاں چڑھنے لگا۔

''اے بچے!'' میں نے پھر پکارا۔

اُس نے مڑ کر دیکھا میں نے مسکرا کر ہاتھ بڑھایا۔

''مجھے اُس پار جانا ہے۔'' اُس نے میرا ہاتھ تھام لیا۔ گرم' نم اور نرم...... انگلیاں......

''کیا نام ہے تمہارا؟''

''انس......''

''سامنے فلیٹوں میں رہتے ہو نا۔''

''جی!''

''میں نے بھی اُن فلیٹوں میں اپنے دوست کے پاس جانا ہے۔''

''اچھا......! کس فلور پر۔'' میری جانب مڑ کر دیکھا۔ میں لمحہ بھر کو گڑ بڑا گیا۔

''فورتھ......''

اُس نے میری جانب دیکھا۔ میں نے اُس کا ہاتھ پکڑا ہوا تھا۔ خاصا فاصلہ طے کر کے ہم سیڑھیاں اترنے لگے۔

فورتھ پر دو گھر بند ہیں ایک میں ایک آنٹی رہتی ہیں دوسرے میں انکل...... کیا نام ہے آپ کے دوست کا؟''

''علی رضا......'' بے اختیار میرے منہ سے نکلا۔

''میں آپ کو چھوڑ دوں گا۔'' میرے برابر چلتا میرا ہمسفر لگا۔

''پڑھتے ہو؟''

''جی! فرسٹ ایئر میں۔''

''اتنے سے ہو یہ کیا حرکت کر رہے تھے؟'' وہ چونکا۔

''جی!''

''اسموکنگ......!''

''اہو......'' میرے ہاتھ میں اُس کا ہاتھ لرزا۔ میں نے مضبوطی سے پکڑ لیا۔

''اِس عمر میں یہ حرکتیں اچھی لگتی ہیں بچوں کو۔'' اُس نے میری جانب دیکھا۔

''بچے تو صرف کھیلتے' پڑھتے کھاتے اچھے لگتے ہیں اور تم تو اتنے اچھے ہو مجھے اچھا نہیں لگا۔''

اب ہم فلیٹ کے اندر آ کر کاریڈور سے گزرے اور لفٹ کے آگے کھڑے ہو گئے۔

''تم اس عمر میں لفٹ استعمال کرتے ہو؟'' وہ مجھے دیکھنے لگا۔

''استعمال کے لیے ہی ہے؟''

''ہاں...... مگر بچوں کے لیے نہیں بچے بھاگتے ہوئے چند سیکنڈ میں منزل طے کر لیں اِس سے اُن کا اسٹیمنا مضبوط ہوتا ہے۔ پٹھوں کی ایکسرسائز ہوتی ہے اور......'' وہ مسکرایا۔

''آپ کے لیے...... آپ کے ساتھ میں بھی منزل پر پہنچ جاؤں گا۔''

میں اُس کے شرارتی انداز پر ہنسا۔

''او کے......او کے......''

''آپ ایڈریس ٹھیک سے معلوم کر لیں؟''

''تم اکیلے رہتے ہو گھر میں۔''

''نہیں...... پاپا...... اُن کی وائف اور اُن کے بچے بھی ہیں۔'' میں نے چونک کر اُس کی سنجیدگی کو دیکھا۔

ہم لفٹ میں داخل ہو گئے۔ اُس نے فورتھ کا بٹن دبا دیا۔

''وہ تمہارے کچھ نہیں لگتے؟''

''جب کوئی ہمیں کچھ سمجھتا ہی نہیں ہے تو ہم کیسے کسی کے کچھ لگ سکتے ہیں۔'' بہت گہری بات تھی۔

''تمہارے پاپا تو تمہارے ہیں نا۔'' اُس کی گلابی سنجیدہ اور سیاہ آنکھوں میں محرومی کے دکھ کو ہلکورے لیتا دیکھا۔

''کچھ رشتے ہمارے ہو کر بھی ہمارے نہیں ہوتے۔'' لفٹ رُک گئی۔ ہم باہر آ گئے۔

''کون سا فلیٹ ہے؟''

میں نے چاروں جانب دیکھا۔ میرا کوئی دوست یہاں رہتا تو میں ناک کرتا۔

علی رضا کی نیم پلیٹ کہیں نہیں تھی۔

''میرا خیال ہے ہم غلط آ گئے ہیں۔ میں واپس چلتا ہوں اب میں اُسے کال کر کے آؤں گا۔''

''ابھی کر لیں۔''

''سوری ابھی سیل نہیں ہے میرے پاس۔''

ہم ایک فلور نیچے آ گئے۔

''یہ میرا فلیٹ ہے۔ پانی پلاؤں ایک گلاس......'' میں نے آصف شیرازی کے نام کی نیم پلیٹ پڑھی۔

''جی!'' وہ گیٹ کھول کر اندر چلا گیا۔

''آ گئے آوارہ گردی کر کے کام کے نہ کام کے دشمن اناج کے...... باپ کی کمائی پر عیش ہو رہے ہیں۔'' انس کی نفسیاتی گرہ کھل رہی تھی۔

وہ پانی لے کر آ گیا۔ اُس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ میں نے سیڑھیوں پر بیٹھ کر پانی پیا...... وہ چپ سا تھا۔

''آپ کہاں رہتے ہیں؟''

''میں سامنے بنے گھروں میں رہتا ہوں۔ اسٹیڈیم کے پیچھے اور شام کو بس اسٹینڈ تک آ کر بیٹھتا ہوں۔ پھر اسٹیڈیم میں واک کرتا ہوں۔

میں نے خالی گلاس اُس کی جانب بڑھایا۔

''تم بھی آنا...... کیا مصروفیات ہیں تمہاری؟''

''کوچنگ...... مگر آج کل آف ہے۔ کالج ابھی جانہیں رہا' بس ٹی وی یا فیس بک......''

''تم آنا...... میں ویٹ کروں گا۔'' میں کھڑا ہوا۔

''دیکھوں گا۔'' شانے اُچکا۔ ئ۔

''او کے......'' میں لفٹ کی جانب بڑھا اِس نے میری رہنمائی کی اور میں نیچے آ گیا۔

میرا اندر خوش تھا کہ میں اُس فرسٹریشن کا شکار بچے تک پہنچ گیا۔

سوتیلی ماں کے تناؤ نے اُس کا بچپن چھین لیا تھا۔ زبان کے گھاؤ اُس کی نوجوانی کو کھا رہے تھے۔ آئندہ آنے والے سالوں میں اُس نے معاشرے کا مظلوم' ظالم' جابر جانے کون سا کردار بننا تھا میں نے جھرجھری سی لی۔

بہت سوں کو تو نہیں مگر جو ہمارے سامنے ہیں انہیں تو ہم معاشرے کا فعال کردار بنا سکتے ہیں باہمت' مضبوط اور باکردار مجھے جیسے ریٹائرڈ آفیسر کا یہ ہی نصب العین تھا اور یہ راہ مجھے ماہر سائیکالوجسٹ مہران غزنوی نے دکھائی تھی۔

☆......☆......☆

''ڈھونڈیئے اور رہنمائی کیجیے...... ریٹائرڈ لوگوں کے پاس وقت ہی وقت ہوتا ہے سر...... اپنے وقت کو کارآمد بنائیں۔''

مجھے اُس کا پُرجوش انداز اچھا لگتا تھا۔

میں مسکراتے ہوئے آگے چلنے لگا۔

☆......☆......☆

اگلے دن وہ نہیں آیا میں ویٹ کرتا رہا۔

اُس سے اگلے دن بھی نہیں آیا میں واک کر کے آ گیا۔

آج مجھے فلو تھا اور میرا واک کا موڈ نہیں تھا میں جو۔جی پان شاپ تک آ گیا برابر کی شاپ سے آیان کے لیے چاکلیٹ لی...... ذکیہ کے لیے میٹھا پان لیا...... ایک دو چیزیں اور لیں واپس پلٹا اور چونک گیا۔

جو۔جی پان شاپ کے عقب میں وہ کھڑا تھا۔ میں نے پہچان لیا۔

''انس......!'' وہ اپنے نام پر پلٹا۔

میں مسکرا کر اِس کی جانب بڑھا۔ ہاتھ پیچھے کر کے اُس نے سگریٹ کا ٹکڑا پیچھے اچھال دیا۔

''آپ......!''

''وعدہ فراموش آئے کیوں نہیں؟'' میں نے زرد رنگت والے انس کا ہاتھ تھام لیا۔

''مصروف تھا۔''

''واک اچھی ہوتی ہے۔''

''ہوں!''
''میں انتظار کر رہا تھا۔'' بغور دیکھا۔
'' مت ویٹ کیا کریں۔ میں غیر اہم ہوں۔''
''میں تمہیں دوست بنانا چاہتا ہوں۔''
''کیوں؟'' نگاہ میری جانب کی۔
''ایسے ہی تم مجھے اچھے لگے ہو۔''
''ہوں!''
''پاپا کہتے ہیں بڑوں کا احترام ہوتا ہے دوستی نہیں۔''
''ہوں......'' وہ میری رفتار کا ساتھ دینے کے لیے دھیرے دھیرے چلنے لگا۔
'' تمہاری مصروفیات کیا ہیں' پڑھائی کے علاوہ......''
''خودکشی کے منصوبے بنانا۔''
''کیا......'' میں چونکا۔
'' مجھے اپنی یہ زندگی اچھی نہیں لگتی۔'' کچھ اُداس سا تھا۔
'' اک بات بتاؤ......'' میں اُسے لے کر پارک میں داخل ہوا اور قریب کی سنگی بینچ پر بیٹھ گیا۔
''اتنی سی بات پر اتنا بڑا فیصلہ......''
''امی ہوتیں تو یہ سب نہ ہوتا...... مائیں اتنی جلدی کیوں مرجاتیں ہیں۔'' اُس کے لہجے میں درد تھا۔
''تم اتنے پیارے ہو' ذہین ہو میرا خیال ہے کہ تم سے کسی کو شکایت نہیں ہونی چاہیے۔''
''اونہہ......''
''کسی کی نظر میں...... میں بہت برا ہوں اور پاپا کہتے ہیں کہ تم جیسا لڑکا میرا بیٹا کیوں ہے؟''
مجھے اُس کا درد دل میں محسوس ہوا۔

''ہر عمل کا ایک ردِعمل ہوتا ہے کبھی تم نے وجہ جاننے کی کوشش کی ہے کہ ایسا کیوں ہے۔''
''سوتیلی ماں۔''
''اوہو......'' ساری کہانی میری نظروں کے سامنے تھی۔
''سوتیلے رشتے سچے کیوں نہیں ہوتے؟''
''اس لیے کہ برائی اور چھائی ساتھ ساتھ چلتی ہیں۔ ایک غالب اور دوسری مغلوب رہتی ہے۔ سوتیلے رشتے بھی سچے ہو سکتے ہیں۔ اگر اُن کے دل صاف ہوں۔ بعض لوگ پیدا ہی سیاہ ساعتوں میں ہوتے ہیں۔ وہ سچے اور کھرے راستے پر نہیں چل سکتے۔''
''برے دل والوں کو سب برے نظر آتے ہیں۔'' اُنس چپ بیٹھا زمین پر ٹھوکر مار رہا تھا۔
''اِس کا مطلب ہے کہ تم خودکشی کے طریقے ڈھونڈو گے۔''
''حل......!'' اُن کی جانب چہرا موڑا۔
''اور کیا حل ہے؟''
''جو تمہیں اذیت دے رہا ہے اُس کے لیے خوشی کا سبب بنو گے مر کے......''
''اور مر کے بھی چین نہ آیا تو کہاں جاؤ گے۔''
''تمہیں معلوم ہے بیٹا خودکشی حرام ہے؟''
''سب باتیں ہیں' اصل حقیقت...... ذہنی سکون ہے وہ کس طرح حاصل ہو...... معتبری کیسے حاصل ہو' عزت نفس کب تک مجروح ہو...... احسان مندی کب تک؟'' اِس کا انداز مشتعل تھا۔
'' اُس کے لیے کہنا' بولنا' اظہار کرنا بہت ضروری ہوتا ہے اور سب سے بڑی بات اپنے حق کے لیے لڑنا۔''
''حق......'' اُس کے چہرے پر استہزائیہ

مسکراہٹ تھی۔
''پتہ نہیں..... میں اپنے پاپا کا بیٹا ہوں بھی یا نہیں۔'' میں نے ترحم نگاہوں سے اُسے دیکھا۔
تبھی اُس کے موبائل کی ٹیون بجنے لگی۔
''ہیلو!''
''کہاں دفع ہوئے ہو تم اتنی دیر سے کدھر آوارہ گردی ہو رہی ہے۔'' دوسری جانب اُس کے پاپا تھے۔ خاصی غصیلی آواز تھی۔
''دوست کے پاس ہوں آ رہا ہوں۔''
''یہ کون سا دوست ہے تمہارا..... فوراً گھر آؤ۔'' فون بند ہو گیا۔
نہ باپ کی محبت تھی نا فکر..... اِک کرختگی تھی۔ بدلحاظی تھی سختی تھی۔
انس اٹھا اور بیرونی گیٹ کی جانب بڑھا اور تقریباً بھاگتے ہوئے باہر نکل گیا۔
مجھے بہت افسوس ہو رہا تھا۔ مجھے اس بچے کو بچانا تھا جو کسی بھی بری لت میں گرفتار ہو سکتا تھا۔
یہ ٹھیک ہے کہ ماحول انسان کو اچھا یا برا بناتا ہے۔ لیکن بعض اوقات یہ ماحول گھر کا بھی ہو سکتا ہے۔ گھر کا ماحول ذہنی مطابقت نہ رکھتا ہو تو بچہ اپنا ماحول خود ہی بنا لیتا ہے۔
ایک باپ اپنے بیٹے کے ساتھ ایسا رویہ رکھ سکتا ہے۔ مجھے بہت افسوس ہو رہا تھا۔
وہاں سے اٹھا رکشہ پکڑا اور میں مہران غزنوی کی کلینک کی طرف آ گیا۔
''اوہو سر..... آپ..... السلام علیکم! آپ کیوں آئے مجھے فون کر لیا ہوتا میں آ جاتا.....''
''برخوردار.....'' میں اُس کے سامنے بیٹھ گیا۔
''پیاسا کنویں کے پاس آتا ہے۔''
''کیوں شرمندہ کر رہے ہیں۔''

بس یہ ہی اُس کی سعادت مندی پُر جوش انداز اور عزت و تکریم والا لہجہ اچھا لگتا ہے۔
''ایک مسئلہ حل کروانا ہے۔'' مسکرا کر اُسے دیکھا۔
''جی ضرور..... میں جانتا ہوں اور کوئی وجہ نہیں ہو سکتی ملنے کی.....''
''اچھا اب ایسا کہو گے؟'' نروٹھے پن سے اُسے دیکھا۔
''ارے نہیں..... میرا مطلب تھا کہ فون کر لیتے.....''
''یہ بات فون پر نہیں ہو سکتی..... اور تمہارے ساتھ چائے پینے کو بھی دل چاہ رہا تھا۔''
''واہ..... دل کی بات چھیڑ دی.....'' جھٹ انٹر کام ملا کر چائے کا آرڈر دیا۔
''جی!'' ذہین آنکھوں سے مجھے دیکھنے لگا۔
''ایک لڑکا ہے انس.....'' میں اُسے دھیرے دھیرے بتانے لگا۔
دوران چائے وہ غور سے سننے لگا۔
''ہوں..... سوتیلی ماں..... گھر..... اسٹڈی..... سگریٹ نوشی..... خودکشی کے طریقے۔''
''اس کے لیے ہمیں اُس کے والد سے ملنا چاہیے۔''
''نہیں بیٹا..... جب دوسری بیوی ہو تو مرد اُس کی ہی زبان استعمال کرتا ہے اور اُس کے ہی دماغ سے سوچتا ہے ورنہ بیٹے کے ساتھ کون ایسا رویہ رکھتا ہے۔''
''ہوں.....''
''ہمیں اُس کو اچھے برے کی تمیز سکھانی ہے اُسے راہِ راست پر لانا ہے اُسے زندگی گزارنے کے طریقے سکھانے ہیں۔''

''بالکل ٹھیک!'' مہران ایگری تھا۔
''اس کے لیے مجھے کیا کرنا چاہیے؟''
''دوست...... دوست بننا ہوگا آپ کو...... اُسے ایک دوست نما رہنما کی ضرورت ہے۔ بہترین وقت گزاریں اُس کے ساتھ۔''
''ہوں......''
''اس معاملے میں مدد کی ضرورت ہوگی میں دوں گا...... بلکہ ایسا کریں ایک دو بار اُسے میرے کلینک لے آئیں۔''
''تمہارا کلینک بہت دور ہے بیٹا...... شاید وہ نہ آسکے۔''
''ہوں......'' اُس کا لہجہ سوچتا ہوا تھا۔
''ایسا کریں جب وہ آپ کے ساتھ ہو تو مجھے فون کردیں۔ میں آپ کے پاس پہنچ جاؤں گا۔'' میں نے مسکرا کر اُسے دیکھا۔
''ایسے ہی تو میں اُسے اپنا جگر نہیں کہتا تھا۔ بہت اعلیٰ اور اچھے اوصاف کا مالک تھا۔ بہت نیک طبیعت کا' اپنے مکتبہ فکر میں کھرا...... اللہ اُسے اور ترقی دے۔'' میں کھڑا ہوگیا۔
''کوئی مسئلہ ہو بتایئے گا۔''
''ایک مسئلہ اور ہے......'' میں پلٹتے پلٹتے رُکا۔
''کیا؟''
''تمہاری آنٹی!'' میں نے بے ساختہ کہا۔ وہ بند مٹھی پر چہرہ ٹکا کر مجھے مسکرا کر دیکھنے لگا۔
''بیویاں تو ہوتی ہیں مسئلہ......'' آنکھوں میں شرارت تھی۔
''میں ریٹائرڈ ہوگیا ہوں...... تو مجھے ٹائم نہیں دیتی۔ اُس کی نظر میں میری اہمیت ہی نہیں ہے۔ حالانکہ میں محتاج نہیں ہوں۔ میری پنشن آتی ہے کرایہ آتا ہے مگر وہ......'' میں چپ ہوگیا۔

''ارے یہ تو کوئی مسئلہ نہیں ہے انکل...... آپ انس سے فارغ ہوجایئے اس کا حل بھی نکال دیں گے۔''
''وہ ایسا ہی پُرجوش تھا اُس کے پاس ہر مسئلے کا حل تھا۔ میں مسکراتا ہوا باہر آگیا۔

☆......☆......☆

انس دو دن بعد مجھے نظر آیا۔ میں واک کرتا اُسے کھوجتا پارک میں آکر بیٹھ گیا تھا۔ آج میرا ارادہ اُس کے گھر جانے کا تھا۔
جذبات میں آکر غصے میں کچھ کر نہ بیٹھا ہو۔
خاموشی سے آکر میرے برابر میں بیٹھ گیا۔
قدرے کمزور لگا۔
''تم کہاں تھے اتنے دن سے؟'' آستین اُٹھا کر اپنا دایاں بازو میرے سامنے کیا کلائی سے ذرا آگے سفید پٹی بندھی تھی۔
''یہ کیا؟'' اُس کے بازو پر ہاتھ رکھا۔
''بخار تھا مجھے......''
''اور...... یہ......'' بازو کی جانب اشارہ کیا۔
''پتہ نہیں میں زندہ کیوں بچ جاتا ہوں۔''
زرد رنج ہو رہا تھا۔ میں نے اُس کی سیٹ کی بیک پر بازو پھیلائے۔
''اس لیے کہ ابھی اللہ ایسا نہیں چاہتا۔ بندوں کو تمہاری ضرورت ہے تم سے کوئی اچھا نیک کام کروانا چاہتا ہے۔'' اُس نے سر جھٹکا۔
''انس...... تمہارے گھر میں اختلافات کس بات پر ہوتے ہیں۔'' اُس نے سر گھما کر مجھے دیکھا اور پھر سامنے دیکھنے لگا اُس کی آنکھوں میں نمی کی تیر گئی تھی۔
''میرے ہونے سے......''
''میں سوچتا ہوں میرے ہونے سے انہیں فرق نہیں پڑتا تو میرا نہ ہونا بہتر ہے۔ مگر میں کہاں

جاؤں کوئی اور مستقل رہائش نہیں ہے' بورڈنگ میں جانہیں سکتا۔''

''پڑھائی میں میرا دل نہیں لگ رہا۔'' اُس کا لہجہ دلگیر تھا۔

وہ زندگی کا بہتا ہوا دکھ تھا۔

پڑھائی زندگی میں بہت ضروری ہے نئی راہیں کھولتی ہے منزلوں کا پتہ دیتی ہے۔ زندگی میں معاشرے میں مقام بنتا ہے۔ کوئی بھی احساس تاعمر نہیں رہتا' یہ دن بھی گزرتے جائیں گے۔ ہر عمل کا اک ردِعمل ہوتا ہے۔

''اگر ابھی سے ہمت ہار بیٹھے تو آگے کا سفر کیسے طے ہوگا۔'' وہ سر جھکائے بیٹھا رہا۔ ملول' اُداس' پریشان......

مجھے اُس پر بے انتہا ترس آیا۔

کیسے بانکا سا بچہ ہے ذرا سی توجہ' ذرا سی محبت اُسے کس قدر قابل اور ذہین بنا سکتی ہے۔ کاش اس کا باپ یہ سوچ لے......

''تمہارے ہونے سے کسی کو فرق نہیں پڑتا تو تم اپنے ہونے کو ضائع کر دو گے؟'' وہ میری طرف دیکھنے لگا۔

''پھر اور کیا کروں؟''

''اس طرح سے تو تم اُن لوگوں کو خوش کرو گے جو تمہارے ہونے پر ناخوش ہیں۔ تمہیں ناکام انسان دیکھنا چاہتے ہیں اور تمہاری راہ میں روڑے اٹکا رہے ہیں۔ تمہیں تو اُن سب کی امیدوں کو باطل کرنا چاہیے۔''

''اور تم اللہ کی ذات سے مایوس ہو گئے ہو کیا؟'' اُس نے سر جھکا لیا۔

''انسان کو مشکلوں سے گھبرانا نہیں چاہیے۔ آزمائش کا سلسلہ تو ازل سے لے کر ابد تک ہے یہ انسان کو کندن بناتی ہے بس اُن سے گزرنے کے لیے انسان کو ہمت اور حوصلے سے کام لینا چاہیے۔''

''میرا حوصلہ بڑھانے والا کوئی نہیں ہے۔''

''تم خود اپنی ڈھال بن جاؤ۔''

''امی چلی گئیں...... پاپا نے اپنی زندگی اپنی پسند کے مطابق بنالی...... اک میں بوجھ ہوں بس......''

''سنو......! تم بوجھ نہیں ہو' ستون ہو۔ ایک مضبوط بنتا ہوا ستون...... اس ستون پر اک مضبوط عمارت تعمیر ہوتی ہے۔ اک گھر کی اگر تم ابھی سے ہمت و حوصلہ ہار گئے تو یہ عمارت' کمزور' شکستہ اور بے روح ہوگی۔ اپنی نسل کو کیا دو گے۔'' وہ چونک کر انہیں دیکھنے لگا۔

''آج اپنی زندگی کی زمین پر جو فصل کاشت کریں گے اُس کا پھل کل کاٹیں گے۔''

''دوسرے تمہارے ساتھ جو کر رہے ہیں یہ اُن کا فعل ہے یہ دیکھو تم اپنے ساتھ کیا کر رہے ہو؟''

''ایک ناکام شخص کے عزائم تمہارے ساتھ ہیں۔''

''تم اپنے رب کو ناراض کر رہے ہو۔''

''میرے بچے! یہ زندگی ایک ہے تمہیں دوبارہ نہیں ملے گی اور تمہیں دوبارہ اس راہ سے نہیں گزرنا یہ آج کل نہیں آئے گا۔''

''اگر تم دکھ کا دامن پکڑے رہو گے تو سکھ کی چھاؤں بھی کھو دو گے۔'' میں نے اپنا بازو اُس کے شانے پر پھیلا دیا۔

اب وہ سر اُٹھا کر آسمان کو دیکھ رہا تھا۔ پھر اُس کی نظریں پارک کے دائیں جانب نئے درختوں پر ٹھہر گئیں۔ ایک امید کی ہلکی سی رمق نظر آئی۔

میرا حوصلہ بلند ہوا۔
اُس نے مسکرا کر مجھے دیکھا۔
''یہ.....خودسوزی کی کوشش کب کی؟''
''میں چلتا ہوں..... کچھ چیزیں لینے کے لیے آیا تھا بالکونی سے آپ کو دیکھ کر اِدھر آ گیا۔'' کھڑا ہو گیا۔
''اب کب آؤ گے۔''
''کل اسی وقت.....'' بے ساختہ کہا اور اگلے لمحے میں حیران ہوا اس نے اپنا ہاتھ بڑھایا تھا۔ ورنہ وہ ایسے ہی اُٹھ کر چلا جاتا تھا۔
میں نے اُس کا ہاتھ پُر جوش انداز میں تھام کر ایک نیا ولولہ جو اور ہمت اُس کی جانب روانہ کی۔
مجھے امید تھی میں مایوس نہیں ہوں گا۔

☆.....☆.....☆

''یہ آج کل آپ کی واک بڑھ نہیں گئی۔'' گھر میں داخل ہوا تو ذکیہ سامنے ہی بیٹھی تھی۔
''تمہیں کیا؟'' میں قریبی کرسی پر بیٹھا اور ریموٹ اُٹھا کر چینل چینج کرنے لگا۔ وہ لاؤنج میں اکیلی تھی۔
''واک کم کروں یا زیادہ؟''
''آپ کی پسند کا مٹر پلاؤ بنوایا ہے۔''
''پسند سے کیا ہوتا ہے..... میں ایزی ہو کر بیٹھا۔
''چاہت سے کھلانے کی بات ہوتی ہے۔''
''بس!'' حیرانی سے مجھے دیکھنے لگیں۔
''کیا ہو گیا ہے آپ کو ریٹائرمنٹ کا اثر دماغ پر لے لیا ہے کیا؟''
''لاحول ولاقوۃ.....!'' سر جھٹک کر اُسے دیکھا۔

''تمہیں بھی واک کی ضرورت ہے دماغ کھلے گا۔ بلکہ صبح صبح تازی ہوا میں جایا کرو۔ وزن بھی کم ہو گا۔''
''ہائیں.....کیا ہو گیا ہے آپ کو۔''
''فرح.....فرح آنا ذرا.....اور ذرا روغن زیتون بھی لانا' بولا گئے ہیں تمہارے سسر.....یخنی چڑھا دو اور انہیں دودھ پتی کا کپ لا کر دو۔''
ذکیہ شروع ہو گئیں اس سے پہلے کہ فرح تابعدار بہو کی طرح نازل ہو جاتی میں اٹھا ذکیہ کا کان کھینچا.....اور مڑے بغیر اپنے کمرے میں آ گیا۔
ذکیہ کی حیرانی تو اُن کے ساتھ ہی رہ گئی۔

☆.....☆.....☆

اگلے دن انس آیا۔ قدرے تر و تازہ لگا۔ شاید نہا کر آیا تھا یا پھر کٹنگ کروائی تھی۔ مجھے دیکھ کر دل سے مسکرایا۔
''کیسے ہو جوان!'' میرے ساتھ ساتھ واک کرنے لگا۔
''فائن.....''
''اسٹڈی کیسی جا رہی ہے۔'' خاموشی سے چلتا رہا۔
''اسٹڈی میں دھیان دو..... یہ تمہارا برائٹ فیوچر دے گی۔'' ''جی.....'' میں بیٹھ گیا۔
''تم اپنے دل میں یہ یقین پیدا کرو کہ تم یہ کر لو گے تو تم یقیناً کر لو گے۔ اس دنیا کی ہر چیز پر تمہارا حق ہے ہر چیز تمہیں ملنی چاہیے بس محنت کر لو۔ آج کی محنت کل تمہارے کام آئے گی۔''
وہ سنتا رہا آج اُس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔
''اور جو لوگ ایسا نہ کرنے دیں راہ کی دھول ہوں.....''
''بیٹا.....!'' میں نے گہرا سانس لیا۔

پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد	صائمہ اکرام	عُشنا کوثر سردار	اشفاق احمد
نمرہ احمد	سعدیہ عابد	نبیلہ عزیز	نسیم حجازی
فرحت اشتیاق	عفت سحر طاہر	فائزہ افتخار	عنایت اللّٰہ التمش
قُدسیہ بانو	تنزیلہ ریاض	نبیلہ ابر راجہ	ہاشم ندیم
نگہت سیما	فائزہ افتخار	آمنہ ریاض	مُمتاز مُفتی
نگہت عبدُاللّٰہ	سباس گُل	عنیزہ سید	مُستنصر حُسین
رضیہ بٹ	رُخسانہ نگار عدنان	اقراء صغیر احمد	علیمُ الحق
رفعت سراج	اُمِ مریم	نایاب جیلانی	ایماء راحت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شُعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ، حناء ڈائجسٹ، رِدا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسُوسی ڈائجسٹ، سرگُزشت ڈائجسٹ، نئے اُفق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دسترخوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مُصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کِڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی، جاسُوسی دُنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براؤزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

''جو ہمیں نا پسند کرتے ہیں وہ ایسا کیوں چاہیں گے کہ ہم ترقی کریں۔ تو کیا ہم ایسے لوگوں کے لیے آگے بڑھنا چھوڑ دیں جو ہمارا برا چاہیں ہم اُن کے خواب پورے کر دیں۔''

''اِس زندگی پر صرف ہمارا حق ہے۔ یہ ہماری مرضی ہے کہ ہم اس زندگی کو کس طرح سے گزاریں۔''

''کیا ایک اچھی زندگی ہمارا حق نہیں ہے۔''

''تمہاری سوتیلی ماں کو تم سے کیا شکایت ہے؟''

''کوئی شکایت نہیں..... شکایات ہیں عضو معطل ہوں میں اُن کے لیے۔''

''اور تمہارے پاپا.....''

''وہ اُن کی ہی زبان بولتے ہیں۔''

''پھر ایسا کرو.....'' میری سمجھ میں فوری حل یہ آیا۔

''تم اپنی رہائش بدل لو..... تمہارے دادا..... نانا..... دادی کوئی ہے۔'' انس میری شکل دیکھنے لگا۔

''تم ان کے مددگار بن جاؤ ان کے پاس رہو پڑھو یہ جو ہم بوڑھے لوگ ہوتے ہیں نا ہمیں ان رشتوں کی بڑی ضرورت ہوتی ہے آپ بچے ہماری انرجی ہوتے ہیں۔ مگر آج کل ان رشتوں کی اہمیت ہی نہیں ہوتی بلکہ بوجھ سمجھا جاتا ہے۔''

''تم اُن کو ٹائم دو گے انہیں خوشی ملے گی اور تمہیں توجہ.....'' میں مسکرا دیا۔ انس سر جھکائے سن رہا تھا۔

''پاپا شاید نہ مانیں۔'' اُس کے چہرے پر امید تھی۔

''میں تمہارے پاپا سے ملنا چاہتا ہوں۔ تمہارے حوالے سے.....''

''کوئی فائدہ نہیں ہے۔ اُن کے نزدیک بھی میں ایک فضول ناکارہ ہوں جس کو کسی کام سے کوئی دلچسپی نہیں ہے..... اونہہ.....'' سر جھٹکا تھا انس نے۔

''اگر کوئی کسی غلط فہمی کا شکار ہے تو اُسے ضرور دور کرنا چاہیے۔ باپ بیٹے کی محبت کبھی ختم نہیں ہوتی۔ دب ضرور جاتی ہے۔'' میں نے اُس کا ہاتھ تھام لیا۔

''اور..... سنو.....!''

خود کو مثبت کاموں کی طرف لاؤ۔ اپنے وقت کا موثر استعمال کرو اور ہو سکے تو شارٹ کورسز کرو سارا دن خود کو اتنا بزی رکھو کہ تم جب رات کو تھک کر بستر پر لیٹو تو تمہیں کسی ڈپریشن کا احساس نہ ہو۔ تمہارا ان لوگوں سے سامنا نہ ہو جو تمہیں نا پسند کرتے ہیں۔ ناپسندیدہ لوگوں کو اپنی فہرست سے نکال دو۔'' انس پھر میری جانب دیکھنے لگا۔

''کیا ایسا ممکن ہے؟''

''کوئی چیز ناممکنات میں سے نہیں ہوتی۔ اُس ناسور کو زندگی سے نکال دو..... جو اذیت کا باعث ہو۔''

''میرا اعتماد شاید..... تذبذب کا شکار تھا۔ تمہارا اعتماد میں ہوں.....'' میں نے اُس کا ہاتھ تھام لیا۔

''میں ایک ٹوٹے پھوٹے لڑکے کو شاہکار کے روپ میں دیکھنا چاہتا ہوں۔ ہم فارغ لوگ اپنی زندگی کو یوں ہی کارآمد بنا سکتے ہیں۔

''ورنہ تو ریٹائرڈ لوگوں کو عضو معطل سمجھ لیا جاتا ہے۔''

''اگر میں آپ کی امیدوں پر پورا نہ اتر سکا تو؟''

''برخوردار.....'' میں نے اُس کا چہرہ اپنی

جانب کیا۔

''تم میری یا کسی کی بھی امید نہ ہو بلکہ آپ اپنا اعتبار اپنی امید بنو۔ زندگی تمہاری ہے اس کو ریزہ ریزہ مت کرو موت کو گلے لگاؤ گے تو بس ایک لمحہ چاہیے۔ مگر بیٹا...... یہ زندگی بھی تو ایک بار ملی ہے نا۔ اس کی آزمائش میں پورے نہیں اترو گے؟'' اُس کا سر جھکا ہوا تھا میرے الفاظ اُس پر اثر کر رہے تھے۔ مجھے یقین تھا۔

''میں چلتا ہوں۔'' وہ کھڑا ہو گیا۔

''ہاں...... جاؤ اور سنو رات کو جب سونے لیٹو تو ضرور سوچنا اس بارے میں۔''

''جی!'' وہ سر تسلیم خم کر کے باہر نکلنے لگا۔

میرے اندر خوشی کی کونپلیں پھوٹنے لگیں انس کا رویہ مثبت ہوتا تو انہیں تناور بننے سے کوئی نہیں روک سکتا تھا۔

''اے خدا اِس بچے کی حفاظت فرما۔'' دل سے اُس کے لیے دعا کی۔

☆......☆......☆

آج کتنے دن ہو گئے انس نہیں آیا۔

میں ٹی وی دیکھتے ہوئے سوچ رہا تھا۔ مہران کا بھی فون نہیں آیا۔ میں انس کا نمبر ہی لے لیتا۔ اُس کا باپ...... یا اُس کی سوتیلی ماں نے کوئی گل نہ کھلا دیا ہو۔

ماں تو بس ماں ہوتی ہے سوتیلی یا سگی نہیں ہونا چاہیے اسے...... میں خود میں سوچ رہا تھا۔

''کہاں گم ہیں آپ......'' ذکیہ میرے سامنے بیٹھی جانے کب سے مجھے آواز دے رہی تھی مجھے ہلا دیا۔

''کن سوچوں میں گم ہیں؟''

''آ...... ہا......'' گہرا سانس لے کر اُسے چڑایا۔

''کم سے کم تمہیں نہیں سوچ رہا تھا۔'' سر جھٹکا۔

''تو پھر بچوں کے متعلق سوچ رہے ہوں گے۔''

''بچے سب سیٹ ہیں۔'' میں اُسے چڑانے کے لیے ٹی وی کی جانب متوجہ تھا۔

''سوچنے کے لیے اور بہت سی خوبصورت باتیں ہیں ذکیہ بانو ہم ریٹائرڈ لوگ اتنے بھی فارغ نہیں جتنا تم نے بنا دیا ہے۔'' میرا لہجہ شاکی تھا۔

''یہ آپ کو کیا ہوتا جا رہا ہے؟''

''ہم ریٹائرڈ کیا ہوئے تم نے تو اپنی زندگی سے ہی ریٹائرڈ کر دیا مگر ابھی بھی کچھ لوگ ہیں جو ہم پر جان دیتے ہیں ایس ایم ایس بھیجتے ہیں اور ہمارا انتظار کرتے ہیں۔'' میں فل اُسے چڑانے کے موڈ میں تھا۔

وہ مجھے غور سے دیکھتی رہی پھر پاؤں اونچے کر کے بیٹھ گئی۔

''اس لیے کہا ہے کہ مغرب سے پہلے واک کر کے آ جایا کریں چمٹ گیا ہے کوئی جن......''

''چڑیل۔'' میں جل بھن گیا۔

''حد ہو گئی ہے...... اس عمر میں چڑیل چمٹے گی کیا؟''

''شار ہو گی۔'' بیگم کی لاتعلقی بری لگ گئی۔

''کسی ماہر نفسیات کو دکھاتی ہوں آج حسام آ جائے۔''

''لاحول ولاقوۃ......'' میں اٹھ گیا۔

''ریٹائرڈ میں نہیں تم ہو گئی ہو......'' میں بڑبڑاتا ہوا آ گیا۔

''عمر گزر گئی چونچلے بازی نہیں گئی۔'' میرے آگ لگ گئی۔

☆......☆......☆

آج میں وقت سے پہلے ہی آ گیا۔ دوستوں سے ملنا' میڈیکل اسٹور سے دوالی..... ذکیہ سے تو میں ناراض تھا۔

آج موسم بھی قدرے ابر آلود تھا۔

تبھی ڈاکٹر مہران غزنوی کا فون آ گیا۔

''آپ کہاں ہیں سر!'' خوش مزاجی سے بھرپور آواز جو انسان میں توانائی بھر دے۔

''پارک کی طرف جا رہا تھا واک کرنے.....''

''اچھا..... میں اِدھر سے گزر رہا تھا سوچا ملتا چلوں کافی دن ہو گئے آپ کی کال نہیں آئی۔

''آ جاؤ..... میں پارک میں سامنے ہی بیٹھا ہوں۔'' میں کھڑا ہو کر پارک کی طرف چلنے لگا او کے کہہ کر سیل آف کر دیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ میرے روبرو تھا۔ اونچا لمبا ہنستا ہوا تازگی سے بھرپور روشن آنکھیں' مسکراتا ہوا چہرہ۔

''مجھے ریٹائرڈ لوگوں کی یہ ہی بات تو اچھی لگتی ہے پرجوش توانا فریش اپنے روٹین واک سے نہیں ہٹتے۔'' میں مسکرا دیا۔

''انس کا کیا ہوا..... لگے ہاتھوں اُس سے بھی مل لیتا ہوں۔''

''کافی دن ہو گئے وہ آیا نہیں اُس کا نمبر بھی میرے پاس نہیں ہے۔ فکر ہو رہی ہے مجھے خدا خیر کرے۔''

''اوہو.....''

''گھر چلے جاتے اُس کے.....''

''ہاں سوچ رہا ہوں آج جاؤں۔''

''آپ کے سمجھانے کا کچھ اثر ہوا یا ڈپریس ہے ابھی تک۔''

''ہاں کچھ بہتر تو لگ رہا ہے اُس کی سوتیلی ماں بڑی ظالم عورت ہے۔ میں نے مشورہ دیا ہے کہ دادا کے گھر جا کر رہو۔''

''واہ آپ تو ماہر ہوتے جا رہے ہیں مشاورت میں میرا رائٹ ہینڈ بن جائیں۔'' مسکرا کر مجھے دیکھا۔

''نہیں ایسی بات نہیں ہے کسی کی مدد ہو جائے تو اچھی بات ہے۔''

''اور کیا..... انسان کو اپنا ٹائم اچھے کاموں کے لیے وقف کرنا چاہیے۔''

''بس اسی پر عمل کر رہا ہوں۔'' وہ کھڑا ہو گیا۔

''کوئی مسئلہ ہو تو بتایئے گا۔ میں ہینڈل کر لوں گا۔'' میری جانب ہاتھ بڑھایا۔

''یار..... مسئلہ تو ہے۔'' میں کھڑا ہو گیا۔

''کیا؟''

''تمہاری آنٹی۔''

''اوہو.....'' وہ مسکرایا۔

''آپ انس کا مسئلہ حل کر لیں میں آپ کا یہ مسئلہ حل کروں گا۔'' زیرِ لب مسکرایا۔

''مگر سنو تو.....''

''کچھ مسئلے سنے بغیر بھی سمجھ آ جاتے ہیں۔'' جاتے جاتے مڑ کر بولا۔ اور میں اُسے اللہ حافظ کہہ کر جاتے دیکھتا رہا۔

شام کو میں تھرڈ فلور پر آصف شیرازی کے فلیٹ کے آگے کھڑا تھا۔

بیل بجا دی۔

ایک بچے نے دروازہ کھولا۔

''جی.....''

''انس ہے.....'' بچہ پلٹ کر بھاگا۔ کچھ لمحوں بعد ایک عورت کا چہرہ نمودار ہوا۔ بکھرے بال

شانے پر دوپٹہ...... خاصا سخت لہجہ تھا۔
''کس سے ملنا ہے؟'' مشکوک سا انداز۔
''انس سے......''
''کیوں؟''
''میرا اسٹوڈنٹ ہے۔''
''کیا پڑھتا ہے؟''
''مجھے پڑھاتا ہے۔''
''وہ جاہل لڑکا تمھیں کیا پڑھا سکتا ہے۔'' اندر پلٹ گئی۔
''جائیں دیکھیں جا کر اپنے بیٹے کے کرتوت' اتنے بڑے بڑے آدمیوں سے دوستی کر رکھی ہے پوت کے پاؤں پالنے میں ہی نظر آ رہے ہیں۔'' تلخ' کرخت' بدگمانی سے بھرپور آواز۔
''پھر مجھے کہتے ہیں آپ......''
مجھے بہت دکھ ہوا۔
بے شک اُس کی ماں نہیں تھی مگر اُس کی ماں تو بن سکتی تھی نا مگر اس کے لیے ہمت حوصلہ اور ظرف چاہیے۔
اور ...... تنگ نظر عورتیں ایسا نہیں کر سکتیں۔ میں پلٹ کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔
''جی......'' دروازہ کھلا اور ایک خوش شکل درمیانی عمر کا شخص باہر آ کر مجھ سے مخاطب ہوا۔
''میں ...... ریٹائرڈ عبداللہ حمید!'' مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ ڈھیلے سے انداز میں ہاتھ تھام لیا۔
''فرمائیں۔''
''انس سے ملنا تھا۔''
''کیوں......'' اچنبھا سا مشکوک انداز تھا۔
''وہ میرا دوست ہے میں اُس کا اسٹوڈنٹ ہوں اِدھر سامنے پارک میں ملاقات ہوئی ہے کافی دن ہو گئے وہ آیا نہیں مجھے فکر ہو رہی تھی بیمار تو نہیں وہ......''
''نہیں......'' سر سے لے کر پاؤں تک میرا جائزہ لیا۔
''وہ ٹھیک ہے اور اپنے دادا کے گھر گیا ہے۔''
''اوہو...... تھینکس۔'' میرے اندر سے خوشی کا گہرا سانس نکلا۔
''خیریت......''
''اُس کا ڈپریشن کچھ کم ہوا؟'' میرا سوال بے ساختہ تھا
''جی......'' حیرانی سے مجھے دیکھا۔
''آصف کون ہے یہ آدمی؟'' پیچھے سے اُس کی بیوی نے منہ نکالا۔
''دوست ہے جاؤ اندر تم......'' پیچھے مڑ کر دروازہ بند کر دیا۔
''ہم کہیں بیٹھ کر بات کر سکتے ہیں۔''
اُس نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ گھر کے اندر نہیں لے جا سکتا تھا۔ کاریڈور میں جگہ نہیں تھی۔ آیئے نیچے ٹی شاپ پر چلتے ہیں۔'' وہ لفٹ کی جانب بڑھا میں اُس کے ہم قدم تھا ہم لوگ نیچے آ گئے۔
آصف شیرازی شکل سے مجھے سمجھدار لگ رہا تھا۔
''جی......'' آمنے سامنے بیٹھے۔ اُس نے چائے منگوا لی۔
''آپ کا بیٹا انس بہت سمجھدار' سلجھا ہوا لڑکا ہے۔'' میں نے بات شروع کی۔
''جی......!'' وہ میری جانب متوجہ تھا۔
''آپ کی غفلت' گھر کے ماحول نے اُسے ڈپریس کیا ہوا ہے۔''
''وہ دو دفعہ خودکشی کی کوشش کر چکا ہے۔ ایک دفعہ بالکونی سے چھلانگ لگانے لگا تھا۔''

''کیا.....'' اُس کی آنکھیں دہشت سے پھیل گئیں۔

''یہ ٹین ایج بڑھتی عمر کے بچے ہوتے ہیں نا یہ بہت حساس ہوتے ہیں انہیں والدین کی توجہ کی ضرورت ہوتی ہے غفلت انہیں بے راہ رو کر دیتی ہے اور اُس کی تو ماں بھی نہیں تھی۔''

''آپ اُسے کیسے جانتے ہیں؟''

''اگر اُسے نہ جانتا تو آج وہ زندہ نہ ہوتا۔''

''آپ کے گھر کے ماحول نے اُسے خودکشی پر مجبور کر دیا ہے۔''

''کیا آپ جوان ہوتے بیٹے کو کھونا چاہیں گے۔''

وہ چپ ساکت بیٹھا مجھے دیکھ رہا تھا۔

''حادثات تو کسی کے ساتھ بھی ہو سکتے ہیں وہ وجہ حادثہ تو نہیں تھا جو ماں کے ساتھ آپ نے اُس سے باپ کی شفقت بھی چھین لی۔''

''وہ بہت بدلحاظ' بدتمیز اور گستاخ ہوتا جا رہا تھا۔''

تو اُس کا مطلب ہے ہم بچے کو خودکشی پر مجبور کر دیں۔ ہر عمل کا ردِعمل ہوتا ہے کبھی آپ نے یہ جاننے کی کوشش کی ہے کہ وہ ایسا کیوں ہو رہا ہے۔ آپ بیگم کی باتوں پر اعتبار کرتے رہے۔

''وہ جھوٹ کیوں کہے گی۔''

''وہ سچ کیوں بولے گی۔'' میں نے بے ساختہ کہا۔ وہ چپ ہو گیا۔

سوتیلے رشتے کھارے پانی کی طرح ہوتے ہیں اور کھاری محبتیں ہمیشہ تلخ کڑوی کسیلی سی ہوتی ہیں۔

آپ کی عدم توجہی اور گھر کے تلخ ماحول نے اُسے منفی سوچ دی۔ وہ ڈرگ لینے جا رہا تھا۔ میں اُسے ملا اُسے سمجھایا۔ اچھے برے کی تمیز سکھائی اور ...... میں نے ہی اُسے مشورہ دیا کہ اپنے دادا کے گھر جاؤ انہیں اپنی تنہائی شیئر کرنے کے لیے کسی ساتھی کی ضرورت ہو گی اور تمہیں توجہ کی، گھر کا ماحول تمہارے لیے بہتر نہیں ہے۔'' آصف شیرازی کا تناؤ کم ہو گیا۔

ہمارے درمیان کئی لمحے خاموشی کی نذر ہو گئے وہ اپنے ہاتھوں کو مسل رہا تھا اور میں اُس کا جائزہ لے رہا تھا۔

بیٹے باپ کا پرتو اُن کا عکس لے کر جوان ہوتے ہیں آج ہم انہیں دیں گے کل وہ اپنی نسل کو وہی دیں گے ابھی وقت گزرا ہے گیا نہیں ہے اُس کی تربیت میں حصہ دار بنیں۔ اُسے دوست بنائیں کل کو وہ آپ کا دایاں بازو بنے گا۔'' میں اُسے سمجھا رہا تھا۔

''کب گیا؟''

اُس کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی ابو آئے تو ان کے ساتھ چلا گیا۔

''اُس کی دادی ہیں۔'' بغور اُسے دیکھا۔

''جی!''

''تو پھر تم نے اُسے یہاں کیوں رکھا جب تمہاری بیوی چاہتی نہیں تھی۔''

''بس خیال نہیں آیا مجھے۔''

''اب کیسا ہے وہ......''

''ٹھیک ہے۔''

''اُس کا نمبر ملے گا۔''

''میں بات کروا دیتا ہوں......'' سیل نکال کر نمبر ملانے لگا۔

''وہ بھی ریٹائرڈ بینک آفیسر ہیں۔''

''اوہو......'' میں خوش ہو گیا۔

''میں اُن سے ملنا چاہوں گا۔''

''ضرور...... ضرور......'' وہ خوش نظر آ رہا

تھا۔ نمبر بند جا رہا تھا۔

آصف شیرازی نے دو نمبر لکھ کر مجھے دے دیے۔ میں نے متاع تحریر کی طرح تھام لیے۔

''ایک بات یاد رکھنا اپنی اولاد کو کبھی دوسرے کی باتوں میں آ کر مت اُلجھانا اور نہ شک کرنا شک انسان کو اس طرح کھا جاتا ہے جیسے دیمک لکڑی کو......''

''اور بچہ جب بگڑتا ہے جب اُسے توجہ کا پانی نہ ملے۔ کونپلوں میں زندگی میں پھوٹتی ہے جب انہیں لگن کی کھاد' محبت کا پانی' توجہ کی نگہبانی اور شجر سایہ دار ملتا ہے۔'' میں کھڑا ہو گیا۔

''میں آپ کا شکر گزار ہوں۔'' میرے ہاتھ تھام لیے۔

''بیٹے کا باپ کی طرح خیال رکھو۔ دوست کی طرح ہر بات شیئر کرو۔ ماں کی طرح شفقت دو اور ابر کی طرح اُس پر محبت برساتے رہو۔''

''انس بہت اچھا بچہ ہے۔ میں چلتا ہوں۔''

''میں چھوڑ دوں۔'' وہ کھڑا ہوا۔

''نہیں...... سامنے ہی میرا گھر ہے۔'' میں جانے کے لیے نکل آیا۔

میرا اندر بے حد خوش تھا۔ انس سے ملنا ضروری تھا۔

☆......☆......☆

صبح ہی میں نے انس کو فون کیا۔ انس نے ہی فون اٹھایا۔

''تم اپنے دوست کو بھول گئے؟''

''نہیں انکل بالکل نہیں مجھے آپ سے ملنے آنا ہے میرے پیپر ہو رہے ہیں۔ گرینڈ پا مجھے پڑھاتے ہیں دادی میرا بہت خیال رکھتی ہیں۔ پیپر کے بعد میں آؤں گا۔'' اُس کی آواز پُر جوش اور لہجے میں خوشی تھی۔

''تم خوش ہونا۔''

''جی انکل بہت خوش اور مطمئن اور......اور میں حیران ہوتا ہوں۔ یہ چھوٹی سی بات مجھے کیوں نہیں سمجھ آئی۔ میں پہلے ہی اِدھر آ جاتا۔''

''جب تک کوئی ناصح' غمگسار' سچا پُر خلوص دوست نہ ملے انسان کیسے سنبھل سکتا ہے۔''

''تھینک یو انکل......''

''اور......سنو......آئندہ کوئی بری بات مت سوچنا اور نہ کوئی ایسی حرکت کرنا' جس سے تمہیں نقصان ہو...... گناہ ہمیشہ گناہ ہوتا ہے۔ تمہیں اپنے اللہ کی نظر میں گناہ گار نہیں بننا۔''

''کیونکہ......'' میں رک گیا۔

''کیونکہ یہ زندگی ہمیں اک بار ہی ملی ہے۔ اور ہمیں اسی رستے سے دوبارہ نہیں گزرنا۔''

انس نے میرا سکھایا ہوا سبق مجھے سنایا اور میں اُس پر نثار ہو گیا۔

''قسم سے گلے لگانے کو دل چاہ رہا ہے۔''

''صاحب! فکر مت کریں میں یہ کام انجام دے دیتا ہوں۔ مجھے گلے لگانے کا بہت شوق ہے۔'' دوسری آواز ابھری' میں چونک کر ہنسا۔

''انکل یہ میرے دادا ہیں اسپیکر آن ہے وہ ساری گفتگو سن رہے ہیں میں نے اُن سے آپ کا تذکرہ کیا ہے ملنا چاہتے ہیں آپ سے۔''

''اچھا......! ضرور ملیں گے۔''

''واقعی میں آپ کا شکر گزار ہوں کہ میرا بیٹا میرا پوتا مجھے لوٹا دیا۔ میرے سب بچے اپنے اپنے گھروں کے ہیں۔ ہم دونوں میاں بیوی اکیلے رہتے ہیں۔ ہمارے گھر کی رونق آ گئی ہے۔''

''میں یہ ہی چاہتا تھا شکر میرا مشورہ اِس نے مان لیا۔ میں بے حد خوش ہوں۔''

''اللہ آپ کو اِس نیکی کا اجر دے۔'' پھر بہت

ساری باتوں کے بعد فون بند ہو گیا۔
میں اندر تک خوشی اور مسرت سے دوچار تھا۔
ایک نیکی جو دل سے کی جائے اس کی کتنی خوشی ہوتی ہے۔کوئی میرے دل سے پوچھتا۔
میں لاؤنج میں اکیلا تھا اُٹھ کر باہر آ گیا۔
ذکیہ اور فرح، بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔
''بھوا بو کو چائے بنا دو۔'' خود بیٹھی رہیں۔
میرا دل ذکیہ سے باتیں کرنے اُس سے 'انس' کو شیئر کرنے کو دل چاہ رہا تھا۔
مگر وہ میری جانب سے غافل تھی۔ اور یہ غفلت مجھے بری لگ رہی تھی۔
ایسا بھی کیا کہ انسان...... منہ ہی موڑے...... مٹر چھیلنا پالک کاٹنا...... میتھی کترنا اتنا اہم بھی نہیں تھا۔ مجھے غصہ آ گیا گھر سے نکلا۔
آٹو پکڑا...... اور سیدھا مہران کے کلینک آ گیا۔
اقبال فائلیں ترتیب سے لگا رہا تھا۔ مجھے دیکھ کر سلام کیا۔
''سر ایک گھنٹے بعد آئیں گے۔''
میں ایک کتاب اُٹھا کر ویٹنگ۔ روم میں بیٹھ گیا۔ ذکیہ کی طرف سے دل جل رہا تھا۔
تو انس کے خیال سے دل خوش ہو رہا تھا۔
سائیکالوجسٹ مہران غزنوی آ گیا۔
باغ و بہار شخصیت...... تروتازہ مجھے دیکھ کر بہت خوش ہوا۔
اور جب میں نے اُسے انس کیس کے متعلق بتایا تو خوشگوار حیرت سے مجھے دیکھ رہا تھا۔
''واؤ...... آپ نے میری ہیلپ کے بغیر ہی یہ کیس حل کر لیا۔''
''یہ کیس نہیں مسئلہ تھا اور تمہاری مشاورت سے ہی حل کیا ہے۔'' میں خوش تھا۔

''انس آئے گا میں اُس سے ملواؤں گا کاش ہر باپ، ریٹائرڈ لوگ گرینڈ لیس پیرنٹس اگر ان مسئلوں کو سوچ سمجھ لیں تو گھروں میں دکھ نا ہو اور نا ڈپریشن ہو آج کل کی نسل۔
ہم بہت دیر تک باتیں کرتے رہے مہران کے مریض آنے لگے میں اُس کے روم میں جا کر ہاسپٹل بیڈ پر لیٹ گیا سوچتے سوچتے جانے مجھے کب نیند آ گئی۔ جانے کتنا وقت گزر گیا۔
''آہٹ پر آنکھ کھلی۔ تو عجیب سا منظر تھا میرے منہ پر ماسک لگا تھا۔ کلائی میں ڈرپ تھی۔
مہران کے ساتھ دوسرا ادمی مجھ پر جھکا ہوا تھا۔
میں گھبرا گیا۔
مہران نے میرا ماسک ہٹا دیا۔ میں نے گہرا سانس لیا۔
''شش!'' منہ پر انگلی رکھ کر مہران مجھے خاموش رہنے کا اشارہ کر رہا تھا۔
ساتھ ہی وہ میرے کان کے قریب جھکا۔
اور میں نے اپنے چہرے پر نقاہت اور کمزوری غالب کر لی...... آنکھیں موند لیں۔
میری کلائی میں ڈرپ لگ گئی۔ ماسک قریب آ گیا۔ مہران نے میرے وجود پر چادر اوڑھا دی۔
کمرے میں آہٹ ہوئی کچھ لوگ اندر آ گئے۔
پلیز ذکیہ آنٹی ان کی حالت اب خطرے سے باہر ہے۔ ڈپریس ہو رہے تھے جانے کون سی ڈپریشن تھی۔ اٹیک ہوتے ہوتے رہ گیا۔
''ہائے میرے اللہ......'' ذکیہ کی بھیگی ہوئی آواز میرے قریب سے ابھری۔
گھر میں تو امن ہے۔ ایسی کوئی بات نہیں۔'' تفکر آمیز آواز تھی۔

''آپ نے دیکھ لیا باہر چلیں۔''

''نہیں ...... مجھے کہیں نہیں جانا۔ میں اِدھر ہوں کچھ نہیں کروں گی۔'' گھبرائی ہوئی خوفزدہ آواز میرے دل کو خوشی ہوئی۔

یہ ریٹائرڈ لوگ بہت حساس اور کمزور ہوتے ہیں بظاہر مضبوط نظر آتے ہیں انہیں لمحہ لمحہ توجہ کی ضرورت ہوتی ہے آنٹی انہیں خیال و دھیان کی ضرورت ہوتی ہے۔''

''مگر اچھا کھانا' پینا' سب ٹھیک ہے گھر میں ٹینشن بھی نہیں ہے۔'' دھیمی سی بھیگی ہوئی آواز تھی۔

''انہیں ٹائم کی ضرورت ہے۔'' مہران غزنوی کی پُر جوش آواز آئی میں اندر تک مسرور خوش ہوگیا۔

''انہیں وقت دیں بلاوجہ کی سوچیں ان کے قریب نہ آئیں۔ واک پر اِن کے ساتھ جائیں۔ تاکہ فضول پریشان کن سوچیں ان کے قریب نہ آئیں۔''

''میں اِدھر ہی ہوں اِن کے پاس......''
سیمابی آواز جس کا میں متلاشی تھا۔

''اچھا ٹھیک ہے'' مہران کی دھیمی سی آواز آئی۔

میں تین دن تک بیمار توجہ بنا رہا۔

اور تین دن تک ذکیہ نے میری بھرپور خدمت کی۔

مہران آتے جاتے مجھے چھیڑ رہا تھا۔ میں بہت خوش تھا۔ ذکیہ کا منہ اتر گیا تھا محبت برقرار تھی۔

''سنو گھر جا کر مجھے ایسی ہی توجہ' ایسی ہی خدمت چاہیے ورنہ......'' میں نے آنکھوں سے مسکرا کر دیکھا۔

''اللہ نہ کرے آپ کو کچھ ہو سچ میں تو ویسے ہی مرجاؤں گی۔'' ذکیہ کی آنکھ میں آنسو تھے۔

میں نے اُس کے آنسو صاف کیے۔

ریٹائرڈ لوگوں کو زندگی سے ریٹائرڈ نہیں کرنا چاہیے تمہیں کون سی میری پرواہ ہے؟''

''ساری عمر آپ ہی کی تو پرواہ کی ہے۔''

''پھر مجھے نظر کیوں نہیں آئی۔ تم تو گھرداری میں اُلجھ کر رہ گئی ہو۔''

''میرے بعد یہ سب کرنا...... ہاں......''

''آپ......'' غصے سے مجھے دیکھا۔

''بس اب تم میرے ساتھ روز واک پر جاؤ گی۔ ہم دونوں کچھ سوشل ورک کریں گے۔ اور ایک دوسرے کے قریب رہ کر زندگی کو اب انجوائے کریں گے۔'' ذکیہ مجھے یوں دیکھنے لگی جیسے میری دماغی حالت پر شک ہو۔

''اب مجھے پاگل نہیں سمجھنا۔'' میں مسکرایا۔

مہران غزنوی ایک ڈاکٹر کے ساتھ آگیا۔

''اب آپ ٹھیک ہیں آج آپ کو ڈسچارج کیا جارہا ہے۔'' ڈاکٹر مجھے سنا رہا تھا۔

میں اور مہران ہنس رہے تھے۔

انس کے بعد مجھے یہ دوسری سچی خوشی ملی تھی۔ انس کی زندگی میں ہی نہیں میری زندگی میں بھی گلاب کھل گئے تھے۔

میری زندگی کے خار بھی گلاب بن گئے تھے۔

ہم ایک نئی زندگی کا احساس لے کر کلینک سے نکلے تھے۔ میرے ساتھ ذکیہ بھی خوش تھی شاید یہ اُس کی بھی خواہش تھی مگر بہوؤں کی موجودگی اُسے شرم روکتی تھی۔

مگر اب ایسا نہیں ہوگا۔ میں نے مسکرا کر اُسے دیکھا اور گاڑی میں بیٹھ گیا۔

☆☆......☆☆

ہمیں تو لوٹ آنا تھا

"پارس...... تم کو اصلیت کا علم ہی نہیں ہے۔ بے شک وہ جو کچھ ہوا وہ ہم دونوں کے لیے شاکڈ اور غیر یقینی تھا لیکن ایک اور سچائی بھی ہے جو تم کو پتہ نہیں کہ میں اماں کا سگا بیٹا نہیں ہوں، میں اُن کا بھتیجا ہوں میرے والدین فوت ہو گئے تو میری پھوپو......

آج کالج آف ہونے کے بعد تمام لیکچرارز اسٹاف روم میں جمع ہو کر آنے والے سالانہ فنکشن کا لائحہ عمل تیار کر رہی تھیں۔ چائے سموسوں کے ساتھ ساتھ گپ شپ بھی جاری تھی۔ باتوں کے دوران یونہی 'والدین' کے حوالے سے موضوع زیرِ بحث آ گیا۔ سب اپنی اپنی رائے بڑھ چڑھ کر دے رہے تھے۔

پارس خاموشی سے لب بھینچے اِن سب کی باتیں سن رہی تھی۔

"ماں باپ سے زیادہ محبت کرنے والی ہستیاں دنیا میں ہو ہی نہیں سکتیں۔" یہ جملہ طوبیٰ نے کہا تھا۔

"بالکل ماں باپ ہی اولاد کے لیے ہر قسم کی تکلیف برداشت کر لیتے ہیں۔" نوین نے طوبیٰ کی بھرپور تائید کی۔

"میں سمجھتی ہوں کہ باپ اس سلسلے میں زیادہ قابلِ ستائش ہے جو اپنی اولاد کی خوشی، آرام اور خواہشات کو پورا کرنے کے لیے......!"

گزشتہ چار سال سے وہ یہاں اس کالج میں ان سب کے درمیان تھی۔ اس سے پہلے گزرنے والے کئی سالوں کا درد وہ اپنے دل میں چھپائے ہردم ہنستی مسکراتی رہتی تھی۔ کبھی بھی اس نے اپنے ماضی کے بارے میں کسی سے کوئی بات شیئر نہ کی تھی۔ اپنے اندر وہ نہ جانے کیا کچھ چھپائے بیٹھی تھی کہ آج...... یوں...... اس موضوع پر وہ پھر سے بہت دکھی ہوگئی دکھ حد سے بڑھنے لگا۔ اسے ماضی سے جڑی ایک ایک بات یاد آنے لگی۔ کرسی کی پشت سے سر ٹکا کر بیٹھ گئی اور آنکھیں موند کر خود پر کنٹرول کرنے کی کوشش کرنے لگی۔ ماضی کے دریچے وا ہوتے چلے گئے۔

☆......☆......☆

شام سے ہی موسم کے تیور خطرناک لگ رہے تھے۔ مغرب کے بعد تو بارش خوب ٹوٹ کے برسی تھی۔ بادلوں کی گھن گرج، ہوا کا بے ہنگم شور اور اس کے ساتھ برستا دھنا دھن پانی ماحول میں دہشت پھیلا رہا تھا۔ پارس گھر میں تنہا تھی اسے ویسے بھی راتوں کو ہونے والی بارشوں اور گھن گرج سے خوف آتا تھا۔ وہ سہم کر کسی کونے میں دبک جاتی، اس کا ننھا سا دل لرزنے لگتا۔ ایسی بارش تو اس کی زندگی میں

طوفان لے کر آئی تھی۔ خوفناک اور دل دہلا دینے والا طوفان...... انجانے خدشات سے اس کا دل گھبرا رہا تھا۔ اوپر سے بارش کا زور تھا کہ بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ بارش کے ساتھ جب بجلی کڑکتی تو لمحے بھر کو سب کچھ یوں روشن ہو جاتا جیسے کہ دن نکل آیا ہو۔

''یا اللہ رحم کرنا۔'' اس کے لبوں سے دعا نکلی آج دن میں ابا ضروری کام سے شہر گئے تھے شام تک واپس آنے کا کہہ گئے مگر...... ابھی تک نہیں لوٹے تھے۔ ایک ابا تھے جن کے ہوتے اُسے کوئی ڈر کوئی فکر نہ ہوتی۔

''اللہ پاک میرے ابا کی حفاظت کرنا۔'' ایسی سیاہ ڈراؤنی اور خوفناک رات تھی کہ جب اماں...... اماں گھر سے نکلی تھی اور...... لوٹ کر واپس نہ آئیں۔ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے چھوڑ گئیں تھیں۔

''اماں......'' اس کے لبوں سے سسکاری نکلی۔

پارس اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھی ملک اسحق اپنے ماں باپ کے اکلوتے بیٹے تھے۔ والدین کے انتقال کے بعد وہ اپنے آبائی گھر میں ہی رہتے تھے۔ چھوٹا سا پرانے طرز کا بنا یہ گھر ان کو بہت عزیز تھا اور دوسری جانب ان کی خالہ زیتون کی فیملی بھی یہیں رہتی تھی اور زیتون خالہ کی بیٹی فیروزہ سے ملک اسحق کا رشتہ پکا ہو چکا تھا۔

دونوں ایک دوسرے کو بہت پسند کرتے تھے اور پھر بہت جلد ہی فیروزہ اُن کی زندگی میں آ گئی اللہ پاک نے بہت جلد ہی پارس کی شکل میں خوشی اُن کی جھولی میں ڈال دی دونوں میاں بیوی بہت خوش تھے۔ اُن کے چھوٹے سے گھر میں خوشیاں ہی خوشیاں تھیں۔ پارس دونوں کی آنکھوں کا تارا تھی۔ اسحق زمینوں پر کام کرتے شام کو لوٹتے تو بیٹی اور بیوی کے چہروں کو دیکھ کر ساری تھکن کافور ہو جاتی۔

پارس تیسری کلاس میں تھی کہ اچانک...... ایک رات فیروزہ بیٹے کی پیدائش پر نہ جانے کیسی پیچیدگیوں کا شکار ہو کر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے چھوڑ کر

چلی گئی۔ ابھی تو شادی کو صرف سات سال ہی ہوئے تھے۔ یہ کیسے ہو گیا؟ فیروزہ یوں کیسے جا سکتی ہے؟ اسحٰق تو نیم پاگل سا ہو گیا تھا۔ رشتے دار جاننے والے سب ہی آئے..... حوصلہ دیا..... تسلیاں دیں..... سمجھایا..... کچھ روئے بھی..... کچھ لوگوں نے مستقبل کو لے کر مشورے بھی دیے..... دلاسے کے ساتھ ساتھ ہولا پا بھی اور اپنے اپنے گھروں کو لوٹ گئے۔ بھلا کوئی کب تک ساتھ دے سکتا ہے۔ سب کی اپنی اپنی زندگی اور اپنی اپنی مصروفیت ہوتی ہے۔ ایسے میں فیروزہ کی دور پرے کی خالہ سکینہ جو پارس کی نانی لگتیں تھیں اُن کو ننھی پارس پر ترس آیا جو آنکھیں پھاڑے حیرانی سے گھر کی غمزدہ رونق کو تک رہی تھی۔ وہ پارس کے پاس رک گئیں کہ معصوم بچی کس طرح سے رہ پائے گی جبکہ اسحٰق کو سنبھلتے سنبھلتے بھی ٹائم لگنا تھا..... وہ خود بے چارہ صدمے سے نڈھال تھا بچی کو کیا سنبھالتا۔

پارس آنکھیں پھاڑے کبھی باپ کو تڑپتے دیکھتی تو کبھی اماں کے ساکت وجود کو حیرانی سے دیکھتی اماں تو یہ کہہ کر گئی تھیں کہ تمہارے بھائی کو لے کر آؤں گی۔ دعا کرنا اور پارس نے اس طوفانی رات میں ذکیہ خالہ کی گود میں بیٹھ کر بھائی کے لیے دعا مانگی تھی۔

پارس کی کتنی خواہش تھی کہ اس کا بھی ننھا سا بھائی ہو جو خوب شرارتیں کرے۔ جیسے کہ اس کی دوستوں کے بھائی شرارتیں کرتے ہیں۔ اس کی سہیلیاں سندس اور کنول جب اپنے چھوٹے بہن بھائیوں کے قصے سناتیں تب وہ فیروزہ سے پوچھتی۔

''اماں! میری بہن یا بھائی کب آئے گا؟'' فیروزہ مسکرا کر اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتی اور کہتی۔

''بہت جلد آئے گا..... تم دعا کرو'' اور وہ ننھے ننھے ہاتھ اُٹھا کر دعا کرنے لگتی۔ کتنے دن..... کتنے مہینے..... اُس نے دعا کرتے کرتے..... اس امید پر گزارے تھے کہ میرا بھی بھائی آئے گا۔ میں اس کو گود میں لے کر گھوما کروں گی۔ اُس کے چھوٹے چھوٹے کام کروں گی۔ اماں کے ساتھ مل کر اس کو نہلاؤں گی۔ بہت سارا پیار کروں گی۔ اس کے ننھے ننھے ہاتھوں کو پکڑ کر اُسے چلنا سکھاؤں گی اور..... اُس کی ساری دعائیں..... ساری تمنائیں وہیں کی وہیں رہ گئیں۔ اماں تو بھائی کیا لاتیں..... وہ تو خود بھی روٹھ گئیں تھیں..... تب ہی تو ابا کی چیخوں سے واپس نہ آئیں..... نہ یہ دیکھا کہ پارس نے آج کپڑے بھی بدلے یا نہیں..... ناشتہ کیا بھی یا نہیں..... پارس کو گود میں لے کر پیار بھی نہ کیا۔

بلکہ چپ چاپ پڑی تھیں۔ ایک بار بھی آنکھ کھول کر نہیں دیکھا کہ آج گھر میں جھاڑو بھی نہیں لگی' آج برتن بھی نہیں دُھلے' پارس کو بس کل کی گزری ہوئی خوفناک رات یاد تھی۔ بارش بھی خوب برسی تھی۔ طوفان بھی آیا تھا..... ہاں..... طوفان تو آیا تھا..... شام سے اماں کچھ ست تھیں سارے کام نپٹا کر پارس کو گود میں لٹا کر جلدی سلا دیا تھا اور پارس اماں کی گود میں سر رکھ کر جلد ہی سو گئی تھی۔

رات کا نہ جانے کون سا پہر تھا۔ بارش جم کے برس رہی تھی۔ ابا نے اُسے جگایا تھا پارس نے مندی مندی آنکھوں سے دیکھا سامنے ہی پڑوسن ذکیہ خالہ کھڑی تھیں۔

''پارس! میں تمہاری اماں کو اسپتال لے کر جا رہا ہوں تم ذکیہ خالہ کے پاس سو جانا۔''

''ہائیں..... کیوں کیا ہوا اماں کو؟'' پارس تیزی سے اٹھی اور پریشانی کے عالم میں سامنے کھڑی فیروزہ کی جانب لپکی جس کے چہرے پر تکلیف اور درد کے آثار نمایاں تھے۔

''کیا ہوا اماں؟'' پارس نے فیروزہ کے سرد ہاتھ تھام کر پریشانی سے سوال کیا۔

''کچھ نہیں ہوا گڑیا...... میں...... تیرے لیے مُنا سا بھائی لینے جا رہی ہوں...... تم پریشان نہیں ہونا اور آرام سے سو جانا......''

''اچھا......'' وہ خوش ہو گئی۔ وقت آ گیا تھا جس کا انتظار اسے کئی ماہ سے تھا۔ اماں کی تکلیف بھی بری نہیں لگی کیونکہ...... اس کے گھر میں بھی چھوٹا سا بھائی آنے والا تھا۔ جس کی خواہش اسے کافی دنوں سے تھی۔ اماں جلدی سے آ جانا۔'' اماں کا یخ ہاتھ تھام کر معصومیت سے کہا۔

''ہاں گڑیا...... صبح صبح آ جاؤں گی۔'' اماں نے گال چوم کر وعدہ کیا تھا۔

''ہاں...... وعدہ نبھایا بھی تھا...... غالباً فجر ہونے والی تھی۔ جب شور سے ننھی پارس گھبرا کر اُٹھ بیٹھی تھی۔ اماں واپس آ گئی تھی۔

''ہاں...... مگر...... وہ ہنستی ہوئی اماں نہ تھی۔ نہ ہی چھوٹا سا ہاتھ پاؤں چلاتا بھائی تھا۔ یہ...... یہ سب کیا ہو گیا تھا۔ کیسے ہو گیا تھا؟ وہ حیران سی ذکیہ خالہ کی گود میں بیٹھی چاروں جانب دیکھ رہی تھی۔ بارش تھی کہ چھما چھم برس رہی تھی۔ بجلی کی چمک سے ماحول میں دہشت پھیل رہی تھی۔ بادلوں کے شور نے ہنگامہ مچا رکھا تھا۔ ابا نے آتے ہی پارس کو سینے سے لگا کر اتنی زور سے بھینچا تھا کہ پارس ابا کی چیخ سے دہشت زدہ ہو گئی تھی۔ وہ بھی ابا کے ساتھ آنسو بہانے لگی تھی۔

روشنی ہوتے ہوتے گھر کا برآمدہ' آنگن اور کمرے لوگوں سے بھرنے لگے تھے آہستہ آہستہ گھر میں رشتہ دار جاننے والے اور محلے والے جمع ہونے لگے۔ پارس چیخ مار کر اماں کے بے جان وجود سے لپٹ گئی جو آج گھر میں آنے والے مہمانوں کی بھاگ بھاگ کر خدمتیں نہیں کر رہی تھی بلکہ چپ چپ آنکھیں موندے پڑی تھی۔ اماں تو گھر آنے والے بچے کی بھی خاطر داریاں کرتی تھی مگر آج...... ہر کوئی اس سے ہی لپٹ رہا تھا۔ اس کو دیکھ رہا تھا...... وہ تو کسی سے مسکرا کر سلام بھی نہیں کر رہی تھی۔

پھر...... اماں...... چار کاندھوں پر سوار ہو کر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے گھر سے چلی گئی۔ ساتھ میں ننھی سی سفید کپڑے میں لپٹی ایک گٹھڑی بھی تھی۔ شاید وہ بھائی تھا جس کو لانے کا وعدہ کر کے اماں گھر سے گئی تھی مگر اب اس کو لے کر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دور بہت دور جا چکی تھی۔

اماں چلی گئی گھر میں اُداسی کا راج ہو گیا۔ سکینہ نانی ساتھ رہنے لگیں۔ وقت تھوڑا سا آگے چلا اسحٰق نے بھی پارس کو دیکھتے ہوئے خود کو سنبھالا...... سب نے دوسری شادی کا مشورہ دیا مگر اسحٰق راضی نہ ہوا۔

پارس بھی بڑی ہو رہی تھی اس کو یہ گھر بہت اچھا لگتا تھا جہاں کی ایک ایک اینٹ سے اماں کی یادیں وابستہ تھیں سرخ اینٹوں سے بنا یہ پرانے طرز کا چھوٹا سا گھر جس کے کچے صحن میں درمیان میں نیم کا گھنا درخت تھا جس پر پارس نے اماں سے کہہ کر جھولا ڈلوایا تھا جس پر جھولا جھولتے ہوئے وہ اماں کے ہاتھ کے بنے بیسن کے لڈو کھاتی رہتی اور ساتھ ساتھ اسکول کا سبق بھی یاد کرتی۔ نیم کے درخت کے نیچے بچھی چارپائی پر بیٹھ کر اماں کے ساتھ قرآنِ پاک پڑھتی' اماں وہیں بیٹھ کر سبزی بناتیں' پارس کی گڑیا کے ڈھیروں کپڑے سیتی اور کپڑے کی رنگ برنگی گڑیاں بناتیں...... اور پارس وہ گڑیاں لے کر اتراتی پھرتی۔

گرمیوں کی شاموں میں اماں سورج دیواروں سے اترتا دیکھ کر صحن میں پانی چھڑک کر جھاڑو لگا دیتی۔ پھر چارپائی پر سفید چادر بچھا دیتی جس پر وہ

اپنے ہاتھ سے رنگین بیل بوٹے بناتی۔

''اماں...... مجھے بھی سکھا دو ناں...... تم کتنے اچھے پھول کاڑھتی ہو...... میں بھی کاڑھوں گی۔'' نفاست سے چلتے اماں کے ہاتھ دیکھ کر پارس بولتی۔

''ہاں ہاں گڑیا...... تجھے بھی سکھاؤں گی بڑی تو ہو جا۔'' فیروزہ اس کی پیشانی چوم کر پیار سے کہتی مگر...... پارس کے بڑے ہونے سے پہلے ہی فیروزہ خود ہی چلی گئی۔

شام کو ابا آتے تو وہیں سفید چادر پر پلنگ پر بیٹھ جاتے...... پارس ابا کی گود میں چڑھ کر دن بھر کی روداد سناتی۔ فیروزہ چائے بنا لاتی۔ ابا مزے سے چائے پینے لگتا پارس وہیں بیٹھ کر چائے پاپے کھاتی رہتی ساتھ ساتھ مزے مزے کی باتیں کرتی رہتی۔

اماں وہیں بیٹھ کر رات کی ہانڈی کے لیے سبزی بناتیں اور ساتھ ہی باپ بیٹی کی باتوں پر ہنستی رہتی۔

سب کچھ اتنا اچھا اچھا چل رہا تھا مگر اچانک...... ہی زندگی میں کیسا غموں کا طوفان آ گیا کہ سب کچھ ختم ہو گیا۔ ہر طرف اُداسی اور ویرانی چھائی رہتی۔

نہ باورچی خانے میں فیروزہ نظر آتی جو برسات میں پکوڑیں بناتی، سوجی کا حلوہ اور حلوے کے پراٹھے بناتی دکھائی دیتی نہ سردیوں میں مونگ پھلیاں بھونتی دکھائی دیتی...... نہ گرمی کی دوپہر میں ماں بیٹی نیم کے گھنے درخت کے سائے میں بیٹھ کر قرآنِ پاک پڑھتی۔ نہ رات کو سوتے وقت جنوں، پریوں اور دیو کی کہانیاں سناتی...... نہ مرضی کا ناشتہ ملتا اور نہ ہی اچھے اچھے کپڑے سینے والی فیروزہ نظر آتی۔

گو کہ زندگی بہت کٹھن ہو چلی تھی مگر اسے جینا تھا انہی حالات میں کیونکہ یہ سب کچھ اٹل حقیقت تھی۔

انسان وہی ہے جو رب کی رضا میں راضی ہو، خوشی غم، زوال، عروج، موت، زندگی یہ سب اُسی پاک ذات کے ہاتھ میں ہے اس اٹل حقیقت کو قبول کر لینا اور راضی بہ رضا رہنے میں ہی عقلمندی ہے۔ سو پارس بھی آہستہ آہستہ حالات سے سمجھوتہ کرتے کرتے آگے بڑھنے لگی۔

دن، ماہ و سال میں بدلتے چلے گئے سکینہ نانی نے ہر دم ساتھ دیا اور ان کے دم سے پارس کو اسحق کو بہت اطمینان بھی تھا۔ پارس انٹر میں تھی کہ سکینہ نانی کا انتقال ہو گیا ان کے انتقال کا پارس کو گہرا صدمہ تھا۔ انہوں نے بہت کٹھن وقت میں پارس کو بچوں کی طرح سنبھالا تھا۔ اُن کے انتقال پر ان کی بیٹی راحیلہ اور نواسہ بھی آئے تھے راحیلہ بیوہ خاتون تھیں۔ نواسا واصل دبلا پتلا سا اچھا شریف نوجوان تھا۔ جو ماسٹرز کر رہا تھا۔ سکینہ بیگم کی صرف ایک ہی بیٹی تھی اسحق کی خواہش تھی کہ سکینہ بیگم کی فاتحہ وغیرہ یہیں سے ہو اس لیے کچھ دن کے لیے راحیلہ اور واصل رُک گئے۔

واصل کو سیدھی سادی اور معصوم سی پارس اچھی لگی تھی۔ واصل نے یہاں رہتے ہوئے پارس کی پڑھائی میں بھی مدد کر دی پارس سیدھی اور معصوم سی بچی تھی کبھی غیر مرد کی طرف جھکاؤ نہ تھا۔ پڑھائی اور گھر...... دوسری جانب توجہ بھی نہیں دیتی تھی۔ مگر واصل کو دیکھ کر...... اس سے بات کر کے پارس کو اچھا لگا۔ اسے واصل اچھا لگنے لگا تھا۔ واصل کی چند دنوں کی قربت نے اس پر خوشگوار اثر ڈالا تھا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے قریب آ گئے تھے۔ ایک دوسرے کو پسند کرنے لگے تھے اور اس بات کو شاید راحیلہ اور اسحق نے بھی محسوس کر لیا تھا تب ہی آج کل آپس میں وہ لوگ بھی چپکے چپکے کچھ طے کرتے نظر آ رہے تھے...... پارس سوچ کر مسکرا دیتی۔

اسحق آج کل بہت خوش اور مطمئن نظر آ رہا تھا۔ ظاہر ہے وہ ایک جوان بیٹی کا باپ تھا بن ماں کی بچی تھی اس کے لیے سوچنا اور بہتر سوچنا اس کا فرض تھا راحیلہ

بھی خوش خوش تھیں واصل اور پارس مطمئن تھے۔
سکینہ خالہ کی فاتحہ چہلم ہوئی تو راحیلہ نے رختِ سفر باندھا...... ان لوگوں کے جانے کے خیال سے پارس اُداس ہوگئی ایسے پلک جھپکتے یہ وقت گزر گیا گوکہ واصل اپنی نانی کی موت پر آیا تھا مگر ایک غم کے ساتھ ساتھ ایک خوشی بھی میسر آ گئی تھی۔ واصل سے پارس کو اُنسیت سی ہوگئی تھی۔ راحیلہ خالہ اتنی جلدی جارہی ہیں تھوڑے دن اور رُک جاتے آپ لوگ...... آپ لوگوں کے آجانے سے رونق سی ہوگئی تھی۔ اب تو سکینہ نانی بھی نہیں ہیں۔'' پارس غمگین لہجے میں بولی۔
''ہاں بیٹی! مگر ہمیں تو واپس جانا ہی تھا۔'' راحیلہ خالہ نے اسے گلے سے لگاتے ہوئے کہا۔
''ہاں آپ لوگوں نے جانا ہی تھا اور مجھے...... مجھے پھر تنہا رہنا ہوگا...... ابا تو اپنے کام میں لگے رہتے ہیں۔'' اُس کا لہجہ آبدیدہ ہوگیا۔
''ارے جھلی ہوگئی ہے...... ایسا نہیں کہتے ہم بہت جلدی کچھ نہ کچھ کرنے والے ہیں ہمیں پتہ ہے کہ تم...... اکیلی پڑ گئی ہو۔'' اس بار اسحٰق نے راحیلہ کو دیکھتے ہوئے پارس کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔
''ہاں ہاں......'' راحیلہ بھی مسکرائی۔ واصل نے چونک کر اپنی ماں کے مسکراتے چہرے کی جانب دیکھا۔ پارس بھی تھوڑا سا چونکی۔
''مطلب...... مطلب...... یہ لوگ ہماری مرضی کو سمجھ چکے ہیں واصل معنی خیز انداز میں پارس کو دیکھ کر مسکرایا پارس بھی سر جھکا کر رہ گئی۔
''انشاءاللہ دیکھنا سب کچھ اچھا اچھا ہوگا۔ تم فکر نہ کرو۔'' راحیلہ نے کہا تو پارس سر ہلا کر رہ گئی۔ ......
پھر راحیلہ اور واصل واپس شہر لوٹ گئے اب پارس اور واصل کا رابطہ موبائل سے رہتا تھا۔ پارس مطمئن تھی اور اپنی پڑھائی میں مصروف ہوگئی دوسری جانب واصل بھی پڑھائی مکمل کر کے جاب کی تلاش میں تھا تاکہ کھل کر ماں سے بات کر سکے۔
پارس کے ایگزامز شروع ہوگئے وہ پڑھائی میں مصروف ہوگئی واصل سے بھی کم کم بات ہوتی ان دنوں اسحٰق کافی مصروف تھا۔ زمینوں کے کام الگ تھے ساتھ ساتھ کاروبار بھی اسٹارٹ کرنا چاہتا تھا۔ اس وجہ سے اکثر فون پر بھی مصروف رہنے لگا تھا۔
اس روز بادل بہت گھر کر آئے تھے گوکہ بارش نہ ہوئی تھی مگر موسم بہت ابر آلود تھا اس روز اسحٰق کو کسی کام سے شہر جانا تھا اور وہ یہ کہہ کر گیا تھا کہ شام تک لوٹ آئے گا اور تمہارے لیے تحفہ بھی لے کر آؤں گا۔ پارس کا دل خوب صورت انداز مین دھڑک اٹھا تھا۔ یقیناً واصل سے بات طے کرنے جارہا تھا۔ سارا دن وہ یونہی بے کل رہی شام سے بارش شروع ہوگئی موسم کی خرابی کی وجہ سے موبائل نیٹ ورک بھی متاثر تھے وہ یونہی اِدھر اُدھر پھرتی رہی جیسے جیسے شام ہورہی تھی اس کی گھبراہٹ میں اضافہ ہورہا تھا۔ اسے ویسے بھی ایسے موسم سے ڈر لگتا تھا ابا سے کوئی رابطہ نہ تھا۔ واصل سے بھی بات نہیں ہو پا رہی تھی۔ وہ بہت بہت پریشان ہوگئی تھی۔ بارش تھی کہ آج کے بعد نہ برسنے والی تھی۔ نہ جانے کس پہر اس کی آنکھ لگی بارش ذرا دیر کو رُکی تھی۔ دروازے پر زوروں کی دستک ہورہی تھی وہ ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھی۔
ساتھ ہی موبائل پر بھی کال آرہی تھی کافی سارے میسجز بھی تھے۔ وہ موبائل کو نظرانداز کر کے دوپٹہ اوڑھ کر دروازے کی طرف بھاگی۔
''ابا کہاں رہ گئے تھے؟'' دروازہ کھول کر وہ اسحٰق سے لپٹ گئی۔ مگر پیچھے ہی راحیلہ کو دیکھ کر پہلے چونکی اور پھر خوش ہو کر اس سے لپٹ گئی۔
''راحیلہ خالہ آپ......'' وہ لوگ اندر آگئے اسحٰق کچھ پزل پزل تھا۔

''راحیلہ خالہ اب آپ تب تک نہیں جانا جب تک ابا کے سارے کام نہیں ہوجاتے۔ آج کل ابا مجھے بھی ٹائم نہیں دیتے۔'' پارس نے راحیلہ کو بیڈ پر بیٹھاتے ہوئے شکایتی انداز میں کہا۔

''اب تمہاری خالہ کہیں نہیں جائیں گی۔ ہمیشہ تمہارے ساتھ رہیں گی تم اکیلی نہیں رہو گی۔ تمہیں 'ماں' کی ضرورت تھی ناں...... اس لیے میں راحیلہ کو ہمیشہ کے لیے لے کر آ گیا۔ اب یہ تمہاری خالہ نہیں 'اماں' ہیں کیونکہ ہم نے نکاح کرلیا ہے۔''

''کیا......؟'' پارس جو خود راحیلہ کے برابر میں بیٹھنے لگی تھی بجلی کی سی تیزی کے ساتھ دوبارہ کھڑی ہوگئی۔ اسے لگا جیسے ابا نے اس کے سر پر بم دے مارا ہو۔ یہ...... یہ حل نکالا تھا انہوں نے میری تنہائی دور کرنے کا...... عمر کے اس حصے میں جبکہ بیٹی کی شادی کرنے کا وقت تھا۔ اس وقت اپنی شادی رچا کر بیٹھ گئے تھے۔ یہ تو اپنی تنہائی کا علاج کیا تھا انہوں نے...... پارس منہ کھولے اس تلخ اور غیر یقینی سچائی پر غور کر رہی تھی۔ اُسے ابا کے وجود سے گھن آ رہی تھی۔

یہ کیا کر ڈالا تھا انہوں نے؟ ابا راحیلہ کو لے کر دوسرے کمرے کی جانب بڑھ گئے تھے۔ موبائل پر واصل کی کال آ رہی تھی۔ پارس لڑکھڑاتے قدموں سے فون کی جانب بڑھی آف کیا اور سم نکال کر توڑ دی اور بیڈ پر گر کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ اس کے تو سارے خواب چکنا چور ہوگئے تھے ریزہ ریزہ ہو کر بکھر چکے تھے۔

ایک بار پھر بارش' طوفان اور بجلیاں اس کے دل کے آشیانے پر گر گئیں تھیں اور اس کے ارمان' معصوم خواہشیں اور محبت طوفان میں تباہ برباد ہوگئی تھیں۔ پھر وہ اپنا مختصر سا سامان لے کر ہوسٹل آ گئی۔ اسحٰق نے روکنے کی کوشش بھی کی مگر پارس فیصلہ کر چکی تھی اور ایک انچ بھی فیصلے سے ہٹنے کو تیار نہ تھی۔ دن مہینے اور سال میں بدلتے رہے۔

اب وہ مقامی کالج میں لیکچرار تھی۔ وہیں ہوسٹل میں رہتی' دھیمے مزاج اور خوب صورت لہجے میں بات کرنے والی مس 'پارس اسحٰق' کالج کی ہر لڑکی کا آئیڈیل تھی۔ اس کی کولیگ بھی اُسے بہت پسند کرتی تھیں۔ اس کی عزت کرتے تھے کبھی بھی اس کو کسی نے اونچی آواز میں بات کرتے نہ دیکھا' کبھی وہ غصہ نہیں کرتی' سب لوگ اس کو پسند کرتے تھے۔

لیکن آج یوں اچانک سے اسے ٹوٹتا دیکھ کر ساری کولیگ ہی حیران تھیں اتنے عرصے میں پہلی بار پارس کو اتنا جذباتی ہوتا ہوا دیکھا تھا۔

''میم پانی پی لیں۔'' اقصیٰ (کولیگ) گلاس بڑھاتے ہوئے بولی۔

''اوہ سوری!'' وہ شرمندہ سی ہو رہی تھی آج اتنے سال بعد نہ جانے کیوں اس کے اندر کا طوفان یوں بپھر گیا تھا۔ وہ تو خود پر کنٹرول کر کے گزشتہ آٹھ سال سے زندگی گزار رہی تھی۔ ابا اور راحیلہ خالہ کی وفات پر بھی وہ رسماً گئی تھی۔ مبادا واصل سے سامنا نہ ہوجائے۔ وہ واصل کی نظر میں خود کو شرمندہ محسوس کر رہی تھی۔

پانی پی کر وہ ریلیکس ہوئی آج اسٹوڈنٹس کی چھٹی کے بعد ساری ٹیچرز مل کر سالانہ فنکشن کی تیاری کے حوالے سے بات چیت کرنے رُک گئیں تھیں۔ تب ہی یوں بات نکلی اور...... یہ سب کچھ ہوا۔

''میڈیم پارس! آپ سے کوئی صاحب ملنے آئے ہیں۔'' پیون نے آ کر اطلاع دی۔

''مجھ سے......؟ اچھا انہیں گیسٹ روم میں بٹھائیں میں آتی ہوں۔'' کہہ کر اپنا پرس اٹھایا دوپٹے کو سلیقے سے اوڑھ کر وہ گیسٹ روم کی جانب آ گئی۔

روم میں داخل ہوئی تو نظریں سامنے صوفے پر بیٹھے شخص کو دیکھ کر جم گئیں۔

''وا...... واصل...... تم یہاں...... کیوں آئے......'' حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر سوال کیا۔

''پلیز پارس...... ٹھنڈے دل سے میری بات سنو! جس طرح تم اپنے ابا سے نالاں ہو ویسے ہی میں بھی اپنی ماں سے ناراض تھا۔ مجھے پتہ نہیں چلا یہ سب کیسے ہوگیا؟ مگر تم...... تم...... نے مجھ سے ہر ناطہ ہر رشتہ یوں ختم کر ڈالا۔ مجھے کس بات کی سزا دی۔ میرا کیا قصور تھا۔ مجھے کیوں اپنی زندگی سے بے دخل کیا۔ میری کوئی حیثیت نہ تھی ہم لوگوں نے کچھ سپنے دیکھے تھے۔ کچھ خواب تھے ہمارے......''

''چپ ہو جاؤ واصل!'' پارس نے اس کی بات درمیان سے کاٹ کر سخت لہجے میں کہا۔

''جب میرا اور تمہارا ایک نیا رشتہ بن گیا ایسا رشتہ کہ جس کے بارے میں ہم سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ بھلا میں کس طرح...... اور کیسے تم سے رابطہ رکھ سکتی ہوں...... اس لیے بہتر یہی ہوگا کہ تم واپس لوٹ جاؤ۔''

''پارس...... تم کو اصلیت کا علم ہی نہیں ہے۔ بے شک وہ جو کچھ ہوا وہ ہم دنوں کے لیے شاکڈ اور غیر یقینی تھا لیکن...... ایک اور سچائی بھی ہے جو تم کو پتہ نہیں کہ میں اماں کا سگا بیٹا نہیں ہوں...... میں اُن کا بھتیجا ہوں میرے والدین فوت ہوگئے تو میری پھوپو (راحیلہ) نے مجھے پالا پوسا وہ میری رشتہ دار تھیں۔ میری سگی ماں نہیں تھیں اور یہی بات میں تم کو اس روز بھی کال کر کے بتانا چاہ رہا تھا۔ میسجز بھی کیے مگر...... تم نے تو سارے راستے بند کر دیے حتیٰ کہ گھر بھی چھوڑ دیا۔ اور ابھی کل ہی میں نے ٹی وی پروگرام میں کالج فنکشن میں تمہیں دیکھا تو پتہ معلوم کر کے چلا آیا تاکہ سچائی بیان کرسکوں۔''

''کیا...... تم...... تم راحیلہ خالہ کے بیٹے نہیں ہو؟'' پارس آنکھیں پھاڑے اس کی باتیں سن رہی تھی۔

''ہاں یار...... اور آج بھی میں تمہیں چاہتا ہوں تب ہی تو پانچ سال دیارِ غیر میں رہ کر بھی دل نہ لگا اور پچھلے تین سال سے دوبارہ واپس آ کر پاکستان میں سیٹل ہوگیا۔ مجھے ایک دن کے لیے بھی تم بھولی نہیں ہو۔ پارس میں نے تم سے سچی محبت کی تھی۔ تمہارے ساتھ کی تمنا کی تھی اسی لیے آج تک میں اکیلا ہوں۔ تمہارے بعد کوئی بھی تم جیسی نہ ملی میں آج بھی تمہارا طالب ہوں۔ کیا تم کو میرا ساتھ قبول ہے۔ وہ سراپا سوال بن کر سامنے بیٹھا تھا۔

''واصل! یہ جگہ ایسی باتوں کی نہیں ہے۔ میں یہاں پر لیکچرار ہوں۔'' پارس جھینپ کر بولی۔

''اوکے اوکے! پھر تم جہاں کہو وہاں آ کر پرپوز کر دوں گا۔ ٹھیک ہے میں چاہتی ہوں میں لوٹ کر اپنے والدین کے گھر چلی جاؤں شاید اس طرح کچھ غلطیوں کا کفارہ ہوسکے۔ انجانے میں دیے گئے دکھوں کا مداوا ہوسکے۔ بلیک کاٹن کے پرنٹڈ سوٹ میں وہ دل میں اتری جا رہی تھی۔ راحیل نے گہری نظروں سے اُس کو دیکھا۔

''اوکے۔'' وہ مسکرائی۔

''تھینکس میم!'' جھک کر سینے پر ہاتھ رکھ کر کورنش بجا لایا۔

''لیکن اب کے آتے آتے قاضی کو بھی لیتا آؤں گا۔'' جاتے جاتے وہ کانوں میں رس گھول کر گیا تھا۔

زندگی کے طویل اور تھکا دینے والے سفر کے بعد آج کئی برسوں بعد پارس کے چہرے پر صحیح معنوں میں اطمینان تھا۔

''مبارک ہو میم۔ ہم سب بھی آ رہے ہیں مٹھائی کھانے۔'' تب ہی کولیگس نے ہلہ بول دیا اور پارس کے چہرے پر شرمگیں مسکراہٹ پھیل گئی۔

☆☆......☆☆

افسانہ

سرپرائز

"دیکھیں میں تو ہمیشہ حق بات کہتی ہوں' آج کل کا زمانہ بہت ہی تیز رفتار ہے۔ لڑکے لڑکیاں بہت سے فیصلے اب خود ہی کر لیتے ہیں اور جس طرح کی یونیورسٹی میں ہمارے بھتیجے صاحب تعلیم حاصل کر رہے تھے وہ بہت ہی ہائی فائی قسم کی تھی۔ لڑکے لڑکیاں بہت......

گھر کے سارے افراد اس وقت بڑے کمرے میں جمع تھے اور سب ہی کے چہرے کسی انجانے جوش سے پُر تھے۔ ہر کوئی اس آنے والی گھڑی کا بڑی شدت سے انتظار کر رہا تھا۔ دادی جان ہاتھ میں تسبیح لیے تخت پر بیٹھی حسبِ معمول عصر کے بعد کا وظیفہ پڑھ رہی تھیں۔ تو امی جان دونوں لڑکیوں کو چائے کے ساتھ دو تین لوازمات تیار کرنے کی ہدایت کر رہی تھیں۔ کشور پھوپو وقت گزاری کے لیے میگزین کے صفحے پلٹ رہی تھیں۔ دونوں لڑکیاں رمنا اور علینہ امی کی ہدایت اَن سنی کر کے آپس میں کھسر پھسر کر رہی تھیں۔ انہیں یقین تھا کہ ان کا اندازہ درست ہوگا جب کہ باقیوں کا غلط...... اسی طرح ہر کوئی اپنی اپنی جگہ اپنے ہی اندازے کو سو فیصد درست خیال کر رہا تھا۔

"میرے بیٹے کو اس دفعہ بہت بڑی کامیابی ملی ہے' میں تو محلے بھر میں مٹھائی بانٹوں گی' میرا بیٹا ساری ساری رات جاگ کر پڑھتا تھا' آخر اس محنت کا صلہ تو ملنا ہی تھا۔" امی نے دعاؤں کی کتاب بند کر کے امید سے کہا۔

"اے بہو' بس جانے دو۔" دادی جان نے پوتے کا تصور کر کے پہلے اُس پر پھونکا' پھر اپنے اوپر پھونک ماری اور پھر بہو کی طرف متوجہ ہو کر ناپسندیدگی سے گویا ہوئیں۔

"میں کب سے اپنے بچے کو کہہ رہی تھی کہ میرے پاسپورٹ کی تاریخ نکل چکی' نیا پاسپورٹ بنوا دو' مجھے لگتا ہے کہ پاسپورٹ بن کر آ چکا تھا اور اب میرے لاڈلے نے میرا ویزا ابھی لگوا دیا ہے۔ بس میں اب جلد ہی اُس کے ساتھ عمرے کے لیے چلی جاؤں گی' یہی خوشخبری سنانے کے لیے اس نے میرے ساتھ ساتھ تم لوگوں کو بھی یہاں جمع کر لیا ہے۔" دادی معصومیت سے کہہ رہی تھیں۔ جواب میں امی نے دل ہی دل میں ان کی سادگی کی داد دی۔ لیکن کشور پھوپو ہمیشہ کی منہ پھٹ' وہ بھائی' بھابی' بھتیجیوں کی کسی بات کو نظر انداز نہیں کرتی تھیں۔ تو ماں کی انہونی باتوں کو کیسے سُن لیتیں فوراً ہی پہلو بدلا۔

''ارے اماں کیسی باتیں کرتی ہیں' پاسپورٹ ابھی بن کر سامنے آیا نہیں اور ویزہ لگ گیا۔ بھائی جان کے کیا سعودیوں سے خصوصی تعلقات ہیں جو اتنی آسانی سے اجازت نامہ مل جائے گا۔ ایسا کچھ نہیں ہے۔''

''اے کشور' جب بھی بولے گی دل ہی جلائے گی۔'' دادی نے سخت خفگی سے بیٹی کو دیکھا۔

''تو اماں ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہوں' آپ دیکھ لیجیے گا یہ حارث نے نہ تو کامیابی کے جھنڈے گاڑے ہیں اور نہ ہی آپ کے حج' عمرے کا بندوبست کیا ہے بلکہ میرے خیال.....''

''کشور' خدا کے لیے تم تو خاموش ہی رہا کرو۔'' امی کو بھی نند کا اپنے اندازے کو ایک جھٹکے سے رد کرنا ذرا پسند نہیں آیا تھا اسی لیے اُن کی بات پوری ہونے سے پیشتر ہی ناگواری سے بولیں۔

''ارے بھابی جی' پہلے بات تو پوری سن لیں۔ حارث اگر آپ کا اکلوتا بیٹا ہے تو میرا بھی تو اکلوتا بھتیجا ہے اور میں تو حق بات کہتی ہوں' میں کوئی اس کے خلاف تھوڑی کچھ کہہ رہی ہوں۔'' کشور کے ماتھے پر بل آئے تھے۔

''اچھا تو پھوپو آپ کا کیا خیال ہے' بھائی جو آج ہم سب کو ایک بڑی خوشخبری سنانے کا کہہ کر گئے ہوئے ہیں اور اب کسی دم ہی وہ اس خوشخبری کو لیے آئیں گے تو وہ کیا ہوگی۔'' رمنا تھوڑی کے نیچے ہتھیلی جماتے ہوئے کشور سے آنکھیں پٹپٹاتے ہوئے بولی۔

''ارے بابا تو وہی تو بتا رہی ہوں' اچھا چلو' تم کہو' تمہارا کیا خیال ہے تمہارا بھائی کون سا سرپرائز ہم کو دینے والا ہے۔'' کشور نے پہلے بھتیجی کو ہی دعوت دی۔

''میرے خیال سے.....'' رمنا نے سامنے

دیوار پر نظر جمائی۔

''میرے خیال سے تو بھائی کو کسی دوسرے شہر میں کوئی اچھی جاب مل گئی ہے اور اب وہ وہاں جانے والے ہیں۔ایک دفعہ کہہ رہے تھے نا کہ اُن کے دوست کے والد اسلام آباد والے آفس میں اُن کو جاب آفر کر رہے ہیں۔''

''آئے ہائے رمنا ایسی بات نہ کرو' میرے اکلوتے بیٹے کو میری ہی نظروں سے دور کر رہی ہو' تم دونوں تو بیاہ کر دوسرے گھر چلی جاؤ گی' میرے گھر کی رونق تو یہی ہوگا۔'' امی تو بیٹے کے شہر سے باہر جانے کا سوچ کر ہی دل گئیں تھیں۔

''اور تم کہو علینہ تم کیا سوچ بیٹھی ہو؟'' اب کشور کا رُخ چھوٹی بھتیجی کی طرف تھا۔

''مجھے تو لگتا ہے کہ بھائی کا کوئی بانڈ کھل گیا ہے۔ وہ اتنے سارے بانڈ لے کر رکھتے بھی تو تھے۔ بس اب وہ تھیلا بھر کر نوٹ لے کر آئیں گے۔ میں نے تو ایک لسٹ بھی بنالی اپنی چیزوں کی' میں تو ساری فرمائشیں پوری کرواؤں گی۔'' وہ مزے سے بولی۔

''ہمیشہ بیوقوفوں والی بات کرنا۔'' رمنا جھلائی۔

''تم چھوٹی ہونا تو چھوٹی ہی بات کرتی ہو۔'' پھوپو نے گردن جھٹکی۔

''ایسا کیا کہہ دیا میں نے؟'' علینہ ٹھٹکی۔

''اے ہے میں نے تو یہ سنا ہے کہ بانڈ کی آمدنی حلال نہیں۔'' دادی گھبرائیں۔

''ہاں اماں' یہی بات ہے' پھر اب کیا کریں گے ہم' اتنے لاکھوں روپے کہاں رکھیں گے' کہاں خرچ کریں گے۔'' امی بھی پریشان ہوئیں۔

''اس رقم سے تو نہ تو عمرہ ہوسکتا ہے اور نہ.....''

''اُفوہ اماں' آپ لوگ بھی کہاں پہنچ گئے' علینہ تو بچی ہے اور اسی طرح ایک بچپنے کا اُس نے اظہار کر دیا آپ بھی بس۔'' کشور نے ماں' بھابی کی گفتگو میں جھنجلا کر انٹری دی۔

''بہت ہی ندیدی ہو تم علینہ۔اور آپ یہ کیوں بھول رہی ہیں کہ حارث بانڈ صرف رقم کو محفوظ رکھنے کے لیے لیتا ہے۔انعام کے لالچ میں نہیں۔'' کشور نے ماں سے کہا اور بھتیجی کو آنکھیں دکھائیں۔

''پھوپو.....'' علینہ نے احتجاج کیا۔

''ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہیں پھوپو۔'' رمنا نے بھی پھوپو کا ساتھ دیا۔

''اچھا بس.....!'' اب کے امی نے رمنا کو گھرکا تو وہ خاموش ہوئی۔ کتنی ہی گھڑیاں اسی طرح گزر گئیں۔ سب ہی انتظار کی تصویر بنے ہوئے تھے۔

''پھوپو آپ نے بتایا نہیں' بھلا وہ خوشخبری کیا ہوگی؟'' رمنا نے ایک دفعہ پھر کشور کو متوجہ کیا۔

''آں..... ہاں۔'' کشور نے ہاتھ میں پکڑا رسالہ میز پر اچھالا.....

''کہنے کو تو میں کہے دیتی ہوں' لیکن......'' وہ چند لمحے رُکی۔

''دیکھو آپ لوگ تو جانتے ہو کہ میں تو حق بات ہی کہتی ہوں۔''

''ہاں جی' خوب جانتے ہیں۔'' امی نے کچھ طنزیہ کہا۔

''اے کشور اب کہہ بھی دو' اتنی دیر سے پہیلیاں کیوں بجھوا رہی ہو۔'' اب کے دادی نے بھی کچھ برا منایا تھا۔

''اماں اس میں کوئی شک نہیں کہ حارث بہت ذہین اور سمجھدار ہے اور اس میں بھی کوئی

شک نہیں کہ اس نے جو تعلیم حاصل کی ہے اس کی بھی ہمارے ملک کے اداروں میں بہت مانگ ہے اور بے شک نتیجہ آتے ہی یا اُس سے پہلے ہی بہت اعلیٰ جاب بھی اس کی منتظر ہوگی۔''

''تو پھر تمہیں شک کس میں ہے وہ کہو نا؟'' امی کچھ بے چینی سے بولیں۔

''دیکھیں میں تو ہمیشہ حق بات کہتی ہوں' آج کل کا زمانہ بہت ہی تیز رفتار ہے۔ لڑکے لڑکیاں بہت سے فیصلے اب خود ہی کر لیتے ہیں اور جس طرح کی یونیورسٹی میں ہمارے بھتیجے صاحب تعلیم حاصل کر رہے تھے وہ بہت ہی ہائی فائی قسم کی تھی۔ لڑکے لڑکیاں بہت کھلے ڈھلے ماحول میں تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ پھر ظاہر ہے ایسے ماحول میں جب آزادی میسر ہو تو لڑکے لڑکیاں اپنی زندگی کے فیصلے کرتے دیر نہیں لگاتے۔'' کشور نے لب کاٹے۔

''کشوررر......'' امی نے تو دل پر ہاتھ رکھ لیا تھا۔

''تمہیں پتہ ہے تم کیا کہہ رہی ہو۔'' امی کانپنے لگی تھیں۔

''اسی لیے تو میں کہتی ہوں کہ چاہے کسی کو برا لگے' لیکن کہتی میں حق سچ بات ہوں۔''

''بس بس کشور۔'' دادی نے ایک نظر بہو کو دیکھا جن کی حالت کشور کی بات سن کر غیر ہو رہی تھی پھر بیٹی کو گھورا اور آنکھوں ہی آنکھوں میں اس کو ایسی بات کرنے سے باز رکھا۔

''میرا بچہ بہت فرمانبردار اور تابعدار ہے۔'' دادی نے اپنے لفظوں سے امی کی ڈھارس بندھائی۔

''مجھے معلوم ہے لیکن ماحول کا اثر بھی ہم جیسوں پر ہی ہوتا ہے۔ وہ لاکھ چہیتا' لاڈلا اور آنکھ کا تارا سہی لیکن جب......''

''پھوپو پلیز......'' رمنا بھی کشور کی ایسی صاف صاف بات سن کر روہانسی ہوگئی تھی۔

''میرا بیٹا کبھی ایسا نہیں کر سکتا کہ......'' امی سے اس سے آگے نہ بولا گیا۔ کمرے کا ماحول کشور کی بات سے یکدم ہی بدل گیا تھا۔ وہ سب جو خوشی خوشی حارث اور اس کے سرپرائز کا انتظار کر رہے تھے۔ اب فکرمند ہو چکے تھے۔

''پھوپو' آپ ڈرامے بہت دیکھتی ہیں نا' اسی لیے آپ کے ذہن میں یہ خیال آیا۔'' چھوٹی علینہ نے بڑے پتے کی بات کی تھی۔

''ہاں تو یہ ڈرامے' فلمیں ہمارے ہی معاشرے کی عکاسی کرتے ہیں' کوئی چاند کی مخلوق یا ان کے معاشرے کا ماحول تو نہیں دکھاتے' تمہارے بھائی نے کورٹ میرج کر لی ہے' اور وہ یہی سرپرائز دینے کے لیے ہمیں یہاں جمع ہونے کے لیے کہہ گیا ہے۔'' کشور کا لہجہ دوٹوک اور انداز اتنا پُریقین تھا کہ وہ سب لمحہ بھر کو چپ کر گئے تھے۔ کمرے کے باقی چاروں نفوس جو کچھ دیر پہلے مختلف اندازے لگا کر خوش تھے اب سب ہی کی سوچ ایک مختلف نکتہ پر مرکوز ہو چکی تھی اور نہ چاہتے ہوئے بھی اُن کو کشور ہی کچھ کچھ درست لگ رہی تھی۔ سب خاموش بیٹھے ایک دوسرے سے نظریں چرائے گھڑی کی سوئیوں کو دیکھ رہے تھے۔ آج نہ جانے کیوں سوئیوں کی رفتار بھی بہت سُست ہوگئی تھی۔ ابھی مغرب میں کچھ دیر تھی تبھی اطلاعی گھنٹی پر وہ سب چونکے تھے۔

گھر میں کام کرنے والے لڑکے نے دروازہ کھولا تھا۔ حارث کی گاڑی اندر آئی تھی۔ اونچا لمبا حارث گاڑی سے نکلا' دوسرا دروازہ کھول کر کوئی اور بھی دروازے سے نکلا تھا۔ سب ہی کی نظریں بڑے کمرے کے دروازے پر تھیں اور پھر

دونفوس کے ساتھ ساتھ کمرے میں داخل ہوئے۔ امی کے ٹھنڈے ہوتے ہاتھوں کو رمنا نے اپنے ہاتھوں میں تھاما۔

''السلام علیکم! آپ سب لوگ یہاں بیٹھے ہیں۔'' حارث نے کمرے میں داخل ہوکر سب کو سلام کیا اور مسکرا کر سب کو کمرے میں اکٹھے دیکھ کر حیرت سے بولا۔

لیکن اس کے سوال کا تو کیا' سلام کا بھی جواب کوئی نہ دے سکا تھا۔ وجہ وہ لڑکی تھی جو حارث کے پہلو میں کھڑی تھی اور ہلکی سی مسکراہٹ اُس کے چہرے کو بھی رونق بخش رہی تھی۔ امی' دادی' رمنا اور علینہ سب ہی بغیر پلک جھپکے اس لڑکی کو دیکھ رہے تھے جو بڑا اچھا لباس پہنے اور دوپٹہ قرینے سے کندھوں پر پھیلائے ہوئے تھی۔

چاروں کے دماغ میں بیک وقت یہی خیال آیا تھا کہ ان کے اندازے کانچ کے برتن کی طرح ریزہ ریزہ ہو چکے تھے جبکہ کشور...... کشور کا اندازہ......''

''امی یہ ماریہ ہے' پچھلے چار سال سے میرے ہی ساتھ پڑھ رہی ہے اور ماریہ یہ میری امی' یہ دادی' یہ پھوپو' اور یہ دونوں بہنیں رمنا' علینہ۔'' حارث تعارف کی رسم نبھارہا تھا۔

''السلام علیکم!'' ماریہ نے انگریزی لب ولہجہ میں سب کو سلام کیا' لیکن جواب اب بھی ندارد۔

''تو کیا یہ انگریز ہے اور حارث نے انگریز لڑکی سے...... اُف۔'' امی سے اس سے زیادہ نہ سوچا گیا انہیں ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے ان کا دل دھڑکنا بھول جائے گا۔ دوسری طرف کشور وہ واحد تھی جس کے لیے یہ سب غیر متوقع نہ تھا اس کے چہرے پر ایک طنزیہ مسکراہٹ کھیل رہی تھی جیسے سب سے کہہ رہی ہو۔

''دیکھا میں نے کیا کہا تھا' میں تو حق بات ہی کرتی ہوں' اب دیکھ لیا نا تم سب نے۔''

''آپ لوگ خاموش کیوں ہیں؟' اب پریشان ہونے کی باری حارث کی تھی۔

''حارث...... حارث یہ لڑکی؟'' سب سے پہلے امی کے ہونٹوں سے ہی ادھورا جملہ ادا ہوا۔

''یہ انگریز ہے؟'' پھوپو نے امی کا جملہ مکمل کیا۔

''جی یہ کینیڈین ہے عیسائی مذہب سے تعلق ہے۔ اس کے والدین پہلے یہیں رہتے تھے دو سال پہلے کچھ مسائل ہوئے تو وہ واپس چلے گئے اور یہ تعلیم کی وجہ سے یہیں رہ گئی۔''

''تو اب یہ کہاں رہتی ہے؟'' یہ سوال دادی نے کیا تھا۔

''میں ہاسٹل میں رہتی ہوں۔'' ماریہ نے انگریزی لہجے میں اردو میں کہا۔

''تم اسے یہاں......'' امی سے اب بھی پورا سوال نہ ہوا۔

''امی جان' میں نے آپ سے کہا تھا نا کہ آج میں آپ لوگوں کو ایک بہت بڑی خوشخبری سناؤں گا' جو میری زندگی کی سب سے بڑی خوشی ہوگی۔''

''تو وہ خوشی کیا یہ ہے؟'' دادی نے چبھتی نظروں سے اپنے لاڈلے کو دیکھا۔

''دادی جان' ماریہ بہت سمجھدار اور اچھی لڑکی ہے۔ مغربی ماحول میں رہنے کے باوجود اس کی ساری عادات مشرقی لڑکیوں والی تھیں اور اسی وجہ سے ہماری دوستی ہوئی۔ آج میں اسے آپ سب سے اس لیے ملوانے لایا ہوں کہ ماریہ نے ایک بہت اہم فیصلہ کیا ہے۔ بلکہ اپنی زندگی کا سب سے اہم فیصلہ جو اس کی آئندہ زندگی کو بدل کر رکھ دے گا اور اس فیصلے کے پیچھے کئی مہینوں کی سوچ وبچار ہے۔''

''تو کیا حارث نے اس عیسائی لڑکی سے......'' امی کی آواز پھر لڑکھڑائی تھی۔

''اہل کتاب سے تو جائز ہے' اور جس میں اتنی

خوبیاں ہوں تو......'' پھوپو نے ایک بار پھر معنی خیزی سے کہا جسے پاس بیٹھی امی اور دادی نے بخوبی سنا تھا اور دادی نے خشمگیں نظروں سے بیٹی کو گھورا۔ حارث اور ماریہ کچھ فاصلے سے سامنے صوفے پر تھے۔ ان تک آواز نہیں پہنچ پائی تھی۔

''جب اس نے اپنے فیصلے سے مجھے آگاہ کیا تو مجھے حیرت کے ساتھ ساتھ خوشی بھی بہت ہوئی۔ پھر میں نے اس کے اس فیصلے میں پورا ساتھ دیا۔'' حارث کہہ رہا تھا اور سب بت بنے اُس کی گفتگو سن رہے تھے۔

''تو تُم ہم کو بھی تو اپنے اس فیصلے میں شریک کر لیتے۔'' پھوپو نے کچھ جتلاتے ہوئے کہا۔

''آپ لوگوں کو کر تو رہا ہوں۔'' حارث جلدی سے بولا۔

''اب نا' پہلے ہی بتا دیتے۔'' دادی نے بھی خفگی سے کہا۔

''اوہ' اچھا لیکن بہر حال ماریہ نے جب دل کی پورا رضا مندی دے دی تو میں اِسے یہاں آپ کے پاس لے آیا۔''

''اور اس کے گھر والے؟'' کشور پھوپو نے پھر سوال کیا۔

''وہ لوگ ابھی ناراض ہیں' لیکن بہت جلد مان جائیں گے۔'' ماریہ کے لہجے میں امید تھی۔

''ہاں انشاء اللہ......'' حارث نے محبت بھری آنکھوں سے ماریہ کو دیکھا۔

''آؤ' ماریہ تم دادی جان کے پاس بیٹھو' امی آیئے' دادی جان ماریہ نے بہت سوچ سمجھ کر اسلام قبول کرنے کا فیصلہ کیا ہے اور آج میں اِسے آپ کے پاس اسی لیے لایا ہوں کہ آپ دونوں اسے کلمہ پڑھائیں۔''

''کلمہ......!''

''مسلمان ہو رہی ہے؟'' بیک وقت مختلف آوازیں آئیں تھیں۔

''حارث تم کیا کہہ رہے ہو؟'' امی نے متحیر انداز میں کہا۔

''امی' ماریہ آج یہاں مسلمان ہونے تو آئی ہے۔ میں نے تو اس کا اسلامی نام مریم سوچا ہے۔ لیکن آپ دونوں جو بہتر سمجھیں وہ نام رکھ دیجیے گا۔'' حارث مسکرا رہا تھا۔

حارث نہ جانے کیا کیا کہہ رہا تھا وہ سب حیرت سے گنگ تھے۔

''اور امی آپ کو ایک اور بہت بڑی خوشخبری سناؤں؟'' وہ چند لمحے رُکا۔

''ماریہ بلکہ مریم کو میں نے اپنی بہن بنالیا ہے اور آج سے آپ کی دو نہیں بلکہ تین بیٹیاں ہیں۔''

حارث مگن انداز میں کہہ رہا تھا۔ ماریہ اس دوران دادی کے پاس بیٹھ چکی تھی۔ اور امی...... امی کے سینے سے بڑا بھاری بھرکم بوجھ سرک گیا تھا۔ انہوں نے ماریہ کے سر پر محبت سے ہاتھ پھیرا تھا اور پھر کشور کو بڑی جتلاتی نظروں سے دیکھا۔ جیسے کہہ رہی ہوں۔

''دیکھا...... میرے بیٹے کو' میں نا کہتی تھی وہ بہت سمجھدار اور سعادت مند ہے۔'' دوسری طرف کشور کسی سے نظریں نہ ملا پا رہی تھی۔

''آؤ بیٹی میں تمہیں وضو کرادوں۔'' دادی ماریہ سے کہہ رہی تھیں۔

''پھوپو میں نے کہا تھا نا کہ آپ ڈرامے اور فلمیں بہت دیکھتی ہیں' آئندہ سے کم دیکھا کیجیے گا۔'' علینہ کو بھی بڑی دیر بعد کھل کر بولنے کا موقع ملا تھا۔ اور کشور......! اُسے اب اس کمرے میں اپنی جگہ نظر نہیں آرہی تھی۔

☆☆......☆☆

افسانہ

شیریں تبسم

میں تمہاری پونم

''یہ لے آئی ہوں انڈے اب جلدی سے ابالنے کے لیے رکھ دے آج انڈہ گریبی بنالے۔'' اُس نے بے دلی سے تھیلا ماں کے ہاتھ سے لیا۔ کچن میں جاکر اس نے انڈے اُبالنے کے لیے دھوکر چولہے پر چڑھا دیے۔ پھر آٹا گوندھنے لگی جب تک......

دونوں ندی کے کنارے بیٹھے ہوئے ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا سے لطف اندوز ہورہے تھے۔ پورنما آج انتہائی خوش تھی۔ اپنے من پسند سیاہ رنگ کی ساڑھی پہنی ہوئی تھی۔

''کیا میں تم کو ہمیشہ سے ہی اچھی لگتی تھی پریتم؟''

''ہاں ہاں میری پونم یہ سچ ہے تم مجھے ہمیشہ سے ہی اچھی لگتی ہو۔'' پریتم کے لبوں پر آج مسکان رقصاں تھی۔

''تو اتنے دنوں تک چھپایا کیوں۔'' پورنما نے گھٹنوں پر کہنی رکھ کر ہتھیلی کی پشت اپنی ٹھوڑی پر جماتے ہوئے آنکھوں میں شکوہ لیے لاڈ بھرے انداز میں بولی۔

''اگر تم ناراض ہوجاتیں تو۔'' وہ جھیل میں کنکر پھینکتے ہوئے بولا۔

''اتنا ڈرتے ہو مجھ سے۔'' وہ آنکھوں کو جتنا بڑا کرسکتی تھی اس حد تک دیدے پھاڑ کر بولی۔

''ڈرتا ورتا تو پریتم راج کسی سے نہیں۔'' اب اس کے ہاتھ میں جمع کنکر ختم ہوچکے تھے وہ دونوں ہاتھ جھاڑتے ہوئے اٹھا۔ وہ بھی اُس کی تقلید میں کھڑی ہوگئی۔ سیاہ ساڑھی' ہاتھوں میں ہرے رنگ کی چوڑیاں' کان زیور سے بے نیاز' ہونٹوں پر گلابی لپ اسٹک اور آنکھیں نین کٹار......

''ٹھک ٹھک ٹھک!'' دروازہ بجا۔

وہ بجلی کی سی رفتار سے اٹھی اور سب سے پہلا جو کام کیا وہ تھا ٹی وی کو بند کرکے وہ سیدھا گیٹ کھولنے گئی۔ اُسے پتہ تھا گیٹ پر امی ہی ہوں گی۔

''یہ لے آئی ہوں انڈے اب جلدی سے ابالنے کے لیے رکھ دے آج انڈہ گریبی بنالے۔'' اُس نے بے دلی سے تھیلا ماں کے ہاتھ سے لیا۔ کچن میں جاکر اس نے انڈے اُبالنے کے لیے دھوکر چولہے پر چڑھا دیے۔ پھر آٹا گوندھنے لگی جب تک آٹا گوندھا انڈے ابل چکے تھے۔ ہاتھ دھوکر شام کی چائے چولہے پر رکھ دی۔ جب تک چائے پک رہی تھی اُس نے انڈے چھیلے......ایک دو تین چار پانچ ٹوٹل پانچ انڈے تھے پانچ افراد کے لیے......ایک

اُس کے حصے کا' ایک امی کا ایک ابو کا باقی دو بھائیوں کے لیے ایک ایک...... پھر شہر بانو نے چائے دو کپوں میں ڈال کر ایک اپنے پاس کچن میں رکھ دیا اور ایک کپ امی کو کمرے میں دے آئی۔

''زندگی پیار کا گیت ہے اسے ہر دل کو گانا پڑے گا۔'' موبائل میں ریڈیو لگا کر اس نے کچن کی سلیب پر ہی رکھا ہوا تھا۔

''ہونہہ میری بھی کیا زندگی ہے۔'' اُس نے سالن کے لیے پیاز کاٹ کر ہاتھ دھوئے اور چائے کا پہلا سپ لیتے ہوئے چائے کا کڑوا گھونٹ حلق سے اُتارا۔

''زندگی غم کا ساگر بھی ہے ہنس کے اس پار جانا پڑے گا۔'' اگلے مصرعے پر اس نے کپ وہیں سلیب پر پٹخا اور چینل چینج کرنے لگی۔

''آؤ گے جب تم او ساجنا آنگنا پھول کھلیں گے..... برسے گا ساون..... برسے گا ساون جھوم جھوم کے..... دو دل ایسے ملیں گے۔'' اس کے لبوں پر مسکراہٹ ٹھہر گئی۔ اُسے پریتم اور پورنما یاد آ گئے۔ ڈرامے کو آدھے بیچ میں چھوڑنے کا دکھ ابھی بھی اس کے دل میں بسا ہوا تھا۔

''اوہ ڈپریشن پر نوٹ لکھنا تھا مجھے تو سارا دن یاد ہی نہیں رہا۔'' بستر پر سونے کی نیت سے لیٹتے ہی اچانک اُسے خیال آ گیا۔ اس نے جلدی جلدی بیگ سے اپنی نوٹ بک نکالی اور خیالات کے گھوڑے دوڑانے لگی اس وقت وہ بالکل ہی پورنما اور پریتم کے خیالات سے آزاد ہو چکی تھی۔

☆......☆......☆

''یار پتہ ہے پریتم نے پورنما کو پرپوز کر دیا ہے۔'' اگلے دن کالج میں فری پیریڈ میں ان سہیلیوں کا یہی موضوع تھا۔

''ہاں یار پورنما کتنی پیاری لگ رہی تھی ناں بلیک ساڑھی میں، میں سوچ رہی ہوں ایسی ساڑھی

تو ہونی ہی چاہیے میرے پاس بھی۔'' شہر بانو نے ایک آنکھ بند کرتے ہوئے شرارت سے کہا۔

''اُس کا آئی لائنر دیکھا تھا؟'' ماریہ اپنی دونوں آنکھیں بند کرتے ہوئے باقیوں کی توجہ اپنے جملے سے اپنی بند آنکھوں کی طرف مبذول کروانے میں کامیاب ہوگئی تھی۔

''ماریہ کی بچی کتنی کاپی کرتی ہو چی بندریا کہیں کی۔'' سلطانہ نے ماریہ کو کہنی ماری اور افسوس کرنے لگی کہ ایسا اسٹائل سے نفاست سے آئی لائنر لگانا آخر اُسے کب آئے گا۔

شہر بانو سے یہ سین مس ہوگیا تھا جب کیمرہ پورنما کی آنکھوں پر فوکس کیا گیا تھا کیونکہ تب تو دروازے پر امی آگئی تھیں اور اُسے رات کے کھانے کے لیے دوڑ لگانی پڑی تھی۔

''بس کل اتوار ہے میں ریپیٹ میں ضرور دیکھوں گی۔ یہ ماریہ زیادہ ہی شوخیاں مار رہی ہے۔'' اُس نے دل میں سوچا۔

☆......☆......☆

''ارے اٹھ جا، نو بج رہے ہیں پھر لائٹ چلی جائے گی۔ میں نے مشین لگادی ہے بس تُو اب کپڑے نچوڑ دے تو میں چھت پر سُکھا آؤں۔'' امی نے کمرے میں جھانکتے ہوئے آوازیں لگائیں۔

وہ ہڑبڑا کر اُٹھ گئی آنکھیں بند تھیں وہ دونوں ہاتھوں سے سر کھجانے لگ گئی۔ بند آنکھوں میں ہی دونوں ہاتھوں سے بستر پر کیچر تلاشنے لگی۔ بالوں کو جوڑے کی شکل دے کر کیچر میں مقید کیا۔

''لائٹ والوں کو اللہ پوچھے۔'' وہ بڑبڑاتی ہوئی اٹھی اور آنکھیں کھول دیں۔

کپڑے کم تھے جب ہی جلدی دھل گئے۔ ڈرامے کی ریپیٹ ٹائمنگ سہ پہر تین بجے کی تھی۔ وقاص اور انیس ٹی وی کے آگے چپکے بیٹھے تھے۔

آج پاکستان اور آسٹریلیا کا میچ جو تھا۔ اُسے بے حد غصہ آیا۔ یہ دو تھے اور وہ ایک...... آج اتوار تھا تو ان دونوں کی بھی اسکول اور کوچنگ کی چھٹی تھی تو ان کے بھی مزے آئے ہوئے تھے۔ اُن کو بھی میچ آج پورا ہی دیکھنا تھا۔ سو دیکھ کر ہی اٹھے۔ پورے چار بجے جب اس کے ڈرامے کا ٹائم بھی ختم ہوگیا تھا۔

''مجھے ڈرامہ دیکھنا ہے لاؤ ریموٹ اِدھر دو۔'' میچ کے بیچ میں اُس نے اِن دونوں سے کہا تھا۔

''باجی آپ تو روز ہی گھر میں ہوتی ہیں اس وقت ہم کوچنگ میں ہوتے ہیں آپ کل دیکھ لینا۔'' وقاص نے شہر بانو کو مفت مشورے سے نوازا' بدلے میں شہر بانو نے دونوں کو گھورا مگر کیا فائدہ کیونکہ اُن کی نظریں اب ٹی وی اسکرین پر جمی ہوئی تھیں۔ وہ پیر پٹختی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔

''ہونہہ پھر ہار گئے۔'' انیس نے برا سا منہ بنایا۔

''چل چھوڑ بھائی چل رمیز اور فیضان کو بھی بلاتے ہیں گلی میں میچ کھیلتے ہیں۔'' وقاص نے اپنے ہمسائے دوستوں کا نام لیا تو انیس کو بھی اس کا آئیڈیا اچھا لگا وہ دونوں گیند بلا اُٹھا کر چلتے بنے۔

شہر بانو کے پاس اب سوائے بور ہونے کے اور کوئی کام نہ تھا۔ حسبِ معمول چائے بنائی اور رات کے کھانے کی تیاری میں جُت گئی۔

اگلے دن وہ کالج نہ گئی اس کا دل نہیں کر رہا تھا جانے کو' اُس نے دوپہر میں ہی کھانا بنا دیا تھا تاکہ دو ٹائم چل جائے اور وہ سکون سے شام کو ٹی وی دیکھ سکے۔

دوپہر کے کھانے سے فارغ ہوکر انیس اور وقاص اپنا ہوم ورک کرنے کمرے میں چلے گئے وہ برتن سمیٹ کر دھونے کے بعد کچن میں رکھنے لگی تب ہی اُس کے موبائل پر رنگ ہوئی۔

''نیا نمبر! یہ نمبر کس کا ہے؟ کہیں سلطانہ تو نہیں نئے نمبر سے' میں آج کالج نہیں گئی تو شاید اس لیے فون کر رہی ہو۔'' اُس نے دل میں سوچا۔

''ہیلو......'' اُس نے کال ریسیو کرتے ہی کہا۔

''السلام علیکم!'' دوسری طرف سے جواب آیا آواز جانی پہچانی تھی وہ آواز پہچاننے کی کوشش کرتے ہوئے بولی۔

''وعلیکم السلام!''

''ہاں شہر بانو! میں ہوں فروا خالہ کیسی ہو تم۔'' جواب کا انتظار کیے بغیر وہ دوبارہ بولیں۔

''سنو تم لوگ کہیں جا تو نہیں رہے ناں......ہم لوگ آ رہے ہیں۔'' شام چار بجے وہ حسرت سے بند ٹی وی کو تک رہی تھی۔

''پتہ نہیں کیا ہوا ہوگا پورنما کے ساتھ' آج اُس نے کون سے رنگ کے کپڑے پہنے ہوئے ہوں گے۔ ہیئر اسٹائل کون سا بنایا ہوگا۔'' مختلف سوچیں اُس کا احاطہ کیے ہوئے تھیں۔

فروا خالہ اپنے پورے کنبے کے ساتھ نازل ہو گئیں تھیں۔ بہت دنوں بعد سب آئے تھے لہٰذا وہ بھی ڈرامے کو بھول کر خوش گپیوں میں مشغول ہو گئی۔ فروا خالہ کی بیٹیوں سے اُس کی خوب بنتی تھی۔ مگر رہ رہ کر بند ٹی وی اُس کا منہ چڑاتا تھا۔

''ہائے پورنما آئی مس یو۔'' اُس نے ٹھنڈی آہ بھری۔

☆......☆......☆

کالج میں فائنل ایئر کے ایگزامز شروع ہو چکے تھے۔ اب پڑھائیاں زور و شور سے جاری تھیں۔ جسے دیکھو کتابوں میں گم' مگر شہر بانو کا ہی چہرہ نظر آتا تھا کتابوں سے باہر' وہ ذہین ہی ایسی تھی امتحانوں کے دنوں میں فارغ رہتی تھی امتحانوں کے دنوں میں زیادہ پڑھنے سے اُس کے سر میں درد شروع ہو جاتا تھا اور وہ بس سرسری سا پڑھتی بقایا پورے سال اُس نے بہت محنت سے سارا نصاب پڑھ کر دماغ میں فٹ کر لیا تھا۔ اب اُسے ان آخری دنوں میں ایکسٹرا ٹینشن لینے کی قطعی ضرورت نہ تھی۔ اُسے تو بس ٹینشن تھی تو پریتم کی' کیونکہ اب پورنما کے گھر والے اُس کی شادی رمیش سے کروا رہے تھے۔ مگر کیوں؟ یہ سین اُس سے مس ہو گئے تھے۔

پریتم راج شہر بانو کا اس ڈرامے کی پہلی قسط سے ہی پسندیدہ تھا۔ سنجیدہ' کم بولنے والا' آنکھوں ہی آنکھوں میں غصہ کرنے والا کبھی بالوں اور کبھی داڑھی مونچھوں کی تراش خراش سے نئی لُک لے کر آتا۔ اُسے پورنما کے گھر والوں کا پریتم کو ریجیکٹ کرنے کا دکھ تھا مگر وہ پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ کے مصداق نئی قسط دیکھنے کے موڈ میں تھی کہ گئے دنوں میں کیا ہوا اُس کا سراغ اگلی قسطوں میں مل ہی جائے گا اُسے۔

''پڑھائی کر لے بیٹا کل تیرا عمرانیات کا پیپر ہے۔'' اُسے ہاتھ میں ریموٹ اٹھاتے اور ٹی وی کا بٹن آن کرتے دیکھ کر اُس کی امی اچانک سے کمرے میں آ گئیں اور اُسے ٹوکنے لگیں۔

''کیا امی!'' وہ روہانسی ہوئی۔

''یاد ہے پیپر......'' اب وہ ریموٹ سے مطلوبہ چینل کا بٹن دبا رہی تھی۔

''جا جا کر پڑھائی کر آخری سال میں فیل ہونا ہے کیا؟'' امی نے اُس کے ارمانوں کی فکر نہ کرتے ہوئے فوراً ہی ٹی وی کا بٹن بند کر دیا۔

ابھی تو اُس نے رمیش کو بھی نہیں دیکھا تھا اُسے رمیش اور پریتم کا موازنہ کرنا تھا کہ کون بیسٹ رہے گا پورنما کے لیے' وہ ریموٹ امی کو تھما کر مرے مرے قدموں سے کتابوں کو کھول کر صحن میں رکھے صوفے پر بیٹھ گئی اور ناچار پڑھائی کرنے لگ گئی۔

☆☆......☆☆......☆☆

امتحانات ختم ہو گئے۔ کافی وقت بیت گیا اس کا رزلٹ آ گیا وہ اے گریڈ سے پاس تھی سب سے زیادہ نمبر عمرانیات اور اردو میں آئے تھے۔ وہ بے حد خوش تھی۔ اگلے سال اُس کی شادی تھی۔ اُس نے سوچا تھا جہیز میں ایل سی ڈی ضرور لے کر جائے گی اور جی بھر کر اپنے گھر میں اپنا فیورٹ ڈرامہ دیکھے گی اور اُس کی خواہش پوری ہو گئی۔

☆☆......☆☆......☆☆

''شمروز کو چپ کرواؤ یار میں اس کو سنبھالوں یا اپنا کام کروں؟'' فرہاد کو اب غصہ آنے لگا تھا۔ وہ اتوار کی چھٹی کا فائدہ اٹھا کر لیپ ٹاپ پر اپنا آفس ورک مکمل کرنا چاہتا تھا اور شمروز تھا کہ اس نے رو رو کر گھر سر پر اٹھا لیا تھا۔ شہر بانو کچن میں مصروف تھی اُس نے سوچا فرہاد کی چھٹی ہے تو وہ آج کچن میں سارے مصالحے پیس کر رکھ دے گی اور کچن کی صفائی پھر الماری میں کپڑوں کو ترتیب سے رکھنے کا سوچا تھا۔ روز تو شمروز تنگ کرتا ہے۔ مگر فرہاد کے دھاڑنے پر وہ سب کام بالائے طاق رکھ کر اب شمروز کو چپ کروا رہی تھی۔ شمروز ماں کی آغوش میں آ کر شرارتیں کرتا ہنسنے لگا اور فرہاد شمروز کو ہنستا دیکھ کر مطمئن ہو کر پھر سے لیپ ٹاپ پر مگن ہو گیا۔

شمروز کے ساتھ شرارتیں کرتے اچانک اُس کی نظر ٹی وی پر پڑی۔ اُسے پورنما اور پریتم بے ساختہ یاد آ گئے کئی ماہ گزر گئے تھے۔ اُس کی زندگی کتنی مصروف ہو گئی تھی۔ اب تو اُس نے ٹی وی بھی دیکھنا چھوڑ دیا تھا ایکٹرس کو دیکھ کر ان جیسا آئی لائنر لگانا' کپڑوں کی ڈیزائننگ کرنا سب کچھ وہ اب چھوڑ چکی تھی۔ اس کی آنکھوں کے کنارے گیلے ہو گئے۔ اُس نے ایک نظر لیپ ٹاپ پر مصروف فرہاد کو دیکھا۔ ویسی ہی لائٹ گرین شرٹ جو پریتم نے پہلی قسط میں پہنی تھی جب وہ پورنما سے کالج میں پہلی بار ملتا ہے۔ بالکل اُسی کلر کی شرٹ فرہاد نے زیب تن کی ہوئی تھی۔ اُسے فرہاد پریتم لگا۔ اُس نے اپنی انگلیوں سے آنکھوں سے بہتے ساگر کو خشک کیا اور شمروز کو کھیلتا چھوڑ کر الماری سے آئی لائنر نکالا اور پورنما اسٹائل میں آنکھوں پر لگایا کتنے مہینوں بعد اُس نے اپنی سونی آنکھوں پر آئی لائنر لگایا تھا۔ وہ کچن میں چلی گئی۔

تھوڑی دیر بعد فرہاد کو کچھ زیادہ ہی خاموشی کا احساس ہوا تو وہ لیپ ٹاپ بند کر کے کچن میں چلا آیا جہاں شہر بانو کوئی گیت گنگنا رہی تھی۔

''کیا ہو رہا ہے؟'' فرہاد نے پُرشوق نظروں سے اُس کی جانب دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''آپ کے لیے چائے بنا رہی تھی۔'' وہ ادا سے مسکرائی۔

''یار چائے وائے چھوڑو' چلو تیار ہو جاؤ کہیں گھومنے چلتے ہیں۔'' اور شہر بانو نے حیرت سے فرہاد کو دیکھا۔

''یہ آپ کو اچانک کیا ہو گیا۔'' فرہاد نے اس کو اپنے قریب کیا۔

''جانِ من کیا یاد کرو گی آج کا دن تمہاری ان خوبصورت آنکھوں کے نام......'' شہر بانو فرہاد کے اس والہانہ انداز پر شرما گئی۔

''شمروز کو تیار کر لوں اور خود بھی جلدی سے فریش ہو جاتی ہوں۔'' پھر وہ تینوں تیار ہو کر گھر سے نکل گئے آج سارا دن انہوں نے ایک دوسرے کے ساتھ گزارنا تھا مگر شہر بانو گھر کا دروازہ لاک کرتے کرتے پورنما اور پریتم کا شکریہ ادا کرنا نہ بھولی جس نے اُن کی مشینی زندگی میں بے شمار خوشیوں کے رنگ گھول دیے تھے۔

☆☆......☆☆

افسانہ

ثمینہ طاہر بٹ

دیے سے دیا جلے

''ارے بھئی۔!! میں نے آپ سے وعدہ کیا تھا کہ میں ضرور آؤں گا تو بھلا کیسے نہیں آتا۔؟ دیکھ لو تم لوگوں کی خاطر سب کچھ چھوڑ کر چلا آیا تمہارا بھیا۔ اور دیکھو تو ذرا آج تو میرے ساتھ تمہاری عشال آپی بھی آئی ہیں تم سب سے ملنے۔!!'' اس نے بڑے......

''ہائے عشال۔!! کیا پروگرام ہے بھئی اس قریب بیٹھتے ہوئے پوچھا۔'' تھنگ اسپیشل۔!! بار تمہارا ویلنٹائن ڈے پر؟'' اسد نے ا کے ہی ہمیشہ کی طرح سب فرینڈز کے ساتھ مل کر

آؤٹنگ کا پروگرام بنائیں گے۔سب کو فلاور اور چاکلیٹس دیں گے۔ گفٹس ایکسچینج کریں گے۔ شام کو لبرٹی چوک جائیں گے اور سب ملکر انجوائے کریں گے اور پھر۔۔!!!''

''اوہ......کم آن عشال۔!! grow up now۔تم کیا ابھی تک ٹین ایجرز کی طرح بچگانہ حرکتیں کرتی رہتی ہو ہر event پر۔بھئی، اب ہم Adults ہیں۔اور ہماری ایکٹویٹیز بھی میچور ہو جانی چاہئیں اب، اوکے۔!!'' عشال کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی ماہی اک ادا سے ناک چڑھاتی اسے ٹوک گئی تو وہ صرف اسے دیکھ کر رہ گئی۔

''اوکے۔!! تو مس ماہی!! چلیں آپ ہی بتا دیں پھر کہ آپ کا کیا کریں گی چودہ فروری کو۔!! '' اسد کو اسکا اس طرح عشال کو ٹوکنا بالکل بھی نہ بھایا تو اس نے کافی چبھتے ہوئے انداز میں پوچھا تھا۔

''Well۔!! میں تم لوگوں کو یہ ہی بتانے والی تھی۔بلکہ میں تو سب کو انوائیٹ ہی کرنے آئی تھی۔ بُرو(بھائی) نے اس ویلنٹائین کو بھی نیو ایئر نائیٹ کی طرح یادگار اور شاندار بنانے کے لیے ایک زبردست پارٹی ارینج کی ہے۔پورے شہر کی کریم ہوگی وہاں۔ انجوائمنٹ اور انٹرٹینمنٹ کے سب پروگرامز رکھے گئے ہیں، اور میں چاہتی ہوں کہ میرے سب فرینڈز اور کلاس فیلوز اس special Love event کو بہت اسپیشل انداز سے منائیں۔اس لیے گائیز میں آپ سبکو 14 th Feb کی ویلنٹائین پارٹی کا انویٹیشن دے رہی ہوں۔!! '' ماہی نے اپنے ایمولیئر کٹ بالوں کو اک ادا سے جھٹک کر ایک شانے سے دوسرے پر منتقل کرتے اور قاتلانہ مسکراہٹ کی بجلیاں ان سب پر گراتے ہوئے کہا۔

''Waaoo thats great "maahi تمہارے بُرو کی ارینج کی گئی پارٹیز تو واقعی اوسم ہوتی ہیں یار۔اور پھر جو لالی ووڈ اور بالی ووڈ کے اسپیشل گیسٹ وہ بلواتے ہیں۔ آمیزنگ یار، میں تو ضرور آؤنگا، اور چاہے کوئی آئے یا نہ آئے۔!!'' فہد نے اسکا بُرو نامہ سنتے ہی کچھ اس انداز سے شوق کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ایک تفاخرانہ مسکراہٹ خود بخود اسے چہرے پر آ گئی۔ اور پہلے سے تنی گردن میں کچھ اور بھی اکڑ اوبھر آیا۔

''ارے!! یہ تو کچھ بھی نہیں۔بالی ووڈ اور لالی ووڈ کی تھیم تو اب پرانی ہو چکی۔اس بار بُرو نے اسپیشل گیسٹ ترک آرٹسٹ، بہلول، بھیتر، نہال اور انکے علاوہ بھی کئی ترکش اسٹارز کو انوائٹ کیا ہے۔اور ان سب کے علاوہ بالی ووڈ سے بھی کچھ خاص مہمان آرہے ہیں "&i;m sure کہ تم لوگ ان سے بھی ضرور ملنا چاہو گے۔اس لیے میں نے بُرو سے تم سب کے لیے اسپیشل انویٹیشنز لیے ہیں and belive me تم لوگوں کو بہت مزہ آنے والا ہے۔!!'' فہد کے ساتھ ساتھ ان سب کے آتش شوق کو بھڑکاتے ہوئے ماہی نے اپنے شولڈر بیگ سے ان سبکے دعوت نامے نکالتے ہوئے کہا تو وہ سب اور بھی زیادہ ایکسایٹڈ نظر آنے لگے۔

''واؤ ماہی یار!! تم تو تم، تمہاری تو ساری فیملی ہی گریٹ ہے۔بھئی، مجھے تو بہت شوق ہے بھیتر سے ملنے کا۔کیا تم میری ملاقات کروا دو گی اس سے۔اور ایک فوٹو شوٹ بھی۔پلیز۔!!۔'' اسکے ہاتھ سے اپنا کارڈ پکڑتے ہوئے فہد نے کانوں تک باچھے چیرتے ہوئے خوشامدی انداز سے کہا

تو اسد کوفت سے سر جھٹک کر رہ گیا۔

"Why not yaar !! تم لوگ تو میرے بیسٹ فرینڈز ہو، اور تم لوگوں کی خوشی کے لیے تو میں کچھ بھی کر سکتی ہوں dont worry سب کا فوٹو سیشن بھی ہوگا اور آٹو گرافس بھی جتنے چاہے لے لینا۔ کوئی مسلۂ نہیں......اور اسد......تم میرے سب سے اسپیشل گیسٹ ہو۔ تمہیں میں اسپیشلی انوائٹ کر رہی ہوں۔ یوں سمجھو کہ یہ پارٹی صرف تمہارے لیے ہی تھرو کی گئی ہے۔ اوکے۔!!" بہت خوبصورت سرخ کھلتے گلاب کی شکل کا کارڈ اسد کو پکڑاتے ہوئے ماہی نے اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے کچھ اس دلربائی سے کہا کہ سب کے مُنہ سے معنی خیز انداز سے (او) نکلا تھا۔ اسد نے فارمل سے انداز سے ہلکی سی مسکراہٹ اسکی طرف اچھالی اور بنا کچھ کہے کارڈ پکڑ کر دیکھے بغیر ہی اپنی کتاب میں رکھ لیا۔ اسکے ساتھ بیٹھی عشال کے لیے یہ سب بہت عجیب تھا۔ وہ عجیب الجھن بھری نگاہوں سے ان دونوں کو دیکھ رہی تھی۔ اسد نے اسکی طرف دیکھا اور ایک مانوس اطمینان بھری نگاہ اس پر ڈالی۔ عشال کا سکون جیسے واپس لوٹنے لگا تھا۔

☆......☆......☆

اسد کا تعلق بیوروکریٹس کے خاندان سے تھا۔ اسکے ننھالی سب کے سب پولیٹیشنز تھے۔ پارلیمنٹیرنز اور ام این ایز، ایم پی ایز کی بھرمار تھی ان کے ہاں، تو ددھیال بیوروکریٹس سے بھرا پڑا تھا۔ وہ تو خود شہر کی کریم تھے۔ ان کے لیے ایسی پارٹیز بہت معمولی بات تھیں۔ عشال اسکی بیسٹ فرینڈ اور فرسٹ کزن تھی۔ بچپن سے ہی وہ دونوں ساتھ تھے۔ اپنی فطری سادگی اور معصومیت کی وجہ سے وہ اسے شروع سے ہی بہت پسند تھی۔ خود اسکا مزاج بھی بڑا سادہ اور قلندرانہ سا تھا۔ وہ اس طرح کی ایلیٹ کلاس پارٹیز میں شریک ضرور ہوتا تھا، مگر ان کے رنگ میں کبھی رنگا نہ جا سکا تھا۔ جانے کیوں۔؟ نہ تو وہ صحیح طرح سے بیوروکریٹ بن پایا تھا اور نہ ہی سیاستدان۔ اور اسکا یہ مزاج اور درویشانہ عادات ہی (بقول بھائی اور ڈیڈ) اسے اپنی کلاس میں مِس فٹ کرتی تھیں۔ مگر اسے کوئی فرق نہ پڑتا تھا۔

"میں جیسا ہوں، ویسا ہی رہوں گا۔ آپ مجھ پر اپنا ٹائم اور انرجی ویسٹ کرنے کی بجائے کوئی نیا پراجیکٹ لانچ کر لیں۔ اس سے آپکا قیمتی وقت بھی بچے گا اور پرافٹ بھی ڈبل کمائیں گے۔!!" وہ بھائی یا ڈیڈ کے سمجھانے پر الٹا انہیں مشورہ دینے بیٹھا جایا کرتا، جس پر وہ سوائے جز بز ہونے کے اور کچھ بھی نہیں کر پاتے تھے۔ اور ایسا ہی کچھ حال عشال کا بھی تھا۔ وہ اپنے بھائیوں اور بہن سے چھوٹی تھی۔ اور چھوٹے بچے عموماً یا تو بہت زیادہ لاڈلے ہوتے ہیں یا پھر بری طرح نظر انداز کر دیئے جاتے ہیں۔ عشال کا شمار بھی دوسری قسم کے بچوں میں ہوتا تھا۔ نہ تو مام کے پاس اسکے لیے وقت تھا اور نہ ہی ڈیڈ کو اتنی فرصت کے کہ اسکے چھوٹے چھوٹے مسائل کا حل تلاش کرتے پھریں۔ لہذا وہ بھی اپنے دونوں بھائیوں اور بہن کی طرح غیر ملکی پڑھی لکھی تمام ایٹی کیٹس سے مالا مال گورنسز اور میڈز کے زیر سایہ پل بڑھ گئی تھی، کسی خودرو پودے کی طرح۔ ہاں، مگر یہ اس کے حق میں بہت اچھا ہوا تھا کہ اس کے حصے میں جو گورنس آئی تھیں، وہ بہت شفیق اور مہربان تھیں۔ وہ خود اپنی اولاد کی دائمی جدائی کا گھاؤ سینے میں لیے پھر رہی تھیں۔ عشال کی معصومیت اور بھولا پن انکے دل کو ایسا بھایا کہ

انہوں نے اپنی ساری ممتا، ساری محبت سارا خلوص بڑی فراخدلی سے اس پر نچھاور کر دیا اور گورنس سے زیادہ اس کے لیے ماں بن گئیں۔ اسد چونکہ شروع دن سے اسکے ساتھ تھا، اسکا بیسٹ فرینڈ، اسکا سب سے بڑا سپوٹر اور ویل ویشر۔ لہذا آنی کی محبتوں اور شفقتوں کا خود بخود ہی حصے دار بن گیا۔

☆......☆......☆

ماہی کے ڈیڈ کے فارم ہاؤس میں چلنے والی پارٹی اپنے عروج پر تھی۔ ویلنٹا ئین کے حوالے سے سرخ اور سفید رنگ ہی ہر طرف چھایا ہوا تھا۔ سرخ رنگ خون کا رنگ۔ جنون کا رنگ۔ بھڑکتے جذبات کا رنگ، اور اس محفل میں اس رنگ کے سارے شیڈز نمایاں نظر آ رہے تھے۔ اتنے نمایاں کہ باقی کے سارے رنگ جیسے ماند پڑ گئے تھے۔ ان کے تمام دوست پارٹی میں موجود تھے۔ وہ سب کے سب شوخ و شنگ اور حسین ترین ترکش اور بولڈ ترین بھارتی مہمانوں کی میزبانی میں بچھے بچھے جا رہے تھے۔ میوزک، ڈانس، مووی میکنگ، فوٹو شوٹس، آٹو گرافس، باتیں، ملاقاتیں سب ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ اس پر ام الخبائیث کا کھلم کھلا استعمال۔ اس محفل کا رنگ اور ماحول کیا کم تھا کہ حواس گم کرنے کے لیے یہ برانڈڈ مشروبات بڑی فراوانی سے پیئے اور پلائے جا رہے تھے۔ میوزک کے بے ہنگم شور میں ڈولتے، نامحرموں کی بانہوں میں جھولتے نازک وجود۔ اس بدیسی تہوار کی مذمومیت کو چار چاند لگا رہے تھے۔

''عشائل۔!! تم کیا بوڑھوں کی طرح کونے میں گھسی بیٹھی ہو بور لڑکی۔ آؤ ناں، ڈانس فلور پر چلو ہمارے ساتھ۔ کم آن لیٹس ڈانس یار۔ ایسا موقع اور ایسا ماحول روز روز تھوڑی آتا ہے۔ کم آن، آ جاؤ تم بھی۔ ہمارا سارا گروپ بھی وہیں پر ہے۔!!'' فہد اور ردا بانہوں میں بانہیں ڈالے جھومتے ناچتے اسے بھی اپنے ساتھ اس بے ہنگم اچھل کود کا حصہ بنانے کی دعوت دینے چلے آئے تھے۔ وہ تو پہلے ہی اس ماحول سے اکتائی، بیزار سے شکل بنائے بیٹھی تھی، انہیں اس طرح ایکدوسرے کے ساتھ چپکے نشے میں جھولتے دیکھ کر اور زیادہ بدمزہ ہوگئی اس لیے نرمی اور سہولت سے انہیں ٹال کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ ردا اور فہد چند لمحے اسکے قریب کھڑے اسے دیکھتے رہے پھر شانے اچکاتے، ایکدوسرے سے اٹھکیلیاں کرتے واپس ڈانس فلور کی طرف چلے گئے۔ عشائل نے مڑ کر انہیں جاتے دیکھا اور پھر تاسف سے سر ہلا کر رہ گئی۔ اس سے چند قدم دور دوسرے ٹیبل پر اسد اپنے چند ملنے والوں کے ساتھ بیٹھا بظاہر باتوں میں مصروف تھا مگر اسکا پورا دھیان اسکی طرف ہی تھا۔ اس لیے جیسے ہی فہد اور ردا اسے پاس سے ہٹے، وہ بھی معذرت کرتے ہوئے اٹھا اور سیدھا اسکی ٹیبل پر چلا آیا۔

''عشائل۔!! چلیں اب۔؟ i hope تم نے ماہی کی پارٹی بہت انجوائے کی ہوگی۔؟ بھئی، آخر کو تمہیں شوق بھی تو بہت تھا ناں اس پارٹی میں آنے کا۔!!'' اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے اسد نے اسے شرارتی انداز سے دیکھتے ہوئے چھیڑا تو وہ بے حد غصے سے اسے گھورنے لگی کیونکہ وہ تو سرے سے یہاں آنا ہی نہیں چاہتی تھی، یہ تو ماہی کا اسد کو اسپیشل دعوت دینا اور پھر اسد کا اسے زبردستی ساتھ چلنے پر مجبور کرنا تھا کہ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی مان گئی اور اسکے ساتھ چلی آئی۔ اور اب ''بھیتر، بہلول اور نہال'' سمیت انڈین اور پاکستانی

اداکاروں اور ماڈلز کے لٹکے جھٹکے دیکھتی بری طرح سے بیزار ہو چکی تھی۔

''اسد۔!! میں نے تم سے نہیں کہا تھا ماہی کے اسپیشل چیف گیسٹ بن کر اس ''دھما کے وار'' پارٹی میں آنے کو۔ ربش، خود تو آئے ہی، خواہ مخواہ مجھے بھی ساتھ گھسیٹ لائے۔ قسم سے سخت عاجز آ گئی ہوں میں اس شور وغل اور ہنگامے سے۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ ہم لوگ جا کہاں رہے ہیں۔؟ کیسے لوگ ہیں ہم۔؟ حکمران ہمارے کشکول نہیں چھوڑتے اور ہم لوگ یہ اللے تللے۔ اب تم خود دیکھ لو، اس ایک پارٹی پر ہی غریب عوام کا خون چوس کر بنایا جانے والا بیشمار پیسہ کس بیدردی سے لٹایا ہے ماہی کے پیرنٹس اور بھائی نے۔ یہ۔ یہ جو پڑوسی ملک سے انہوں نے فنکار بلوائے ہیں اپنی پارٹی کی شان بڑھانے کے لیے، جنکے ایک دیدار، ایک فوٹوگراف، ایک آٹو گراف کے لیے ہماری ینگ جنریشن پاگل ہوئی جا رہی ہے۔ تو بھلا کتنا خرچہ آیا ہوگا اس لگژری پر۔ ذرا حساب تو لگا کے دیکھو۔ میرے تو ہوش اڑ گئے اسد، میں دعوے سے کہتی ہوں کہ تمہارے حواس بھی ساتھ چھوڑ جائیں گے۔!!'' اسکے ساتھ قدم سے قدم ملاتے، باہر کی سمت جاتے ہوئے عشال کی زبان قینچی کی طرح چل رہی تھی، اور اسکی باتیں سن سن کر اسد کے روشن چہرے پر مسکراہٹ گہری ہوئی جا رہی تھی۔

''ہیلو گائیز۔!! ابھی تو پارٹی اپنی پیک پر آئی ہے، اور تم لوگ کہاں چل دئے۔؟ ابھی تو آگے بھی بہت سے سرپرائیزز آرگنائیز کر رکھے ہیں برو نے۔ اور ویسے بھی تم لوگوں کو آئے ابھی زیادہ دیر تو نہیں ہوئی۔ !!'' وہ دونوں اپنے دھیان باتیں کرتے پارٹی چھوڑ کر باہر جا رہے تھے، اچانک ماہی کے سامنے آ جانے پر رک گئے۔ ماہی یونیورسٹی کے پہلے دن سے ہی اسد پر مرمٹی تھی۔ اس نے اسے اپنی طرف مائل کرنے کے لیے ہر حربہ آزما کر دیکھ لیا تھا۔ مگر اسد کی بیگانگی اور لاپرواہی میں کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔ وہ اسے بھی اسی طرح ٹریٹ کرتا تھا جیسے کہ باقی سب کلاس فیلوز کو کرتا تھا۔ ہاں اسکی بھرپور توجہ اور خاص دوستی کا مرکز صرف اور صرف عشال ہی تھی اور ماہی سے یہی بات برداشت نہیں ہوتی تھی۔ اسد کی اس اسپیشل اٹینشن کی وجہ سے ہی عشال، ماہی سمیت اور بھی کئی لڑکیوں کی آنکھوں میں خار کی طرح کھٹکتی تھی۔

''Sorry Mahi, its too late now۔ ہم نے تمہارا انویٹیشن قبول کیا اور اپنے سارے پروگرامز چھوڑ کر صرف تمہاری خوشی کے لیے پارٹی میں چلے آئے۔ اور ہاں، تم نے واقعی سچ کہا تھا۔ اس پارٹی میں انجوائمنٹ اور انٹرٹینمنٹ کے لیے واقعی بہت کچھ ہے۔ ہم تمہارے برو کو تھینکس کہتے ہیں اتنی اچھی پارٹی آرگنائیز کرنے کے لیے اور خاص طور سے ''نہال، بھیترا اور بہلول'' سے ہمیں ملوانے لے لیے۔ تم ان تک ہماری بیسٹ ویشنز پہنچا دینا۔ اور اب ہمیں اجازت دو۔ ہمیں ابھی کہیں اور بھی جانا ہے۔ وہ لوگ ہمارا ویٹ کر رہے ہونگے۔!!'' اسد نے اپنے مخصوص نرم انداز سے کہتے ہوئے عشال کا ہاتھ پکڑا اور ماہی کا جواب سنے بغیر باہر کی راہ لی۔ ماہی اسکے اس طرح پارٹی چھوڑ جانے پر ہکا بکا کھڑی انہیں دیکھتی رہ گئی۔

☆......☆......☆

اسوقت رات خاصی بھیگ چکی تھی۔ پچھلی رات بارہ بجے سے شروع ہونے والا ویلنٹائین کا

بخار اب قدرے ہلکا پڑنا شروع ہو چکا تھا۔اس '' بدیسی تہوار'' نے پچھلے کچھ سالوں سے ان تمام '' دیسیوں'' کو کچھ اس طرح اپنی گرفت میں جکڑ رکھا ہے کہ اب اس بھیڑ چال میں سب ہی شامل ہو چکے ہیں۔

''محبت کا عالمی دن، محبتوں کا پیغامبر''۔

''ویلنٹائین ڈے''۔محبت کی آڑ میں بے راہ روی پھیلاتا، معصوم اور کچے ذہنوں کو آلودہ کرتا اپنے اختتام کی طرف گامزن تھا۔اور ایسے میں شہر بھر میں جا بجا ان ''محبتوں کے پھیلاوے'' کچرے کی صورت ڈھیر ہوئے پڑے تھے۔ مرجھائے، مسلے، کچلے پھول۔سرخ روپہلے دلوں والے پھٹے ہوئے گفٹ پیپرز۔ چاکلیٹ اور کینڈیز کے ریپرز، پھٹے غبارے۔ ہر سڑک، ہر گلی کے کسی نہ کسی کونے میں ان ہی خرافات کا ڈھیر لگا تھا۔عشال اسد کے ساتھ اسکی گاڑی میں بیٹھی شہر کی معروف سڑکوں کا حال دیکھ دیکھ کر کڑھ رہی تھی۔اسد اسکی تاسف اور دکھ سے بھری باتیں سن سن کر مسکرا رہا تھا، کیونکہ وہ جانتا تھا کہ وہ ایسی ہی ہے۔'' اوہو بھئی۔!! اب کہاں لے جا رہے ہو مجھے۔؟ اگر پھر ماہی کی پارٹی جیسی ہی کسی اور پارٹی میں جانے کا پروگرام ہے تمہارا تو پلیز، مجھے پہلے گھر ڈراپ کر دو۔میرا اسوقت کہیں بھی جانے کا موڈ نہیں ہے۔!!''

اسے انجان راستے کی طرف مڑتے دیکھ کر وہ تقریباً چلا ہی اٹھی تھی۔مگر اسد نے جواب دیئے بغیر سامنے بنی بڑی سے عمارت کے گیٹ پر گاڑی روک کر ہارن دیا۔گیٹ فوراً ہی کھل گیا اور اسد مزے سے گاڑی اندر لے گیا۔

'' اسد بھیا۔!! آپ آ گئے۔ ہم شام سے آپکا انتظار کر رہے تھے۔آپ نے اتنی دیر کر دی۔اب تو ہم مایوس ہی ہو گئے تھے کہ آپ نہیں آئیں گے۔!!'' ان کے اندر آتے ہی جانے کہاں سے بہت سارے بچے نکل کر اس سے لپٹ گئے۔

''ارے بھئی۔!! میں نے آپ سے وعدہ کیا تھا کہ میں ضرور آؤں گا تو بھلا کیسے نہیں آتا۔؟ دیکھ لو تم لوگوں کی خاطر سب کچھ چھوڑ کر چلا آیا تمہارا بھیا۔اور دیکھو تو ذرا آج تو میرے ساتھ تمہاری عشال آپی بھی آئی ہیں تم سب سے ملنے۔!!'' اس نے بڑے پیار سے بچوں کو ساتھ لگاتے ہوئے کہا اور ساتھ ہی عشال کا تعارف بھی کروایا تھا۔عشال نے حیرت اور دلچسپی سے اپنے اردگرد پھیلے بچوں کو دیکھا جو شرمائے شرمائے سے اسے ہی دیکھ رہے تھے۔

''عشال۔!! یہ S.O. S ولیج کے معصوم بچے ہیں۔میں اپنا ہر اہم دن اور تہوار انکے ساتھ ہی منانا پسند کرتا ہوں۔تمہاری طرح یہ بھی میرے سب سے سچے اور اچھے دوست ہیں۔!!'' اسد نے ایک چھوٹے سے بچے کو گود میں اٹھا کر پیار کرتے ہوئے کہا تو وہ حیرت سے اسے دیکھتے ہوئے ہنسنے لگی۔جلد ہی وہ ان سب سے گھل مل گئی تھی۔ پھر ان دونوں نے اب سب بچوں میں ڈھیروں تحائف تقسیم کیئے تھے (جو اسد کے فون کرنے پر اسکے ملازم وہاں لائے تھے)۔ بچے ان سے تحائف، مٹھائیاں اور پھل لے کر بے حد خوش ہو رہے تھے۔ انکے خوشی سے چمکتے چہرے ان دونوں کی روح میں جیسے سکون اتار رہے تھے۔''

اسد۔!! تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا کہ تمہارے اتنے اچھے چھوٹے چھوٹے پیارے پیارے سے دوست بھی ہیں۔ اگر تم مجھے پہلے بتا دیتے تو میں بھی پہلے ہی ان سب سے دوستی کر

لیتی۔!!''

''صرف چھوٹے چھوٹے ہی نہیں، میرے تو بڑے بڑے دوست بھی ہیں۔تم ملو گی ان سے بھی۔؟ چلو، کیا یاد کرو گی، آج میں تمہیں اپنے سارے دوستوں سے ملواتا ہوں۔!!'' واپسی میں عشال نے بڑی معصومیت سے اسے دیکھتے ہوئے گلہ آمیز انداز سے کہا تو وہ بے ساختہ ہنس دیا اور پھر ایک ہسپتال کی پارکنگ میں گاڑی روکتے ہوئے مزے سے بولا تو وہ اس سے بھی پہلے چھلانگ مار کے گاڑی سے نکلی تھی۔

''اسد!! آج میں بہت خوش ہوں۔یقین کرو، میرا آج کا ویلنٹاین صحیح معنوں میں ویلنٹائین ہوا ہے۔تم ٹھیک کہتے۔محبتوں کے اصل حقدار یہ لوگ ہی ہیں، جن میں تم صبح سے محبتیں بانٹتے پھر رہے ہو۔

باقی تو سب کچھ جو محبت کے نام پر ہو رہا ہے، بس اللہ ہی معاف کرے۔یہاں تو آوے کا آوا ہی بگڑا ہوا ہے۔کیا میڈیا، کیا عوام، کیا خواص، سب کے سب بنا سوچے سمجھے ایک ہی سمت سر پٹ دوڑے چلے جا رہے ہیں، یہ سوچے بغیر کہ اس اندھی دوڑ سے ہماری اقدار اور روایات کا کس قدر شدید نقصان ہو رہا ہے۔تمہیں یاد ہے ناں اسد، ہمیں آنی نے ہمیشہ انسان اور انسانیت سے پیار کرنا ہی سکھایا ہے۔یہ آنی کی تربیت اور اللہ کا خاص کرم ہی تو ہے کہ ہم پاور، پوزیشن اور اسٹیٹس کانشس ہونے کی بجائے اللہ اور اسکی مخلوق سے محبت کرتے ہیں۔

یہ ہی اللہ کا حکم ہے اور یہ ہی اسکے نبی ﷺ کا فرمان بھی۔لیکن افسوس ہے کہ ہماری آج کی نسل کو اس بات کا احساس ہی نہیں رہا۔کاش کہ وہ بھی انسان اور انسانیت سے محبت کرنا سیکھ جائیں تو پھر اس دنیا کا نقشہ ہی بدل جائے۔کاش وہ یہ بات سمجھ لیں کہ جن محبتوں کی تلاش میں وہ مارے مارے پھر رہے ہیں، وہ تو ایک سراب ہیں۔اگر وہ اپنے انمول جذبے اور محبتیں ان جیسے مستحق لوگوں میں بانٹیں، اور اپنی دولت کا کچھ حصہ ان نادار اور ضرورت مند لوگوں پر لٹا دیں تو شائد ہمارے معاشرے کے آدھے دکھ سرے سے ختم ہی ہو جائیں۔!!''

اسد کے ساتھ کئی اولڈ ہاؤسز، یتیم خانوں اور ہسپتالوں میں بے شمار تحفے اور محبتیں بانٹنے کے بعد رات گئے وہ لوگ گھر لوٹ رہے تھے۔ان کے چہرے پر سچی خوشی اور سکون پھیلا ہوا تھا جس نے عشال کی معصومیت اور خوبصورتی میں بیشمار اضافہ کر دیا تھا۔

'' تم ٹھیک کہہ رہی ہو عشال۔!! مگر مجھے پورا یقین ہے کہ جلد ہی وہ دن بھی ضرور آئے گا جب ہم ان بدیسی تہواروں اور مانگے تانگے کی خوشیوں سے خوش ہونا چھوڑ دیں گے۔آج ہم نے دیا جلایا ہے، انشا اللہ، بہت جلد ایسے بہت سے دیئے جلیں گے اور دیکھنا تم، ہمارے جیسے نوجوان ہی ان ہائی فائی پارٹیز کو چھوڑ کر ہماری ہی طرح ان دئیوں سے دیئے جلاتے چلے جائیں گے۔ انشا اللہ۔!!'''' انشا اللہ۔ ایسا ہی ہو گا۔!!''

عشال نے اسکی بات کے جواب میں اسکی طرف دیکھتے ہوئے دل کی گہرائیوں اور جذبے سے کہا تھا۔اور اس بات کا تو انہیں بھی پورا یقین تھا کہ اپنے حصے کا دیا تو وہ جلا ہی رہے تھے۔اب اس دیئے سے اور آگے کتنے دیئے جلتے ہیں، یہ تو آنے والا وقت ہی بہتر جانتا ہے۔

☆☆......☆☆

اے دل سنبھل ذرا

''تمہارا موڈ کیوں آف ہے برخوردار۔'' ڈائنگ ٹیبل کے گرد موجود تینوں نفوس ڈنر میں مشغول تھے۔ شاہ زیب بددلی سے پلیٹ میں چاول نکالے چمچ ہلا رہا تھا۔ اس کا دھیان کھانے کی طرف نہ تھا۔ وہ دنیا بھر سے خفا لگ رہا تھا۔ اس کا آفس میں بھی......

شہر کی معروف شاہراہ پر ٹریفک کا اژدھام رواں دواں تھا۔ زندگی اپنے روایتی رنگوں کے ساتھ مصروف شاہراہ کے دائیں جانب تعمیر 'حمزہ ٹریڈرز' کی مین برانچ آفس میں رنگ بکھرے ہوئے تھی۔ 'حمزہ فرمز' کے ہیڈ آفس کے مینجر کی پوسٹ کے لیے انٹرویوز ہو رہے تھے۔ حمدان صبح سے اپنی باری کے انتظار میں سپاٹ چہرہ لیے سامنے بند دروازے پر نگاہیں ٹکائے تھا۔ پوسٹ کے لیے ہائلی کوالیفائیڈ موجود تھے۔ ایک سیٹ کے لیے سینکڑوں نوجوان موجود تھے گویا پورا شہر اسی آسامی کے انتظار میں اُمڈ آیا تھا۔

جوں جوں وقت گزر رہا تھا اُس کی امیدیں دم توڑ رہی تھیں۔ وہ ایم بی اے کے بعد جاب کی تلاش میں روزانہ اخبار سے آسامیاں ڈھونڈ کر انٹرویو کے لیے پہنچ جاتا مگر ہر بار ناکامی قدم چومتی۔ اس کی نگاہوں میں مایوسی اترنے لگی۔ اس نے اداس طائرانہ نگاہ اردگرد باتوں میں محو بے فکرے نوجوانوں پر ڈالی۔ اس کے مضمحل وجود پر تھکاوٹ حاوی ہونے لگی وہ کونے میں خالی چیئر پر جا بیٹھا۔

''حمدان زبیر۔'' آفس کے دروازے پر مستعد کھڑے چوکیدار نے اس کا نام پکارا تو کئی نگاہیں بیک وقت اُس کی طرف اٹھیں۔ وہ ڈھیلے قدموں سے چلتا آگے بڑھ گیا۔

''آپ نے ایم بی اے فریش کیا ہے۔ آپ کے پاس کوئی تجربہ نہیں ہے۔'' آفس ویل ڈیکوریٹڈ اور وال ٹو وال کارپٹ تھا جہازی سائز ٹیبل کے گرد موجود تین افراد کے پینل میں سے درمیانے سوٹڈ بوٹڈ شخص نے اس کے تعلیمی ریکارڈ پر گہری تنقیدی نگاہ ڈالتے ہوئے فائل بند کر کے ٹیبل پر رکھتے ہوئے اور ناک پر پھسلتی عینک درست کرتے ہوئے اعتراض کا نکتہ اٹھایا تھا۔

''جی سر......'' پوزیشن ہولڈر حمدان زبیر نے ہکلاتے ہوئے اپنا سوکھتا حلق تھوک نگل کر تر کیا تھا اس کا اکیڈمک ریکارڈ نہایت شاندار تھا۔ وہ پہلی بار انٹرویو دینے نہ آیا تھا مگر نجانے کیوں اس کا

اعتماد متزلزل ہوا جا رہا تھا اس پر گھبراہٹ طاری ہونے لگی۔

''تجربہ کہاں سے ملتا..... کہیں جاب تو ملے۔'' حمدان نے خود کو گھر کتے ہوئے اپنا اعتماد بحال کرنے کی سعی کی۔

''آپ تھرو آؤٹ پوزیشن ہولڈر رہے ہیں۔'' دائیں جانب بیٹھے عمر رسیدہ باوقار شخص کی نگاہوں میں توصیف تھی۔

''جی سر.....'' حمدان کا اعتماد بحال ہو چکا تھا۔ اس پر طاری گھبراہٹ اڑنچھو ہوگئی۔ وہ نہایت ذہین و قابل نوجوان تھا اور جاب اپنی تعلیمی قابلیت و صلاحیتوں کے بل بوتے پر حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اسے سفارش کی پرواہ نہ تھی۔

''آپ کا پورا نام کیا ہے؟'' اسی شخص نے ذرا سا چونکتے ہوئے سامنے بیٹھے حمدان کے وجیہہ چہرے پر گہری نگاہ ڈالی اس کی نگاہوں میں پہچان کا ہلکا سا عکس ابھرا تھا۔

''حمدان علی زبیر۔'' حمدان نے اُلجھ کر مختصر جواب دیا۔

''قیصر علی ٹریڈرز کے اونر کے بھانجے۔'' اب کے سوال بائیں جانب بیٹھے شخص نے کیا تھا۔ اس کے چہرے پر نرم مشفق مسکراہٹ بکھر گئی تھی اور آنکھوں میں بھی شناسائی کا رنگ نمایاں تھا۔

''جی.....'' حمدان نے بجھے لہجے میں نیم مردہ دلی سے جواب دیا۔ اس کی دلچسپی جاب میں صفر رہ گئی تھی۔ وہ اس ویکینسی کے لیے جی جان لگا کر انٹرویو کی تیاری کر کے آیا تھا مگر اس کی 'پہچان' نے یہاں بھی اُس کا پیچھا نہ چھوڑا تھا۔ اسے اپنے شاندار اکیڈمک ریکارڈ کی بدولت جاب ملنے کی بہت زیادہ امید تھی۔ اس کا موڈ دھیرے دھیرے آف ہونے لگا۔

''اوہ..... آپ نے پہلے کیوں نہ بتایا۔'' دائیں جانب بیٹھے شخص نے دوبارہ گفتگو میں حصہ لیا گویا یہ اُس کی غلطی تھی کہ اس نے اپنا تعارف نہ کروایا تھا۔

وہ 'قیصر علی ٹریڈرز' سے ہی تو پیچھا چھڑوانا چاہتا تھا۔ وہ اپنی ذاتی پہچان و شناخت بنانا چاہتا تھا مگر اس کی ذات پر لگی چھاپ اس کا پیچھا چھوڑ کر ہی نہ دے رہی تھی مخاطب کے چہرے پر ہلکی سی ندامت در آئی تھی۔ گویا قیصر علی ابھی آ کر ان سے اپنے بھانجے کو جلد شناخت نہ کرنے پر سزا دے ڈالیں گے۔ ملک کی معروف کمپنی اونر کا نام ہی کافی تھا۔

''سر میں جاب اپنی قابلیت و اہلیت کے بل بوتے پر حاصل کرنا چاہتا ہوں نہ کہ ماموں کے حوالے سے..... اگر مجھے سفارش پر جاب چاہیے ہوتی تو ماموں کی فرمز میں سینکڑوں ویکینسز ہیں اور میں سال بھر سے جوتیاں نہ چٹخا رہا ہوتا۔'' حمدان نے اپنی سی وی فائل اُٹھا کر بند کرتے ہوئے تینوں کے چہروں پر متاسف نگاہ ڈالتے ہوئے سرد آہ خارج کی اور انہیں ہکا بکا چھوڑ کر تیزی سے نکل گیا۔

وہ زور سے دروازہ بند کرتا ہوا باہر آ گیا اسے یکدم وسیع و عریض بلڈنگ میں گھٹن محسوس ہونے لگی تھی۔

شام کا ملگجا اندھیرا دھیرے دھیرے کائنات پر چھا چکا تھا۔ پرندے اپنے آشیانوں کی جانب محو پرواز تھے۔ غالباً وہ مکمل اندھیرا پھیلنے سے پہلے اپنے ٹھکانوں تک پہنچنا چاہتے تھے۔

''حمدان نہیں آیا ہے ابھی۔'' نصرت نے ماربل لگے پورچ پر نگاہ ڈالنے کے بعد بڑے آہنی گیٹ کو تشویش سے گھورا۔ اس کے انٹرویو کی

ٹائمنگ چار بجے تک تھی اور اب شام ہونے کو آئی تھی۔ اس کا دور دور تک کہیں نام ونشان نہ تھا وہ صبح بے حد پر جوش گھر سے نکلا تھا اور ماں کو سہ پہر تک لوٹنے کا کہہ گیا تھا۔

''مما بھیا کا انٹرویو لیٹ ہو گیا ہوگا۔'' نمرہ نے بظاہر ماں کو تسلی دی تھی۔ وہ بھی بھائی کے لیے پریشان تھی حمدان کی کسی سے دوستی بھی نہ تھی کہ وہ انٹرویو کے بعد کسی دوست کی طرف نکل گیا ہو گا وہ وقت کا خاصا پابند تھا۔ نمرہ نے تشویش سے گھڑی پر نگاہ ڈالی۔ ساڑھے چھ ہونے کو تھے۔

''اللہ میرے بچے کی خیر رکھنا۔'' وہ غیر ذمہ دار یا لاپرواہ ہرگز نہ تھا۔

جوں جوں وقت گزرتا جا رہا تھا۔ نصرت کا دل ہولے جا رہا تھا۔ حمدان ایم بی اے امتیازی پوزیشن سے پاس کرنے کے بعد ایک سال سے جاب کے لیے جوتیاں چٹخا رہا تھا۔ وہ ہر دوسرے

روز اخبار یا کسی جاننے والے سے کسی ویکنسی کا علم ہوتے ہی انٹرویو کے لیے پہنچ جاتا تھا مگر وائے ری قسمت......

اس کی تعلیمی قابلیت ہر بار اُس کی پہچان کے پیچھے چھپ جاتی۔ وہ اپنی پہچان سے پیچھا نہ چھڑانا چاہتا تھا دراصل وہ بے حد خوددار تھا وہ اپنی اہلیت و قابلیت کا لوہا منوانا چاہتا تھا۔ اگر اسے اپنی قابلیت واہلیت کی بجائے پہچان یا سفارش کے بل بوتے پر جاب چاہیے ہوتی تو وہ 'قیصر علی ٹریڈرز' کی شاہانہ سیٹ سنبھال لیتا۔ اسے توقیر ماموں کئی بار اپنی فرم میں جاب کی آفر کر چکے تھے وہ بھانجے کی خودداری کو ٹھیس پہنچائے بغیر اسے تنخواہ کی بھی آفر کر چکے تھے مگر نصرت کو یہ بالکل نامناسب لگا تھا۔ توقیر بھائی نے ہمیشہ اُن کا ساتھ دیا تھا۔ حمدان بغیر تنخواہ کے ماموں کے بزنس کو فروغ دیتا تو انہیں بالکل اعتراض نہ ہوتا۔

حمدان اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کے لیے بھرپور جدوجہد کر رہا تھا اور اپنے بہتر مستقبل کے لیے کسی اچھی جاب کی تلاش میں تھا مگر ابھی قسمت نے یاوری نہ کی تھی۔ توقیر صاحب نے بھی بھانجے کی خودداری بھانپ کر اس پر اپنی فرم میں جاب کرنے کے لیے مزید کسی قسم کا دباؤ نہ ڈالا تھا اور نہ ہی دوبارہ اسے جاب کی آفر کی تھی۔ بلکہ وہ اس کی خودداری پر خوش تھے اور انہیں مکمل یقین تھا کہ حمدان اپنے شاندار اکیڈمک ریکارڈ اور قابلیت کے بل بوتے پر جلد کوئی بہترین جاب ڈھونڈ لے گا اب سات بجنے والے تھے نصرت نے دل میں بیٹے کی عافیت کی دعا مانگی۔

''السلام علیکم!'' اس کے پاس مین گیٹ کی ایک چابی ہمہ وقت ہوتی تھی وہ بائیک پورچ میں کھڑی کر کے آیا تو نصرت اور نمرہ لاؤنج میں موجود تھیں اس نے پُر مضمحل سلامتی بھیجی۔

''وعلیکم السلام!'' جاتی گرما کے دن تھے۔ موسم میں ابھی تپش باقی تھی۔ نمرہ فوراً بھائی کے لیے پانی لینے لپکی۔ نصرت نے جواباً سلامتی بھیجتے ہوئے اپنے قریب بیٹے کے لیے جگہ بنائی۔ وہ ماں کے قریب بیٹھ گیا۔ اس کے چہرے پر تھکن نمایاں تھی۔

''بھیا......'' نمرہ نے سوچوں میں گم خاموش بیٹھے بھائی کی طرف پانی کا گلاس بڑھایا تو وہ ایک سانس میں گلاس خالی کر گیا۔ وہ خاصا افسردہ لگ رہا تھا۔ نمرہ اس سے انٹرویو کے متعلق پوچھنا چاہتی تھی کہ نصرت نے اُسے اشارتاً منع کر دیا۔ وہ خاموشی سے پلٹ گئی۔ نصرت بیٹے کے لیے پریشان تھیں۔ وہ نرمی سے حمدان کے سر کے بال سہلانے لگیں۔ گویا وہ اسے حوصلہ دے رہی تھیں۔ حمدان کا بوجھل پن قدرے کم ہونے لگا تھا۔ دل و دماغ پر چھائی کلفت چھٹنے لگی اور اس نے امید کا ایک نیا جگنو اپنی مٹھی میں مقید کر لیا۔

''نمرہ مجھے ذرا میگزین پکڑانا'' نمرہ کا کل امپورٹمنٹ ٹیسٹ تھا۔ وہ زور و شور سے سر ہلا ہلا کر ٹیسٹ یاد کر رہی تھی۔ حمدان نے اس سے صوفے پر رکھا میگزین مانگا کہ وہ صوفے سے قریب تھی اور اسی نے کچھ دیر قبل میگزین کی ورق گردانی کی تھی۔

''اچھا بھائی۔'' نمرہ نے ٹیسٹ ریوائز کرتے ہوئے سر ہولے سے اثبات میں ہلایا اور منہ میں ڈیفینیشن ریوائز کرنے لگی۔ ڈیفینیشن مختصر تھی وہ اگلے پل اٹھنے کا قصد رکھتی تھی۔

''تم نے نہیں پکڑانا تو مجھے انکار کر دو۔ میں خود لے لیتا ہوں۔'' حمدان نے بے حد درشتی و رکھائی بھری خفگی سے کہتے ہوئے اٹھ کر میگزین

اٹھالیا۔ نمرہ اپنی جگہ ہکا بکا رہ گئی۔ وہ ابھی اٹھنے کو تھی کہ حمدان نے خود میگزین اٹھالیا۔

"بھیا میں آپ کو میگزین دینے ہی والی تھی۔" نمرہ نے فوراً اپنی صفائی پیش کی۔ حمدان آج پھر ایک جگہ انٹرویو دے کر آیا تھا اور حسب معمول ناکامی نے اس کے قدم چومے تھے۔ اسی لیے وہ خاصا چڑچڑا ہو رہا تھا جاب کے لیے خاصا پُرامید تھا۔ وہ ہر لحاظ سے جاب ویکینسی کی ڈیمانڈ پر پورا اترتا تھا مگر یہاں سفارش غالب آ گئی۔

حمدان نے اپنی جھنجلاہٹ بہن پر اتاری تھی وہ نمرہ کی وضاحت ان سنی کرتا ہوا میگزین اٹھا کر چلا گیا۔ نمرہ کی آنکھوں میں نمی تیر گئی۔

☆......☆......☆

"نمرہ یار میری شرٹ تو استری کر دو۔" نمرہ بھائی کی خواہ مخواہ کی خفگی بھری ڈانٹ پر دو روز سے اس سے خفا تھی۔ وہ منہ پھلائے اسے مسلسل نظر انداز کیے ہوئے تھی۔ حمدان کی بہن میں جان تھی۔ اس سے بہن کی خفگی برداشت نہ ہوتی تھی اسے اپنے رویے کی بدسلوکی کا احساس ہو چکا تھا۔ اس نے نمرہ کو ناجائز ڈانٹا تھا۔ حمدان کو جاب نہ ملنے میں بھلا اس کا کیا قصور تھا۔ وہ بے روزگاری کے ہاتھوں تنگ جھنجلایا رہتا اور چڑچڑاہٹ میں اسے بھی ڈانٹ دیا۔ حالانکہ وہ اس کا کام کرنے سے انکاری تو نہ تھی۔ حمدان اپنے کپڑے خود پریس کرتا تھا اسے کسی دوسرے کے ہاتھ سے کیے پریس کپڑے پسند نہ آتے تھے۔ اس نے بہن کی منت کی۔ مقصد محض بہن کو منانا تھا جو دو روز سے منہ پھلائے اس سے خفا تھی۔

"مما آج میم سحرش نے بطور خاص میرا ٹیسٹ کلاس میں دکھایا تھا۔" نمرہ روزانہ کالج سے آ کر تمام روداد ماں کو سناتی تھی۔ اس کا ٹیسٹ بہت اچھا ہوا تھا اور آج میم سحرش نے اس کا ٹیسٹ پیٹرن ساری کلاس کو دکھاتے ہوئے اس کی بے حد تعریف کی تھی۔ وہ اپنی تعریف پر بے حد مسرور تھی مگر بھائی سے خفگی بھی نہ بھولی تھی سوائے یکسر نظر انداز کیے ماں سے مخاطب تھی۔

"نمرہ میری شرٹ پریس کر دو پلیز۔" حمدان نے مصنوعی التجائیہ انداز میں بہن کے سامنے شرٹ لہرائی جو اسے بالکل لفٹ نہ کروا رہی تھی۔

"مما...... میم نے میرا ٹیسٹ فوٹو اسٹیٹ کروا کر ساری کلاس میں ڈسٹری بیوٹ بھی کیا ہے۔" اس نے ٹیسٹ میں فل مارکس لیے تھے۔ میم سحرش کو اس کا ٹیسٹ عام نوٹس سے زیادہ پسند آیا تھا۔ انہوں نے دوسری اسٹوڈنٹس کی نالج کے لیے انہیں نمرہ کا ٹیسٹ ریفر کیا تھا۔ اس نے مما کو بتاتے ہوئے خفگی سے شرٹ پیچھے کی۔ وہ دونوں میں جاری دھیمی نوک جھونک سے واقف تھیں ورنہ وہ اپنے لاڈلے کی شان میں گستاخی کسی طور برداشت نہیں کرتیں اور نمرہ کی شامت یقینی تھی۔ حمدان کے لبوں پر دھیمی نرم مسکراہٹ پھیل گئی مما روٹیاں بنانے میں مگن تھیں ان کا پورا دھیان جلد کھانا تیار کرنے پر تھا کہ نمرہ کو خاصی بھوک لگی تھی اور وہ کالج سے آتے ہی ماں کے ساتھ کچن میں موجود تھی۔ حمدان بھی گھر تھا۔ وہ کہیں انٹرویو دینے کے لیے نہ گیا تھا اور نہ ہی اس کا مزید چند روز انٹرویو دینے کا کوئی ارادہ تھا۔ وہ چند روز ذہنی یکسوئی سے گزارنا چاہتا تھا۔

"پھوپو...... آپ نے کیا پکایا ہے؟" اسی لمحہ لائبہ نے اندر آ کر جھانکا۔ گلابی مکھڑے سے چھلکتا بانکپن نمایاں تھا۔ لانبی سلکی زلفیں کیچر میں مقید دائیں کندھے پر براجمان تھیں۔ گھنی پلکوں

کی اٹھتی گرتی چلمن حمدان کا سکون تہہ و بالا کر رہی تھی۔ حمدان بہن کو منانا بھول کر دونوں بازو سینے پر باندھے یک ٹک اسے تکنے میں محو تھا۔ لائبہ بے صبری سے جواب کا انتظار کیے بغیر دیگچی کا ڈھکن اُٹھا کر چیک کرنے لگی۔

''فنٹاسٹک پھوپو.....'' کچنار گوشت دیکھ کر اس کی بھوک کو چار چاند لگ گئے تھے۔ اس نے چٹورے پن سے سالن کی اشتہا انگیز خوشبو کو اندر اتارتے ہوئے چٹخارا بھرا۔ لائبہ کی ماں نے دال پکائی تھی اور وہ دال سے سخت الرجک تھی۔ اسے زوروں کی بھوک لگی تھی۔ وہ دال دیکھ کر بے زاری سے کھانا ادھورا چھوڑ کر بغیر یونیفارم چینج کیے نصرت کے پورشن میں آ گئی تھی۔ نصرت نے محبت سے بھتیجی کے لیے سالن نکالتے ہوئے کہا۔

''اچھی طرح پیٹ بھر کر کھانا۔''

''جی پھوپو.....'' وہ سر ہلا کر بولی۔

''آہ.....'' نمرہ نے بھائی کے انہماک پر اس کے بازو پر زوردار چٹکی کاٹی نتیجتاً اس کے منہ سے کراہ نکل گئی۔ نمرہ نے اُس کے ہاتھ سے شرٹ کھینچی۔

''لائبہ تمہارا آج کا ٹیسٹ کیسا ہوا ہے؟''

لائبہ اور نصرت نے چونک کر اسے قدرے اچنبھے سے دیکھا۔ جبکہ نمرہ وہاں سے شرٹ سمیت غائب ہو چکی تھی۔ ان دونوں بہن بھائی میں بے مثال محبت تھی۔ دونوں اِدھر لڑتے اور اُدھر خود ہی مان بھی جاتے۔ نمرہ ناراضگی بھلا کر بھیا کو شریر انداز میں چٹکی کاٹ کر یہ جا اور وہ جا..... درد سے بلبلاتے حمدان کو بروقت یہی بہانہ سوجھا تھا۔ اس نے دونوں کی توجہ بٹانے کو موضوع بدل دیا۔

''بھئی صاف بات ہے میں نمرہ جیسی پڑھاکو اور ذہین نہیں ہوں۔'' لائبہ حسب عادت شروع ہو چکی تھی۔ اب وہ نہایت سہولت سے اس ٹاپک پر گھنٹہ بھر بات کر سکتی تھی۔ نصرت مصنوعی خفگی سے حمدان کو گھورتی پلٹ کر لائبہ کے لیے گرما گرم روٹی بنانے لگیں۔ انہیں بھلا ساری زندگی اپنی اولاد کی سمجھ آئی تھی جواب آ جاتی۔ وہ ناسمجھی سے سر ہلاتی اپنے کام میں مگن تھیں۔ حمدان کن اکھیوں سے ماں کو دیکھتے ہوئے اور نمرہ کو دل میں کوستے ہوئے تشکر بھری سانس بھرتا لائبہ کی باتوں پر سر دھننے لگا۔ نصرت سے کچھ بعید بھی نہ تھی کہ وہ اسے لائبہ کے سامنے ہی ڈپٹ دیتیں۔ اسے اب گھنٹہ بھر لائبہ کا 'ٹیسٹ نامہ' بھی سننا تھا اور یہ دنیا کا وہ واحد کام تھا جو وہ نہایت سہولت سے کئی گھنٹے کر سکتا تھا۔ اس نے لائبہ کے سامنے بیٹھے ہوئے ٹیبل پر کہنی جمائے محویت سے نگاہیں اس کے چہرے پر ٹکا دیں۔

☆......☆......☆

سنہری دھوپ سارے لان میں بکھری تھی۔ سرما کی آمد آمد تھی۔ پُر حدت دھوپ نہایت بھلی لگ رہی تھی۔ لائبہ اپنے ساتھ نمرہ کو بھی لان میں گھسیٹ لائی تھی۔ دونوں نے کالج سے چھٹی کی تھی کالج میں سالانہ گیمز کا انعقاد تھا۔ سو وہاں پڑھائی برائے نام تھی۔ ان دونوں نے چھٹی کر کے گھر میں ایگزامز کی تیاری شروع کر دی۔ اینول ایگزامز میں کم عرصہ رہ گیا تھا۔

''واؤ نمرہ کینو کھائیں۔'' کمبائن اسٹڈی میں محو چٹوری لائبہ کی نگاہ درخت پر لگے کینو پر پڑی تو اس کے منہ میں پانی آ گیا۔ وہ دونوں بی ایس سی فائنل ایئر کی اسٹوڈنٹس تھیں۔ نمرہ بھائی کی طرح پڑھائی میں بہت اچھی تھی وہ ایگزامز میں شاندار نمبرز سے پاس ہوتی جبکہ لائبہ کی اسٹڈی اوسطاً ہوتی تھی۔ وہ ہر ایگزام بغیر سپلی کے اچھے نمبرز

سے کلیئر کر لیتی تھی اور اسی پر کافی اتراتی تھی۔

''مردم تم......'' نمرہ کا موڈ پڑھنے کا تھا۔ لائبہ نے اس کا ٹیمپو لوز کر دیا تھا۔ اس نے خفگی سے بال پوائنٹ نوٹس پر پٹخا تھا۔

''کیا ہو گیا ہے یار...... اگر تم نہیں ہو تو نہ سہی۔'' لائبہ نے سہمنے کی مصنوعی ایکٹنگ کرتے ہوئے چہرے پر زمانے بھر کی لاچاریت طاری کر لی۔

''اگر بھیا اسے دیکھ لیں تو وہ میرا گلا گھونٹ دیں۔'' نمرہ کی شریر انداز میں سوچتے ہوئے ہنسی چھوٹ گئی۔ وہ ان دونوں کی خاموش محبت کی گواہ اور ہمراز تھی۔

''کیا ہوا ہے۔'' لائبہ نے اسے خشمگیں نظروں سے گھورتے ہوئے سامنے دھرے نوٹس اٹھا لیے۔

''کچھ نہیں...... میں سوچ رہی تھی کہ ہم دونوں کی ہائٹ اتنی نہیں ہے کہ ہم با آسانی کینو اتار لیں۔ میں حمدان بھیا کو بلا لاتی ہوں۔'' نمرہ نے بات بدلتے ہوئے شریر متبسم بظاہر سنجیدہ انداز میں درخت کی اونچائی ناپتے ہوئے اپنی رائے کا اظہار کیا۔

''ہوں......'' لائبہ کا دل بے طرح دھڑک اٹھا۔ اس نے لاپرواہی سے مبہم ہنکارا بھرتے ہوئے دھیان نوٹس پر مرکوز رکھنے کی سعی کی مگر دھیان کی تمام سمتیں تو حمدان پر جاٹکتی تھیں۔ نمرہ بھاگ کر بھائی کو بلا لائی حمدان نے اگلے چند لمحوں میں کینو اتار دیے۔

''مجھے بھی دو۔'' لان میں بکھری نرم گرم دھوپ اور محبوب کی قربت نے اسے مائل کر دیا۔ وہ دونوں کے ساتھ وہیں ٹک گیا۔ نمرہ سے کینو کھانے کے بعد اس نے لائبہ کے ہاتھ سے کینو چھینا۔

''کھاؤ چٹورے۔'' لائبہ مصنوعی خفگی سے اسے کینو تھماتے ہوئے بولی تھی۔ اس کے حسین چہرے پر بکھرا گلال سنہری پن میں ڈھل چکا تھا۔ نمرہ نے محظوظ نگاہوں سے کینو کھانے میں مصروف لائبہ اور حمدان کو دیکھا اور دل سے بے ساختہ دونوں کی دائمی خوشیوں کی دعا نکلی تھی۔

☆......☆......☆

سنہری گرم دھوپ نے کمرے کے سارے کونوں میں ڈیرا جما کر اسے بھرپور انگڑائی لے کر بیدار ہونے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ کچھ دیر کسلمندی سے بیڈ پر دراز رہا۔ اس نے دھوپ سے بچنے کو منہ پر تکیہ رکھا مگر نیند نے نہ آنا تھا اور نہ ہی آئی۔ نہ جانے کب عالیہ آ کر پردے ہٹا گئی تھیں۔ وہ ڈھیٹ بنا لیٹا رہا۔ اس کا اٹھنے کا چنداں موڈ نہ تھا۔

''شاہ زیب اٹھ جاؤ بیٹا۔'' عالیہ نے ڈھیٹ بنے بیٹے کو قدرے خفگی سے ڈانٹا۔ اس کا آفس میں پہلا روز تھا۔ حسن صاحب جاتے ہوئے بیگم کو بطورِ خاص بیٹے کو وقت پر آفس بھیجنے کی تاکید کر گئے تھے مگر برخوردار نے دس گھر ہی بجا دیے تھے۔

شاہ زیب اسٹڈی کمپلیٹ کر کے فارغ تھا۔ اس کی صبح بارہ بجے سے پہلے نہ ہوتی تھی۔ حسن کا امپورٹ ایکسپورٹ کا بزنس تھا۔ وہ اسے اپنے بزنس میں لگانا چاہتے تھے۔ شاہ زیب بھی والد کے بزنس میں انٹرسٹڈ تھا مگر وہ جلد ذمہ داریاں سنبھالنے سے گریزاں تھا۔ وہ کچھ عرصہ زندگی انجوائے کرنا چاہتا تھا۔ حسن نے آفس پہنچ کر دوبارہ کال کر کے بیٹے کو وقت پر آفس بھیجنے کی تاکید کی تھی۔

''مما پلیز......'' وہ ماں کی پکار پر بھی ٹس سے

مس نہ ہوا تو انہوں نے آ کر اس کے منہ سے تکیہ کھینچا وہ جھنجلا کر بھنا اٹھا۔

''شاہ زیب تمہارے پپا کی دوبارہ کال آ چکی ہے آفس سے' اگر تم دس منٹ میں تیار ہو کر ڈائننگ ٹیبل پر نہ آئے تو میں تمہارے پپا کو کال کر دوں گی کہ وہ تمہیں خود آ کر لے جائیں۔'' وہ بے بس تھیں۔ شاہ زیب کوئی دودھ پیتا یا اسکول گوئنگ بچہ نہ تھا کہ وہ اسے زبردستی اُٹھا کر تیار کرتیں۔ مگر وہ شوہر کی بارعب شخصیت و غصے سے بھی دبتی تھیں یہ نہ تھا کہ حسن کوئی ہٹلر ٹائپ شخصیت تھے۔ ان کی زندگی کے کچھ اصول تھے اور وہ ان اصولوں پر سختی سے کاربند تھے۔ ان میں سے ایک اصول وقت کی پابندی بھی تھا۔ عالیہ بیگم آخری حربہ آزماتے ہوئے تکیہ اس کے منہ پر رکھتے ہوئے اسے دھمکاتی لوٹ گئیں۔

''کیا مصیبت ہے۔'' ان کا وار خالی نہ گیا تھا۔ وہ اگلے پل بھناتا ہوا واش روم میں تھا۔ پپا سے کچھ بعید بھی نہ تھا وہ آفس سے اسے لینے پہنچ جاتے۔ ان سے ڈانٹ الگ پڑتی اور وہ اپنے اسٹاف کے سامنے بے عزتی الگ کرتے۔ سو بھلائی اِسی میں تھی کہ وہ شرافت سے اٹھ جاتا۔ کچن کی طرف بڑھتی عالیہ کے چہرے پر دھیمی مسکراہٹ بکھر گئی۔

☆......☆......☆

''تمہارا موڈ کیوں آف ہے برخوردار۔'' ڈائننگ ٹیبل کے گرد موجود تینوں نفوس ڈنر میں مشغول تھے۔ شاہ زیب بددلی سے پلیٹ میں چاول نکالے چمچ ہلا رہا تھا۔ اس کا دھیان کھانے کی طرف نہ تھا۔ وہ دنیا بھر سے خفا لگ رہا تھا۔ اس کا آفس میں بھی موڈ آف رہا تھا اور اس نے دلجمعی سے کام میں حصہ نہ لیا تھا۔ اس کا آفس میں پہلا دن تھا سو حسن نے درگزر سے کام لیا تھا مگر اب وہ اسے لتاڑے بغیر نہ رہ سکے تھے۔

عالیہ بھی بیٹے کا بگڑا موڈ دیکھ رہی تھیں اور مصلحتاً خاموشی کا لبادہ اوڑھے ہوئے تھیں۔ وہ اسے حسن کے سامنے کچھ کہہ کر باپ سے ڈانٹ نہ پڑوانا چاہتی تھیں۔

''پپا ابھی میری اسٹڈی کمپلیٹ ہوئی ہے میں کچھ عرصہ زندگی انجوائے کرنا چاہتا ہوں۔'' شاہ زیب نے باپ کی خفگی کی پرواہ کیے بغیر اپنا مدعا بیان کیا۔ وہ ایم بی اے کا ایگزام دے کر فارغ تھا اور رزلٹ کا انتظار کر رہا تھا۔ وہ کچھ عرصہ فری رہنا چاہتا تھا مگر حسن صاحب اس کے رزلٹ کا انتظار کیے بغیر اسے اپنے ساتھ لگانا چاہتے تھے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ وہ فارغ بیٹھ کر ذمہ داریوں سے راہِ فرار اختیار کرے۔ وہ اسے ذمہ دار اور کامیاب بزنس مین دیکھنا چاہتے تھے۔ شاہ زیب کے لہجے سے خفگی و جھنجلاہٹ عیاں تھی۔

''بیٹا...... میں تمہیں کامیاب اور ذمہ دار انسان دیکھنا چاہتا ہوں۔'' حسن نے نرمی و محبت سے اسے سمجھانا چاہا تھا۔ وہ بے حد اُکتایا ہوا تھا۔

''پپا آپ کم از کم میرے رزلٹ کا تو ویٹ کر لیں۔ میں کہیں بھاگا تو نہیں جا رہا ہوں۔'' شاہ زیب کے لہجے سے بغاوت کی ہلکی سی بو جھلکی۔ وہ بدگمانی کی انتہا تک باپ سے خفا تھا۔ اس کے تمام کلاس فیلوز فری تھے جبکہ پپا نے اس پر کام اور ذمہ داری کا بار ڈال دیا تھا۔

''شاہ زیب کیا تم بزنس میں انٹرسٹڈ نہیں ہو۔'' جوان اولاد کے بغاوت و بدگمانی چھلکاتے لہجے نے انہیں خوفزدہ کر دیا تھا اور وہ اپنے فیصلے پر نظرثانی کرنے پر مجبور ہو گئے تھے۔

''پپا میں نے یہ کب کہا ہے کہ میں بزنس میں

انٹرسٹڈ نہیں ہوں۔ بس ذرا کچھ عرصہ فری رہنا چاہتا ہوں۔'' شاہ زیب نے باپ کے نرم لہجے پر شہ پاکر اپنا مدعا انہیں سمجھانے کی سعی کی۔

''جب تمہیں اپنا بزنس ہی کرنا ہے تو پھر وقت ضائع کرنے کا فائدہ۔'' حسن بیٹے کا پوائنٹ آف ویو سمجھنے سے قاصر تھے۔ وہ جوان تھا وہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کا بیٹا فراغت میں کسی غلط صحبت یا بے کار سرگرمیوں میں شامل ہو۔ وہ تو اسے کامیاب مستقبل دینا چاہتے تھے ان کے خیال میں وہ فارغ رہ کر سست یا کام چور ہوسکتا تھا۔

''پپا پلیز......'' شاہ زیب انہیں قائل کرنے میں ناکام رہا تھا وہ خفگی سے کھانا ادھورا چھوڑ کر اُٹھ گیا۔

''ارے شاہ زیب بیٹا...... کھانا تو کھاتے جاؤ۔'' عالیہ اپنے کمرے کی طرف بڑھتے شاہ زیب کو پکارتی رہ گئیں ناکامی پر عالیہ نے شوہر کو خاموش درزیدہ نظروں سے دیکھا۔ جو کسی گہری سوچ میں گم کھانا کھانا بھول چکے تھے۔

''حسن آپ پریشان نہ ہوں وہ بچہ ہے۔ میں اسے سمجھالوں گی۔'' حسن ڈنر کے بعد خلافِ معمول اخبار کا مطالعہ کیے بغیر چپ چاپ سونے کے لیے لیٹے تو عالیہ نے نرمی سے انہیں تسلی دی۔ وہ ڈنر کے بعد اخبار کا تفصیلاً مطالعہ کرتے اور ہر خبر پر بیوی سے تبصرہ بھی کرتے ان کی تشویش بھری خاموشی عالیہ سے برداشت نہیں ہوئی تھی۔

''عالیہ...... میں اس کا دشمن نہیں ہوں آج کل وقت بہت خراب ہے۔ اولاد کی بہتری و بھلائی کے لیے اس پر کڑی نظر رکھنی پڑتی ہے۔ مجھے خدشہ ہے کہ کہیں وہ فراغت میں کسی غلط صحبت میں نہ پڑ جائے یا وہ کام چور' لاپرواہ اور سست ہی نہ ہوجائے اور اس کا دل کام کاج میں نہ لگے۔'' حسن نے بیوی کی محبت پر ڈھارس پاتے ہوئے تفصیلاً اپنے خدشات کا اظہار کیا۔

''آپ بے فکر رہیں۔ ہم نے اپنی اکلوتی اولاد کی بہترین پرورش کی ہے۔ وہ ہمیں مایوس نہیں کرے گا۔'' حسن اکلوتی اولاد کے لیے خاصے متفکر تھے۔ وہ ان کی امیدوں کا واحد سہارا تھا۔ عالیہ نے شوہر کے خدشات دور کرتے ہوئے انہیں دلاسا دیا۔

''تم اسے کہہ دینا وہ جب دل چاہے آفس آجائے۔'' حسن کے خدشات دور ہوئے تو انہیں بھی بیٹے پر زبردستی کرنا مناسب نہ لگا۔ انہوں نے نرمی بھری پدرانہ شفقت سے اسے اجازت دے ڈالی۔ وہ بیوی کو تاکید کرتے سونے کی کوشش کرنے لگے وہ خاصے ہلکا پھلکا ہوچکے تھے۔ عالیہ ان کی محبت پر ہولے سے ہنس دیں۔

☆......☆......☆

''چھکا...... ایک...... دو...... تین......'' لائبہ کو ڈنر کے بعد جلد نیند نہ آتی تھی۔ اس کا پڑھائی کا قطعاً کوئی موڈ نہ تھا۔ وہ لڈو اُٹھا کر پھوپو کے پورشن میں چلی آئی۔ نمرہ حسبِ معمول پڑھائی میں بزی تھی۔ اس نے آتے ہی اس سے نوٹس اچک کر چھپا دیے اور لڈو کھول کر بیٹھ گئی۔ ناچار اسے ساتھ دینا پڑا۔ ابھی انہوں نے گیم شروع نہ کی تھی کہ حمدان بھی آن دھمکا۔ اس نے پہلے کھیلتے ہوئے گیم کا آغاز کیا۔

''اِٹس فاؤل...... پہلے میری باری ہے۔'' حمدان چھکے کی خوشی میں گوٹ ہاتھ میں پکڑے دانے گننے میں مگن تھا کہ لائبہ نے اس کی خوشی غارت کرتے ہوئے دہائی دی۔

''لائبہ یہ بے ایمانی ہے۔'' حمدان نے لڑاکا عورتوں کی طرح خالصتاً ہاتھ نچاتے ہوئے

باقاعدہ لڑائی کا آغاز کیا۔

''یہ تمہاری غلطی ہے تم نے پہلے باری کا تعین کیوں نہیں کیا تھا۔''

''فرسٹ..... سیکنڈ اینڈ تھرڈ.....'' لائبہ نے اپنی نمرہ اور آخر میں حمدان کی سمت اشارہ کیا۔ وہ آسانی سے ماننے والوں میں سے نہ تھی اور خصوصاً مدِ مقابل حمدان ہوتا تو وہ اسے خوب ستاتی۔ ان دونوں کی محبت ایسی ہی تھی۔ وہ ایک دوسرے کے بغیر رہ بھی نہ سکتے تھے اور اک دوجے کا سامنے ہوتے ہی ضرور چھوٹی موٹی نوک جھونک بھی شروع کردیتے اور پھر جلد ہی صلح بھی کرلیتے۔

''نیو نیور۔'' حمدان کو بھی لڑائی طول دینے میں مزہ آتا وہ بھی حسبِ عادت اسٹارٹ لے چکا تھا۔

''تمہیں بلایا کس نے تھا۔ ہم دونوں اچھا بھلا کھیلنے لگے تھے۔'' لائبہ نے مبہم شریر لہجے میں اسے تپایا۔

''ہائیں..... ہائیں۔'' حمدان کو اس سے اتنی بدلحاظی و بے مروتی کی توقع نہ تھی۔ وہ مارے تحیر کے پھٹی آنکھوں سے اُسے دیکھتا رہ گیا۔

''چلو اب آ ہی گئے ہو تو ہم کھیل لیتے ہیں۔'' وہ مصنوعی خفگی سے اُٹھ کر جانے لگا۔ تو دل بے وجہ سہم کر دھڑکا۔ لائبہ نے اس پر گویا احسانِ عظیم کرتے ہوئے اس کا بازو فوراً سے پیشتر تھام لیا۔ مبادا وہ واقعی اُٹھ کر چلا جائے۔ نمرہ سے کھیلنا تو اک بہانہ تھا ورنہ وہ اسی کے لیے تو آئی تھی۔ دل نے یکدم محبوب کی سنگت کی چاہ کی تھی اور وہ خود کو ادھر آنے سے نہ روک پائی تھی۔

''ہوں..... ہوں۔'' حمدان کی محبت بھری نرم معنی خیز نگاہیں اس پر گڑ گئیں۔ نمرہ نے خواہ مخواہ معنی خیز ہنکارا ابھرا۔ لائبہ نے گڑبڑا کر اس کا بازو چھوڑ دیا۔ اس کے چہرے پر شرمگیں سرخی پھیل گئی۔

''چلو کیا یاد کرو گی..... تم پہلی باری لے لو۔''

ماحول خاصا معنی خیز و مبہم ہو چکا تھا۔ اس نے بمشکل لائبہ کے من موہنے مکھڑے سے نگاہیں ہٹاتے ہوئے دھیمے لہجے میں کہتے ہوئے ڈبی اور چھکا اس کی طرف بڑھایا۔

''نہیں تم لے لو.....'' لائبہ نے سرگوشی نما لہجہ میں انکار کیا۔ اس پر محبت کا پُرکیف دھیما فسوں ابھی قائم تھا دل الگ مدہم لَے پر دھڑک دھڑک کر بے حال تھا۔

''چلو چھوڑو تم دونوں میں پہل کرتی ہوں۔'' نمرہ نے دونوں کو باری باری شوخ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے حمدان کے ہاتھ سے ڈبی اور چھکا لے لیا۔

''چھکا..... ایک..... دو..... تین۔'' نمرہ نے ڈبی زور سے ہلاتے ہوئے چھکا لڈو پر پھینکا۔ گیم دوبارہ اسٹارٹ ہو چکی تھی۔ ماحول پر چھایا محبت کا فسوں دھیما پڑنے لگا۔ وہ گیم میں بزی ہو گئے تھے۔

☆......☆......☆

''مما آپ پپا کو بتا دیں۔ مجھے آفس جوائن کرنے میں کوئی اعتراض نہیں ہے میں آفس آ جایا کروں گا۔'' شاہ زیب نے خوب ٹھنڈے دل و دماغ سے سوچا تھا۔ اسے پپا کا فیصلہ درست لگا تھا۔ وہ اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھا۔ اگر وہ اپنی اکلوتی اولاد کا فیوچر سیف کرنا چاہتے تھے تو یہ کوئی غلط بات نہ تھی۔ حسن حسبِ معمول جلد ناشتہ کر کے آفس جا چکے تھے۔ وہ فریش ہو کر ڈائننگ ٹیبل پر آیا تو عالیہ نے اس کے سامنے ناشتہ لا کر رکھا۔ اس نے نوالہ توڑتے ہوئے ماں کو اپنا فیصلہ

سنایا۔

''ریئلی بیٹا۔'' وہ بے حد خوش ہوگئیں۔ انہیں اس کے اتنی جلدی اور آسانی سے مان جانے کی قطعاً امید نہ تھی۔ ان کے لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔

''بیٹا والدین ہمیشہ اولاد کے فائدے کا سوچتے ہیں تمہارے پپا تمہارے دشمن نہیں ہیں۔'' وہ نارمل انداز میں ناشتہ کررہا تھا۔ اس کے چہرے سے کچھ بھی اخذ کرنا مشکل تھا۔ عالیہ سمجھ نہ سکیں کہ اس نے فیصلہ اپنی خوشی سے کیا ہے یا زبردستی۔ وہ تو زندگی انجوائے کرنے کے لیے باپ سے بحث کررہا تھا۔ اور وہ اسے نرمی سے مناسب موقع دیکھ کر سمجھانا چاہتی تھیں۔ عالیہ نے اسے جانچتی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے گفتگو کا آغاز کیا۔ وہ نہیں چاہتی تھیں کہ شاہ زیب کسی دباؤ میں آکر اپنے مستقبل کا فیصلہ کرے۔ آخر وہ ان کی اکلوتی اولاد تھا۔

''آف کورس مما۔'' شاہ زیب نے ناشتہ کر کے برتن پیچھے کھسکائے اور چائے کا کپ اُٹھا کر لبوں سے لگالیا۔ دراصل اسے پپا کا پوائنٹ آف ویو سمجھ آگیا تھا۔ وہ کچھ غلط نہ چاہ رہے تھے۔ اس کے سوشل سرکل میں اکثریت بگڑے رئیس زادوں کی تھی۔ اگر وہ اسے بگاڑ سے بچانا چاہتے تھے تو باپ ہونے کے ناتے ان کی خواہش جائز تھی شاہ زیب نے مسکرا کر ماں کو مطمئن کیا۔ عالیہ ہلکی پھلکی ہوگئیں کہ انہیں بیٹے پر اپنا فیصلہ تھونپنا نہ پڑا تھا۔

☆......☆......☆

سردی زوروں پر تھی۔ سورج نے شکل نہ دکھانے کا پختہ ارادہ کررکھا تھا۔ دو روز سے دھوپ نہ نکلی تھی اور آج بھی سہ پہر تک کوئی آثار نہ تھے۔

ان کے سالانہ امتحانات قریب تھے وہ رضائی میں گھسی مونگ پھلیوں سے بھرپور انصاف کرتے ہوئے اسٹڈی میں مشغول تھی کہ دفعتاً اس کا دل پڑھائی سے اُچاٹ ہوگیا۔ اس نے بک بند کر کے رضائی پرے کھسکائی اور لانگ کوٹ پہن کر ہُڈ سر پر جماتے ہوئے دونوں ہاتھوں کو رگڑتی سردی کی شدت کم کرتی 'توقیر ولا' سے ملحقہ پورشن میں چلی آئی۔

''لڑکی کبھی تم بھی پڑھ لیا کرو۔'' وہ لان عبور کر کے اندرونی حصے کے مین گیٹ تک پہنچی تو اندر سے نکلتے حمدان سے ٹکراتے ٹکراتے بچی۔ وہ پنک لانگ کوٹ میں سردی سے گلابی پڑتے چہرے سمیت بے حد معصوم و دلکش لگ رہی تھی حمدان نے اسے محبت سے چھیڑا۔

''سوری میں نمرہ نہیں ہوں۔'' اس نے برا مانے بغیر فوراً جواب دیا۔ وہ حقیقتاً نمرہ جتنی پڑھاکو نہ تھی۔ اسی لیے ان دونوں کے نمبرز میں کافی گیپ ہوتا ہے اور اس نے نمرہ سے کبھی حسد بھی نہ کیا تھا۔ وہ اس سے زیادہ محنت کرتی تھی تو زائد نمبرز لینا بھی اسی کا حق بنتا تھا۔ اس نے تک سک سے تیار حمدان پر نگاہ ڈالی۔ وہ غالباً کہیں جانے کے لیے تیار ہوا تھا اور اس کی جلد واپسی ناممکن تھی۔ دلِ نادان اس کے جانے کا سوچ کر ہی اُداس ہونے لگا تھا۔

''اسی لیے تو سمجھا رہا ہوں کہ تم بھی پڑھ لیا کرو۔'' حمدان نے اس کی حاضر جوابی کا بھرپور فائدہ اٹھایا اور ٹھہر کر فرصت سے اس کے چہرے پر نگاہ جمادی۔

''تم کہیں جارہے تھے شاید۔'' بھلے دل اس کے جانے کا سوچ کر ہی اُداس ہونے لگا تھا مگر اس کی گرم پُرشوق نگاہوں کی تپش سہنا آ بھی

سان نہ تھا۔ اس نے گڑ بڑا کر بات بنائی۔

''ہوں...... مگر......'' حمدان نے نرمی سے مسکرا کر سر ہولے سے ہلاتے ہوئے دانستہ بات ادھوری چھوڑ دی۔

''مگر کیا۔'' وہ اس کے سامنے کمزور پڑ کر خود کو عیاں نہ کرنا چاہتی تھی وہ دونوں محبت کے خاموش بندھن میں بندھے تھے۔ ان میں کبھی اظہار محبت کی نوبت نہ آئی تھی۔ حمدان نے کبھی اس سے اظہارِ محبت نہ کیا تھا تو وہ کیوں اظہار محبت میں پہل کرتی۔ اس نے خود کو محفوظ کرتے ہوئے استفسار کیا۔

''کچھ نہیں، مجھے ایک ارجنٹ کام ہے۔ شاید واپسی پر دیر ہو جائے۔'' حمدان نے محبت بھری نرمی سے بات ٹالی۔ اس نے کبھی کھل کر اظہار محبت نہ کیا تھا۔ حالانکہ دل کو مکمل یقین تھا کہ اس کی محبت یکطرفہ نہیں ہے۔ وہ اپنے جذبوں کو عیاں کرنے کے لیے مناسب وقت کا منتظر تھا۔ اسی لیے وہ بات بدل گیا تھا۔

''تو جاؤ...... بندہ کہیں کام سے جائے تو دیر سویر ہونا عام بات ہے۔'' دل محبوب کے منہ سے اظہارِ محبت سننے کا متمنی تھا۔ حمدان نے بات بنائی تو اس کے وجود میں بے نام سی اُداسی اتر آئی۔ وہ قدرے رکھائی سے کہتی واپس مڑ گئی۔

''ہائیں......'' حمدان حیرت سے اُسے پلٹ کر جاتا دیکھتا رہا۔ پھر کندھے اُچکا کر لاپرواہی سے باہر نکل گیا۔

☆......☆......☆

کوئی وعدہ نہیں ہم میں
نہ آپس میں بہت باتیں
نہ ملنے میں بہت شوخی
نہ آخر شب مناجاتیں
مگر اک ان کہی سی ہے
جو ہم دونوں سمجھتے ہیں
عجب اک سرخوشی سی ہے
جو ہم دونوں سمجھتے ہیں
یہ سارے دلربا منظر
طلسمی چاندنی راتیں
سنہری دھوپ کے موسم
یا ہلکی سکھ کی برساتیں
کبھی اک ضد میں رہتے ہیں
مجھے پیہم یہ کہتے ہیں
محبت یوں نہیں اچھی
محبت یوں نہیں اچھی

وہ بھاگتی ہوئی آ کر بیڈ پر اوندھے منہ گر گئی۔ دل بری طرح اُداس ہوا جا رہا تھا۔ اک بے چینی سی اس کے جسم و جان میں پیوست ہونے لگی تھی۔ وہ حمدان کو بے حد چاہتی تھی اور دل کو یقین تھا کہ وہ محبت کے سفر میں تنہا نہیں ہے۔ اسی لیے اس نے کبھی حمدان سے اظہارِ محبت سننے کی شدید چاہ نہ کی تھی۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو بے حد چاہتے تھے۔ حمدان بے حد سلجھا ہوا دھیمے مزاج کا نوجوان تھا۔ اسے اس کا ہر روپ ہر رنگ بھاتا تھا۔ وہ اپنے بڑوں کے فیصلے سے آگاہ تھی۔ حمدان اسی کا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ جب حمدان صرف اسی کا ہے تو اظہارِ محبت نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

حمدان نے اظہارِ محبت کے لیے کبھی الفاظ کا سہارا نہ لیا تھا مگر ہر بار دونوں کا سامنا ہونے پر حمدان کی نگاہوں کی چمک بڑھ جاتی۔ وہ بات بے بات اس سے لایعنی گفتگو کرنے لگتا۔ اور اس کا خاموش سلجھا ہوا وجود چیخ چیخ کر محبت کا اعلان کرتا۔ لائبہ کے لیے حمدان کی محبت بھری نگاہوں

کی چمک ہی زادِراہ تھی۔ وہ حمدان کی فطرت سے واقف تھی۔ سو دل نے کبھی اظہارِ محبت کی تمنا بھی نہ کی تھی۔

"تم بہت برے ہو حمدان۔" عورت فطرتاً اظہارِ محبت چاہتی ہے۔ اس سے محبت کا ننھا نازک پودا سینچ کر تناور درخت بنتا ہے۔ پھر بھلا وہ اپنی فطرت سے کیسے فرار ہو سکتی تھی۔

دل نے پہلی بار حمدان سے شکوہ کیا تھا کیا تھا جو وہ محبت کا کوئی چھوٹا سا جگمگاتا جگنو اس کی ہتھیلی پر رکھ دیتا۔ اس نے سر تکیے پر گرالیا دل کی بستی میں اُداسی کے گھنے بادل پھیل گئے تھے۔ اسے حمدان کو سمجھنے کا بہت دعویٰ تھا مگر وہ حمدان سے شکوہ کناں تھی اور ایک آنسو نہ جانے کیسے پھسل کر گال پر لڑھک آیا۔

☆......☆......☆

وسیع وعریض آفس میں سارا اسٹاف جمع تھا۔ حسن نے کسی ضروری میٹنگ کا کہہ کر اسٹاف کو بلوایا تھا۔ اسٹاف چہ میگوئیاں اور کھسر پھسر میں مصروف تھا کہ حسن اور شاہ زیب آفس میں داخل ہوئے۔ تمام اسٹاف احتراماً خاموش ہو گیا۔ وہ دونوں آہستگی سے چلتے اپنی اپنی مخصوص نشستوں پر براجمان ہو گئے تھے۔

"اٹس مائی سن...... شاہ زیب حسن۔" شاہ زیب نے باقاعدگی سے آفس جوائن کر لیا تھا۔ وہ دلجمعی سے کام میں مگن تھا۔ حسن بیٹے سے بے حد خوش تھے۔ انہوں نے بیٹے کو اپنی سیٹ سونپنے کا فیصلہ کیا تھا۔ وہ بزنس سے الگ نہ ہو رہے تھے بلکہ وہ اپنی سیٹ بیٹے کو سونپ کر اس کے ساتھ رہنا چاہتے تھے اسی لیے انہوں نے بطورِ خاص تمام اسٹاف کو بلوایا تھا۔ انہوں نے تمہیداً بیٹے کا تعارف اسٹاف سے کروایا۔

"یس سر......" تمام اسٹاف شاہ زیب سے بخوبی واقف تھا۔ تمام اسٹاف کی نگاہوں کا محور شاہ زیب تھا۔

"شاہ زیب آج سے کمپنی کا چیئر مین ہو گا۔"

حسن نے اعلان کیا شاہ زیب چونک گیا۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ پپا نے کسی بزنس میٹنگ کے ضمن میں اسٹاف کو اکٹھا کیا ہے وہ پپا کی میٹنگ کی نوعیت سے یکسر لاعلم تھا۔

"سر کیا آپ آفس چھوڑ رہے ہیں۔"

اسٹاف کو ان کے فیصلے پر کوئی اعتراض نہ تھا۔ سبھی کو ان کا فیصلہ قبول تھا۔ منظور صاحب کمپنی کے پرانے اور وفادار ملازمین میں سے تھے۔ انہوں نے مسکراتے ہوئے نرمی سے سرسری انداز میں سوال کیا۔ شاہ زیب کا دل ہولے سے دھڑک اٹھا۔ یہی سوال اس کے ذہن میں بھی اٹھا تھا۔

"نہیں منظور صاحب...... شاہ زیب نوجوان نسل کا نمائندہ ہے۔ میں اس کی ہیلپ کروں گا۔" حسن نے بیٹے کی اُلجھن بھانپ کر شفقت سے اس کے کندھے پر ہاتھ کا دباؤ ڈالتے ہوئے اپنے ساتھ کی بھرپور یقین دہانی کراتے ہوئے بظاہر منظور صاحب کو جواب دیا۔

"مبارک ہو سر۔" اگلے لمحے مبارک سلامت کا شور وغوغا مچ گیا۔ حسن صاحب بے حد مطمئن تھے۔ وہ باقاعدگی سے آفس جوائن کر چکا تھا۔ حسن کے لیے یہی کافی تھا کہ اس نے ان کی زندگی میں تمام بزنس کی باریکیاں سمجھ لی تھیں۔ شاہ زیب ذہنی طور پر اتنی بھاری ذمہ داری کے لیے قطعاً تیار نہ تھا۔ اسے باپ کا مان نہ توڑنا تھا۔ وہ خود کو سنبھالتا سر ہلا کر مسکراتے ہوئے سب کی مبارکباد کا جواب دینے لگا۔

یہ کتابوں کے قصے یہ افسانوں کی باتیں

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

نگاہوں کی جھلمل' جدائی کی راتیں
محبت کی قسمیں نبھانے کے وعدے
یہ دھوکا وفا کا' یہ جھوٹے ارادے
یہ باتیں کتابیں' یہ نظمیں پرانی
نہ ان کی حقیقت' نہ ان کی کہانی
نہ لکھنا انہیں اور نہ ہی محفوظ کرنا
یہ جذبے ہیں بس ان کو محسوس کرنا

''کہاں تم تھی اتنے روز سے؟'' موسم نے اپنا چولا بدل ڈالا تھا۔

سرما کی خنکی کی جگہ رفتہ رفتہ حدت گھلنے لگی تھی۔ گو ابھی حدت بری نہ لگتی تھی مگر خنکی غائب ہو چکی تھی۔ لائبہ کے ایگزامز شروع ہو گئے تھے۔ وہ پیپر دے کر لوٹی تو باہر جاتے حمدان سے ٹاکرا ہو گیا۔

''کہاں ہو یار تم؟'' حمدان نے بے قراری سے پوچھا۔

اس نے پھوپو کے ہاں جانا خاصا کم کر دیا تھا نہ جانے کیوں اسے ضد ہونے لگی تھی۔ دل نے ضد باندھ لی تھی۔ اپنی وفا و محبت کی تجدید کی وہ تجدید وفا کے لیے اظہارِ کا متمنی تھا۔ لائبہ دانستہ حمدان سے گریزاں تھی تاکہ وہ زبان سے اقرار کرے۔ حمدان کے لہجے میں چھپی بے قراری لائبہ کی روح تک کو سرشار کر گئی۔

''کہیں نہیں..... میں ایگزامز کی تیاری میں بزی تھی۔'' لائبہ نے بظاہر لاپروائی سے کندھے اُچکائے۔ حمدان نے مرازکم اس کی کمی تو محسوس کی تھی۔ وہ شاداں تھی وہ دانستہ کترا کر گزرنے لگی۔ دل کی تمنا کی پیاس نہ بجھی تھی۔

''یار تم کون سا فرسٹ ٹائم ایگزامز دے رہی ہو کہ تم نے ہماری طرف آنا ہی چھوڑ دیا۔'' حمدان نے نرمی سے گلہ کرتے ہوئے اس کی راہ مسدود کر دی۔ وہ اتنا پڑھاکو نہ تھی کہ محض پڑھائی کے نام پر دنیا تیج دے۔

''یہ فائنل ایگزامز ہیں۔'' لائبہ نے ہوا کے دوش پر اڑتی لٹ کو کانوں کے پیچھے اڑستے ہوئے حمدان کے چہرے پر نگاہ ڈالی۔ وہ نظر پلٹنا بھول کر اسے تکنے گئی۔ وہ جو اس کے منہ سے اظہارِ محبت سننا چاہتی تھی۔ اب خود اسے تکنے میں محو یہ تک فراموش کر بیٹھی تھی کہ وہ اس کی وارفتگی پر کیا سوچے گا۔ اس کا ہر انداز اظہارِ محبت کر رہا تھا۔

''لائبہ......'' حمدان نے محظوظ ہوتے ہوئے نرمی سے اس کی نگاہوں کے سامنے ہاتھ لہراتے ہوئے پکارا۔

''مجھے کام ہے۔'' وہ بری طرح چونک گئی۔ وہ اپنی وارفتگی بھانپ کر بلش کر گئی تھی۔ اسے دفعتاً آکورڈ سچویشن کا احساس ہوا تو وہ گھبرا کر کنی کترانے لگی۔ اس کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ وہ اس سے نگاہیں ملانے سے اجتناب برت رہی تھی۔ مبادا نظریں دل کا مزید بھید نہ کھول دیں۔

''آہ......'' اگلے لمحے آگے بڑھتی لائبہ کو ہلکی کراہ سے رُکنا پڑا اس کی نازک کلائی حمدان کی مضبوط گرفت میں تھی۔

''سنو...... تمہیں جھوٹ بولنا نہیں آتا ہے۔'' لائبہ کی نگاہیں زبان کا ساتھ نہ دے رہی تھیں۔ حمدان نرمی سے اس کا ہاتھ پکڑ کر لان میں اپنی مخصوص نشست پر لے آیا۔ فضا میں خوشگواریت گھلی تھی۔ ٹھنڈی ہوا نے فضا کو معطر کر رکھا تھا۔ حمدان اس کے سامنے ٹک گیا۔ لائبہ سر جھکا کر انگلیاں اضطراری کیفیت میں مروڑنے لگی۔ پلکوں کی اٹھتی گرتی چلمن اندرونی خلفشار عیاں کر رہی تھی۔

''لائبہ...... مجھے اصل بات بتاؤ۔ کیا ہوا

ہے؟'' وہ حمدان کا قرار لوٹ رہی تھی۔ ریڈ کلر کے پرنٹڈ سوٹ میں اس کی دودھیا رنگت نمایاں تھی۔

وہ سمجھ چکا تھا کہ لائبہ جھوٹ بول رہی تھی۔ وہ یہ نہ سمجھ سکا کہ آخر وہ جھوٹ بول کیوں رہی تھی۔

''حمدان تم خود کو سمجھتے کیا ہو؟'' وہ خود سے لڑتے لڑتے تھک گئی تھی۔ وہ بری طرح بکھر گئی۔ آنسو اس کے گالوں پر تیزی سے پھسلنے لگے حمدان کا پُر تفکر لہجہ' آنکھوں میں چھپی تشویش گہری محبت کی غماز تھی۔ جبکہ وہ اس کے منہ سے سننا چاہتی تھی۔ حمدان اظہارِ محبت میں بخیل نہ تھا۔ وہ صرف اپنے جذبے مناسب وقت کے لیے سینچ کر رکھے ہوئے تھا۔ وہ قابل و ذہین ضرور تھا لیکن ابھی اس کا مستقبل محفوظ نہ تھا۔ وہ اسے کوئی جھوٹی امید نہ دلانا چاہتا تھا۔ وہ نوکری کی تلاش میں سرگرداں تھا اور تا حال ناکام تھا۔ لائبہ اس پر الٹ پڑی۔ وہ اس کی محبت و توجہ پا کر محبت کی اندھی وادی میں اتنا آگے بڑھ چکی تھی کہ واپسی ناممکن لگتی تھی۔ حمدان چونکا۔ وہ خود سے بھی خفا لگ رہی تھی۔ اس کی جانچتی نگاہیں لائبہ پر جمی تھیں اور پھر جیسے اس کی سوچوں کو کنارا ملنے لگا۔

''لائبہ...... میں تمہیں اذیت نہیں دینا چاہتا ہوں۔'' حمدان نے دور آسمان پر بے چین نظریں ٹکا دیں۔ اس کی آواز سرگوشی سے بلند نہ تھی۔

''تم مجھے غلط سمجھ رہے ہو حمدان۔'' لائبہ نے اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے پُر اذیت گلہ کیا۔ محبت کا دکھ بھلا اس سے زیادہ کیا ہوگا کہ محبوب ہی آپ کو نہ سمجھ پائے۔

''آئی لو یو لائبہ۔'' حمدان کے لبوں سے نرمی سے پھسلا۔ لائبہ اپنی جگہ ساکت رہ گئی۔ اس کی سماعت میں دھیرے دھیرے شہد ٹپکا تھا۔ وجود میں خوشگواریت گھلنے لگی۔ اور جسم و جان میں اتری

کئی روز کی پیاسیت دم دبا کر بھاگ گئی۔ اس کی آنکھ سے خوشی بھرا اک آنسو گرا اور دامن میں جذب ہوگیا۔

''لائبہ تم کیا سمجھتی ہو کہ مجھے تمہاری خبر نہیں ہے۔'' حمدان نے آہستگی سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ اس کی محبت چھلکاتی نگاہیں لائبہ پر گڑی تھیں۔ لائبہ کے الفاظ کہیں گم ہوگئے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ اس کی حمدان کے سامنے بولتی بند ہوئی تھی۔ اس کے چہرے پر حیاء کی لالی بکھر گئی۔ حمدان کی پُر شوق نگاہیں اسی پر جمی تھیں۔ فضا میں نغمگی گھلنے لگی۔

☆......☆......☆

سلمیٰ اور قیصر صاحب کے دو بچے تھے۔ نصرت اور توقیر' قیصر کا اپنا وسیع بزنس تھا جسے توقیر نے سنبھال کر عروج بخشا تھا اور ان کا شمار شہر کے معروف بزنس مینوں میں ہوتا تھا۔ توقیر اور نصرت کی شادیاں دھوم دھام سے ہوئی تھیں۔ توقیر کو قدرت نے ایک بیٹی لائبہ جبکہ نصرت کو حمدان اور نمرہ سے نوازا تھا۔ نصرت شادی کے چار سال بعد بیوہ ہوکر میکے آن بسی تھیں۔ قیصر صاحب کی خواہش پر لائبہ اور حمدان کی بچپن میں ہی نسبت طے کردی گئی تھی اور بچوں سے یہ بات چھپائی نہ گئی تھی دونوں شعور کی منزل طے کرتے ہی اپنے باہمی رشتے کی نوعیت سے آگاہ ہوگئے تھے۔ اور دونوں محبت کے رشتے میں بندھے تھے۔ توقیر اور رفعت حمدان کی تعلیم کے تکمیل کے منتظر تھے۔

توقیر اپنا بزنس حمدان کو سونپنا چاہتے تھے جبکہ حمدان اپنی قابلیت و اہلیت پر جاب حاصل کرنا چاہتا تھا وہ جہاں بھی جاب کے لیے انٹرویو دینے جاتا وہاں سفارش چلتی یا پھر اسے ماموں کے

حوالے سے پہچان لیا جاتا۔ جبکہ وہ یہ دونوں چیزیں نہ چاہتا تھا۔ اگر اسے جاب سفارش یا اپنی فیملی بیک گراؤنڈ بیس پر کرنا ہوتی تو وہ ماموں کا بزنس ہی سنبھال لیتا۔

توقیر اور نصرت میں بے حد محبت تھی۔ توقیر بہن کو الگ بزنس دینا چاہتے تھے۔ نصرت بیٹے کی خودداری سے آگاہ تھیں۔ سو انہوں نے بھائی کو انکار کر دیا۔ وہ بیٹے کی حمیت و خودداری کو ٹھیس نہ پہنچانا چاہتی تھیں۔ حمدان نے دورانِ تعلیم ہی ٹیوشنز پڑھانا اسٹارٹ کر کے اپنی اور نمرہ کی تعلیم کا بار خود اٹھا لیا تھا۔ قیصر صاحب نے بیٹی کی شادی کے وقت اسے دو دکانیں اور کوٹھی دی تھی۔ نصرت بیوہ ہوئیں تو وہ میکے آ گئیں اور کوٹھی کرائے پر چڑھا دی۔ ان کے گھریلو اخراجات اسی کرائے سے پورے ہو جاتے تھے۔

توقیر اور رفعت بیٹی کو جلد بیاہنا چاہتے تھے جبکہ حمدان کو نوکری مل کر نہ دے رہی تھی۔ حمدان جلد نوکری کے لیے خاصے ہاتھ پاؤں مار رہا تھا اور اسے مکمل یقین تھا کہ وہ کوئی اچھی بات ضرور تلاش کرے گا اور ایسا ہی یقین لائبہ کو بھی تھا۔

☆......☆......☆

''شاہ زیب تمہیں کوئی لڑکی پسند ہے تو بتاؤ۔'' شاہ زیب باقاعدگی سے آفس جوائن کر کے اپنی ذمہ داریاں نبھا رہا تھا۔ دونوں باپ بیٹا صبح کے آفس گئے رات کو لوٹتے...... عالیہ کو گھر کی تنہائی ڈسنے لگی۔ وہ سارا دن گھر میں بولائی بولائی پھرتی رہتیں۔ انہی دنوں ان کے دماغ میں گھر میں بہو لانے کا سودا سمایا۔ انہوں نے اپنے ملنے جلنے والوں میں نگاہ دوڑائی مگر انہیں کوئی معقول لڑکی نہ ملی تو انہوں نے بیٹے سے ہی اس کی پسند جاننے کا فیصلہ کر لیا۔

''واٹ مما......'' ڈنر کرتے شاہ زیب کو شاک لگا جیسے مما نے کوئی انہونی بات کر دی ہو۔ اس نے تحیر سے ماں کو دیکھا۔

''بیٹا جی...... ہر ماں کی خواہش ہوتی ہے کہ گھر میں بہو لائے۔'' حسن نے شوخی سے بیگم کو دیکھتے ہوئے گفتگو میں حصہ لیا۔ انہیں بھی عالیہ کی رائے بھائی تھی۔ گھر کا سونا پن بڑھتا جا رہا تھا۔

''نو مما...... ابھی نہیں آپ دو سال ٹھہر جائیں۔'' شاہ زیب سائیڈ بزنس اسٹارٹ کرنا چاہتا تھا وہ گلاس فیکٹری میں انٹرسٹڈ تھا۔ وہ فی الحال شادی کے موڈ میں ہرگز نہ تھا۔ اس نے چاول بھرا چمچہ منہ میں ڈالتے ہوئے ماں کو سراسر ٹالا تھا۔

''میں گھر میں اکیلی بور ہو جاتی ہوں۔ صغریٰ بھی بارہ بجے چلی جاتی ہے۔'' ان دونوں کے جاتے ہی ملازمہ آ جاتی تھی اور گھر کے کام نمٹا کر بارہ بجے تک لوٹ جاتی تھی اس کے جانے کے بعد عالیہ سے وقت کاٹنا محال ہو جاتا تھا۔ عالیہ نے برا سا منہ بنا لیا۔

''میں آپ کو دوسری میڈ رکھ دیتا ہوں جو شام تک آپ کے پاس رہے۔'' شاہ زیب نے نہ ماننا تھا اور وہ نہ ہی مانا...... اس نے فوراً ماں کے مسئلے کا حل بتایا۔

''تم مجھے میڈ رکھ کر دے سکتے ہو...... بہو نہیں لا کر دے سکتے۔'' عالیہ خفا ہو گئیں۔ انہیں بیٹے کا مشورہ ایک آنکھ نہ بھایا تھا۔ حسن دونوں کی گفتگو سے محظوظ ہوتے مسکرا رہے تھے۔

''بیٹا...... ہم تمہیں سائیڈ بزنس اسٹارٹ کرنے سے تو نہیں روک رہے ہیں نا۔'' حسن اس کی مصروفیات اور بہانے سے آگاہ تھے۔ وہ بیوی کے ہم نوا بن گئے۔

''پپا آپ بھی.....'' شاہ زیب محاذ پر تنہا رہ گیا تھا۔ مخالف سائیڈ بھاری تھی۔ اس نے زبردست احتجاج کیا۔

''کیا تم کسی میں انٹرسٹڈ ہو۔'' حسن نے عالیہ کا سوال دہرایا۔

''نیور پپا۔'' شاہ زیب بری طرح بدکا تھا۔

''مجھے نہیں پتہ ہے۔ بس میں تمہارے لیے لڑکی ڈھونڈوں گی۔'' عالیہ نے بچکانہ انداز میں روٹھے پن سے منہ پھلاتے ہوئے اپنے حتمی فیصلے سے آگاہ کیا۔

''او کے مما..... ایز یو وش۔'' بالآخر شاہ زیب کو ہتھیار ڈالتے ہی بنی تھی۔ عالیہ نے بہو کی تلاش اگلے روز سے شروع کردی تھی۔ انہوں نے اپنی بہترین دوست سے کسی اچھی لڑکی کا پوچھا تو وہ انہیں لے کر 'قیصر ولا' پہنچ گئیں۔ فائزہ رفعت کی چھوٹی بہن کی بھی دوست تھی۔ اس کا رفعت سے ملنا جلنا تھا۔ وہ نمرہ سے مل چکی تھی۔ فائزہ عالیہ کو لیے آگئی۔ عالیہ کو نمرہ پہلی ملاقات میں ہی بے حد بھائی تھی۔ گوری رنگت' دلکش نقوش اور دراز قد نمرہ کسی طور نظر انداز کرنے کے قابل نہ تھی۔ عالیہ نے محبت سے اپنے قریب نمرہ کے لیے جگہ بنائی۔

''اِدھر آؤ بیٹا.....''

ان کی واضح پسندیدگی کسی سے بھی ڈھکی چھپی نہ تھی۔ رفعت اور نصرت مطمئن تھیں۔ نصرت نے بیٹی کو اشارہ کیا تو چائے سرد کرتی نروس سی نمرہ عالیہ کے پہلو میں آ بیٹھی۔ یہ اُس کا پہلا موقع تھا سو وہ خاصی گھبرائی ہوئی تھی۔

''عالیہ اس سے چھوٹے موٹے سوالات کررہی تھیں۔ نمرہ مارے گھبراہٹ کے ٹھیک سے جواب نہ دے پارہی تھی۔ اس کی بولڈنیس اور اعتماد نہ جانے کہاں جاچھپا تھا۔ شاید ہر لڑکی اس روایتی موقع پر دبو بن جاتی ہے اور اس کی ساری بولتی بند ہوجاتی ہے۔ فائزہ نے آتے ہی رفعت کو اپنی آمد کا مدعا بیان کردیا تھا۔ سو رفعت نے انہیں خصوصی پروٹوکول دیا تھا۔ لڑکے کا فیملی بیک گراونڈ بے حد شاندار تھا۔ رشتہ چھوڑنا سراسر کفرانِ نعمت ہوتا۔ نصرت نے بیٹی کی مشکل آسان کرتے ہوئے عالیہ کی طرف چکن رولز کی پلیٹ بڑھائی۔

''بہن آپ یہ لیں نا۔''

''شاہ زیب میری اکلوتی اولاد ہے اور وہ اپنے باپ کے ساتھ بزنس میں ہاتھ بٹاتا ہے۔ میں دونوں باپ بیٹے کے آفس جانے کے بعد گھر میں تنہا بور ہوتی ہوں اور گھر میں جلد بہو لانا چاہتی ہوں۔'' عالیہ نے محبت چھلکاتی نگاہوں سے نمرہ کو دیکھتے ہوئے نصرت سے تعارف کروایا۔ عالیہ کے ہر انداز سے جھلکتی واضح پسندیدگی نصرت سے مخفی نہ تھی۔ وہ بے حد خوش تھیں۔ ان کے چہرے پر اطمینان بھری آسودہ مسکراہٹ بکھر گئی۔ وہ اولاد کے فرض سے جلد سبکدوش ہونا چاہتی تھیں اور نمرہ کے ایگزامز ختم ہونے کی منتظر تھیں تاکہ وہ بھائی سے اس موضوع پر بات کرسکیں۔ قدرت نے ان کی بہت جلد سن لی تھی ان کا رواں رواں بارگاہِ الٰہی میں سجدۂ شکر بجالا رہا تھا۔ نصرت بیٹی کو اٹھنے کا اشارہ کرتی عالیہ کی باتیں توجہ سے سننے لگیں۔ وہ ماں کا اشارہ پاکر اٹھ گئی۔

''آپ بھی ہماری طرف چکر لگائیں نا۔'' دونوں طرف سے ضروری تعارف و معلومات کا تبادلہ ہوا تھا۔ عالیہ نصرت کو دعوت دینے لگیں۔

''جی ضرور..... ہم گھر میں مشورہ کرکے آپ کو آگاہ کردیں گے۔'' رفعت نے خوش دلی کا

مظاہرہ کیا۔ ان دونوں نند بھاوج میں خاصی بے تکلفی تھی عالیہ کے ہر انداز سے اطمینان و آسودگی...... رفعت اور نصرت انہیں الوداع کرنے گیٹ تک آئی تھیں انہیں بھی رشتہ پسند تھا۔ انہوں نے رسماً مہلت مانگی تھی۔

☆......☆......☆

لائبہ اسے مہمانوں کے لیے لوازمات تھما کر اندر بھیج کر کچن میں چلی آئی اوپن کچن میں ڈرائنگ روم سے آوازیں بخوبی سنائی دیتی تھیں۔ اس کا بظاہر پاپڑ کھاتے سارا دھیان ڈرائنگ روم کی طرف تھا۔

نمرہ گلمگلوں چہرہ لیے دھڑکتے دل سے کچن میں آئی تو اس کا چہرہ الگ داستان سُنا رہا تھا۔ لائبہ نے شوخ وشریر مسکان چہرے پر لیے نمرہ کو کن اکھیوں سے دیکھا۔

نمرہ نے خود کو سنبھالتے ہوئے اسے سنجیدگی سے گھورا۔ نمرہ اسے نظر انداز کرتی خواہ مخواہ کیبنیٹ کھنگالنے لگی۔

''تمہیں کیا چاہیے؟'' لائبہ نے شوخی سے اسے کہنی ماری۔ نمرہ لاکھ خود کو چھپاتی مگر وہ بھی لائبہ تھی۔ اس کی رگ رگ سے واقف...... اس کا ہر بھید اور دکھ بناء کہے جان لینے والی...... زندگی میں ایک دوست وہمراز ایسا ضرور ہونا چاہیے جو ہمارا ہر دکھ بناء کہے جان لے اور جو ہمارے آنسوؤں کے رنگ میں دکھ اور سکھ کی باآسانی تمیز کر سکے۔

نمرہ اس سے خود کو چھپا ہی نہ سکتی تھی اس نے خود کو چھپانے کا ارادہ موقوف کرتے ہوئے اس کی جانب دیکھا۔ دونوں کی نظریں ملیں اور اگلے پل دونوں کی ہنسی چھوٹ گئی۔

''مبارک ہو یار......'' لائبہ کافی پُرجوش لگ رہی تھی۔ وہ مارے خوشی کے شرمائی لجائی سی نمرہ کے گلے لگ گئی۔ نمرہ کا دل اک نئے رشتے کے تصور پر عجب لَے پر دھڑکنے لگا تھا۔

☆......☆......☆

''حسن لمیٹڈ'' یہ تو کافی مشہور ہیں۔ میں انہیں ذاتی طور پر بھی جانتا ہوں۔ شاہ زیب بے حد سلجھا ہوا وجیہہ نوجوان ہے۔'' توقیر آفس سے لوٹے تو اُن کے لیے رفعت کے پاس ایک گڈ نیوز تھی۔ وہ حسبِ معمول سونے سے پہلے اخبار کے مطالعے میں محو تھے کہ رفعت نے گفتگو کا آغاز کیا۔ توقیر خوشی سے کھل اٹھے۔ ان کا لہجہ خاصا پُرجوش تھا۔ رشتہ اُن کے ہم پلہ خاندان سے تھا اور انہیں زیادہ تردد یا چھان بین کی بھی ضرورت نہیں پڑتا تھی۔

''توقیر وہ لوگ شادی کرنا چاہتے ہیں۔'' رفعت کے چہرے پر تذبذب کا رنگ پھیلا۔

''تو ہم کر دیں گے...... اس میں کیا مسئلہ ہے بھلا۔'' توقیر نے بلاتوقف جواب دیا۔ ان کا سب کچھ نصرت اور اس کے بچوں کے لیے ہی تو تھا۔ انہوں نے کبھی لائبہ اور نمرہ میں امتیاز نہ برتا تھا۔ وہ ہمیشہ دونوں کی پسندیدگی کا پورا خیال رکھتے تھے۔

''توقیر......'' رفعت متذبذب تھیں ان کے چہرے پر پھیلے خوشی کے رنگ ماند پڑ گئے تھے۔

''کیا بات ہے رفعت...... تم کھل کر کہو۔'' توقیر نے بطور شریک حیات کو دیکھا۔ ان کے چہرے پر کچھ دیر قبل کی خوشی کا شائبہ تک نہ تھا۔ توقیر متعجب ہوئے۔

''توقیر...... لائبہ...... میرا مطلب ہے کہ......'' رفعت صاف گو اور اچھے دل کی مالک تھیں وہ حاسد نہ تھیں انہیں نمرہ کے رشتے کی بے

حد خوشی ہوئی مگر وہ اک ماں بھی تھیں اور ماں ہونے کے ناطے فطری طور پر انہیں لائبہ کی فکر ہونے لگی تھی۔ حمدان بے روزگار تھا اور کاروبار میں اُس کی دلچسپی صفر تھی۔ وہ توقیر کے بارہا اصرار پر بھی بزنس میں شریک نہ ہوا تھا۔ رفعت کی شوہر سے نظر ملی تو انہوں نے گھبرا کر بات ادھوری چھوڑ دی۔

''رفعت تم بلا جھجک اپنی بات مکمل کرو۔'' توقیر غصیلے یا ہٹ دھرم نہ تھے۔ انہوں نے نرمی سے بیوی کو بات مکمل کرنے کا حوصلہ دیا۔

''توقیر ہم کب تک لائبہ کو بٹھا کر رکھیں گے۔ حمدان سے کہیں کہ بس بہت ہوگیا۔ وہ بزنس میں لگ جائے۔ ہمارا سب کچھ لائبہ ہی تو ہے۔ ویسے بھی ملک میں بے روزگاری کا یہ عالم ہے کہ حمدان جیسا شاندار اکیڈمک ریکارڈ کا حامل نوجوان نوکری کے لیے جوتیاں چٹخا رہا ہے۔'' انہوں نے شوہر کی بھرپور شہ پا کر بے رحمی کی انتہا کردی۔ وہ فطری طور پر ماں ہونے کے ناتے متفکر تھیں اور انہوں نے اس پل اپنی اکلوتی اولاد کی خوشیوں کا رتی بھر خیال نہ کیا تھا۔

''رفعت......'' توقیر کا منہ غصے و تحیر سے کھلے کا کھلا رہ گیا۔ انہیں بیوی سے اس سفاکانہ و بے رحمانہ سچائی کی امید نہ تھی۔ انہیں لائبہ اور حمدان دونوں کی خوشیاں عزیز تھیں۔

''تم نے اپنی بیٹی کی خوشیاں کیونکر فراموش کردی ہیں۔'' وہ بیوی کو دبے غصے سے لتاڑنے لگے۔

''میں ماں ہوں توقیر...... مجھے اپنی بچی کی خوشیاں بے حد عزیز ہیں۔ مگر والدین اولاد کو اس کی نادانی پر ٹوکتے ہیں اور اس کے فائدے کے لیے اس کے مستقبل کو محفوظ کرتے ہیں۔'' رفعت جذباتی پن سے نہیں حقیقت پسندی سے سوچ رہی تھیں۔ حمدان دو سال سے نوکری کی تلاش میں سرگرداں تھا۔ اس نے ٹیوشنز بھی چھوڑ رکھی تھیں۔ رفعت خود قائل ہونے کی بجائے شوہر کو قائل کرنا چاہتی تھیں۔ لائبہ لاکھوں میں ایک تھی اس کے لیے کوئی نہ کوئی بہترین رشتہ مل جانا تھا جبکہ حمدان کی صورت اس کا مستقبل غیر محفوظ تھا۔

''چپ کر جاؤ تم کیسی ماں ہو جسے اپنی اولاد کی خوشیاں بھی عزیز نہیں ہیں۔'' وہ باپ ہو کر بیٹی کی پسند سے واقف تھے تو یہ کیسے ممکن تھا کہ رفعت ماں ہو کر انجان ہو۔ انہوں نے درشتی سے بیوی کو ٹوکا۔ اُن کا موڈ بگڑ گیا تھا۔ وہ بیوی پر خفا ہونے لگے۔

''توقیر بس میں نمرہ کی شادی تک دیکھوں گی۔ پھر آپ کو کچھ اور سوچنا پڑے گا۔'' رفعت کا تفکر و تشوی فطری تھا۔ انہوں نے شوہر کے غصے سے قدرے دبتے ہوئے آہستگی سے انہیں وارن کیا اور سونے کے لیے کروٹ بدل لی۔ توقیر بھی بجھے دل سے لائٹ آف کرکے لیٹ گئے۔ اُن کا دل اخبار کے مطالعے میں نہ لگتا تھا۔ جبکہ بھائی بھاوج سے مشورہ کی غرض سے آتی نصرت کے قدم دروازے کے باہر ہی تھم گئے تھے۔ وہ بوجھل دل سے پلٹ گئیں۔

☆......☆......☆

''مجھے تم سے بات کرنا ہے حمدان۔'' وہ انٹرویو دے کر لوٹا تو تھکاوٹ سے چور آتے ہی بناء کچھ کھائے سوگیا۔ وہ فریش ہو کر باہر آیا تو مما لان میں لگے پودوں کو پانی دے رہی تھیں۔ غالباً مالی چھٹی پر تھا۔ وہ لان میں ترتیب سے رکھی چیئر پر آن بیٹھا تو نصرت اپنا کام ختم کرکے اس کے سامنے آ تکیں۔ وہ دو روز سے سخت کشمکش میں

تھیں۔ تو تیر بھیا اُن کی محبت میں جذباتی پن سے کام لے رہے تھے۔ رفعت کا تفکر و تشویش بے جا نہ تھا۔ وہ اُن کی جگہ ہوتیں تو وہ بھی شاید یونہی سوچتیں۔

موسم بہت بھلا تھا حمدان محویت سے پتوں کی نوک پر ٹکے پانی کے قطروں کو تک رہا تھا جب مما نے اُسے پکارا۔

''جی مما......'' اُس نے اپنے لہجے میں سارے جہاں کا پیار سمو کر ماں کی جانب دیکھا۔

''بیٹا میں سوچ رہی ہوں کہ ہم لائبہ کو ایسے کب تک بٹھائے رکھیں گے۔''

''کیا مطلب مما......'' حمدان ان کی بات نہ سمجھ سکا تھا گھر میں تو نمرہ کے رشتے کا تذکرہ رہتا تھا پھر بھلا لائبہ کا کیا ذکر...... وہ نافہمی سے ماں سے استفسار کرنے لگا۔

''حمدان تمہاری نوکری کا کچھ پتہ نہیں...... تم ٹیوشنز بھی چھوڑ چکے ہو۔ لائبہ کو تمہارے انتظار میں بٹھائے رکھنا سراسر بے وقوفی ہے۔'' نصرت نے سفاکانہ تبصرہ کیا۔ انہوں نے دانستہ بیٹے سے نظریں ملانے سے اجتناب برتا تھا۔ حمدان کا چہرہ اذیت و دکھ کی آماجگاہ بن گیا تھا۔ ہمارے معاشرے کی تلخ سچائیوں میں سے ایک سفارش و رشوت بھی ہے۔ یہ حقیقت تھی کہ اس کے لاکھ سر پٹخنے پر بھی بے روزگاری اس کا مقدر تھی اور نہ جانے کب تک وہ بے روزگار بھی رہتا۔

''مما میں اپنے زورِ بازو سے کمانا چاہتا ہوں۔'' حمدان کا لہجہ کمزور تھا اور اندر کہیں موجود پختہ یقین پہلی بار متزلزل ہوا تھا۔

''بیٹا میں لائبہ کو زیادہ عرصہ بٹھائے رکھنے کے حق میں نہیں ہوں۔ تم اپنے جیون کی راہیں خوب سوچ سمجھ کر متعین کرو۔'' نصرت چاہ کر بھی بیٹے سے اصل بات نہ کہہ سکیں حمدان کے کھوکھلے لہجے نے انہیں کمزور کر دیا تھا۔ وہ اس کی پسند سے آگاہ تھیں۔ اسے دکھی نہ دیکھ سکتی تھیں۔ سو انہوں نے مصلحتاً خاموشی سادھ لی۔ وہ قبل از وقت اسے کچھ بتا کر پریشان نہ کرنا چاہتی تھیں۔

''مما میں بھی آپ اور ماموں کو پریشان نہیں کرنا چاہتا ہوں۔ آپ میری کامیابی کے لیے دعا کیا کریں۔'' حمدان نے محبت سے ماں کے ہاتھ تھام لیے وہ انہیں مطمئن کرنا چاہتا تھا۔ وہ اسے کچھ پریشان لگی تھیں اور وہ اپنی پریشانی اس سے چھپا رہی تھیں۔ نصرت کی عادت تھی کہ جب انہیں کوئی بات اولاد سے چھپانا ہوتی تو وہ لاکھ استفسار پر بھی نہ بتاتی تھیں۔ سو ان سے بحث یا اصرار بے کار تھا۔ وہ کسی صورت حمدان کو بات نہ بتاتیں۔

''اللہ میرے بچے کو ہر قدم پر کامیابی عطا کرے۔'' نصرت نے دل کی گہرائی سے دعائیں مانگتے ہوئے اس کی روشن پیشانی چوم لی۔ حمدان کے چہرے پر پُرسکون نرم مسکراہٹ بکھر گئی۔

☆......☆......☆

''لائبہ...... بیٹا تم کدھر جا رہی ہو؟'' رفعت دوپہر کا کھانا بنا رہی تھیں۔ چونکہ لائبہ کے ایگزامز شروع ہو چکے تھے اور لائبہ اور نمرہ کے سبجیکٹس یکساں تھے۔ مگر دونوں کے ایگزامز کے اوقاتِ کار الگ الگ تھے۔ نمرہ کے پیپرز مارننگ میں تھے جبکہ لائبہ کے ایوننگ میں...... نمرہ پیپر دے کر گھر ابھی لوٹی تھی وہ اس کا پیپر دیکھنے جا رہی تھی کہ رفعت نے اسے نصرت کی طرف جاتا دیکھا تو با آوازِ بلند پکار لیا۔

''مما...... نمرہ آئی ہے میں اُس کا پیپر دیکھ کر آتی ہوں'' نمرہ کی کالج وین تمام طالبات کو

ڈراپ کر کے اُسے پک کرتی تھی۔ وین کے لوٹنے میں کافی وقت لگ جاتا تھا وہ اس دوران سہولت سے نمرہ سے پیپر ڈسکس کر لیتی تھی۔ یوں اسے امپورٹنٹ سوالات کا اندازہ بھی ہو جاتا تھا۔ وہ آبجیکٹو پیپر میں سے بھی امپورٹمنٹ پوائنٹ نوٹ کر کے لائبہ کی ہیلپ کرتی تھی۔ وہ انہیں بتا کر تیزی سے لپکی تھی۔

''رُکو لائبہ.....'' رفعت نے اسے دوبارہ پکارا تو وہ پلٹ کر خاموش استفہامیہ نظروں سے ماں کو دیکھنے لگی۔

''تم جلدی آجانا۔'' رفعت نے دانستہ بات بدل کر اُسے تاکید کی۔

رفعت ماں تھیں اسی ناتے انہیں بیٹی کے مستقبل پر چند تحفظات تھے۔ وہ کھل کر شوہر سے اظہار تو نہ کر پاتی تھیں مگر وہ خود کو حق بجانب سمجھتی تھیں۔ انہیں اب بیٹی کا زیادہ وقت نصرت کے ہاں رہنا گراں گزرنے لگا تھا۔ وہ بھی ہر ماں کی طرح جلد بیٹی کے فرض سے سبکدوش ہونا چاہتی تھیں۔ وہ فی الحال اسے ٹوک کر یا سختی کر کے اس کی توجہ ایگزامز سے نہ ہٹانا چاہتی تھیں۔

''جی مما.....'' وہ فرمانبرداری سے کہتی چلی گئی۔ رفعت مڑ کر سالن میں چمچ ہلانے لگیں۔ اُن کا ذہن سوچوں میں بٹا ہوا تھا۔ اور ماتھے پر موٹی سبز رگ ابھر آئی تھی۔

☆......☆......☆

اس روز اس کا لاسٹ پیپر تھا۔ وہ پیپر دے کر کالج سے نکلی تو حمدان اُسی کا منتظر تھا۔ وہ فائل سنبھالتی اس کے پیچھے بائیک پر آن بیٹھی۔ اُس کے بیٹھتے ہی حمدان نے بائیک اسٹارٹ کر دی۔ لائبہ نے چھوٹتے ہی فوراً تحیر بھری خوشگواریت کا اظہار کیا تھا۔ حمدان اسے کبھی کالج پک یا ڈراپ کرنے نہ آیا تھا۔ اس کے لیے حمدان کی یہ غیر متوقع مہربانی تحیر کا ہی باعث بنا تھی۔

''تم یہاں کیسے؟'' وہ پوچھے بنا نہ رہ سکی۔

''کیوں تمہیں اچھا نہیں لگا ہے۔'' حمدان نے شوخی سے ہوا کے دوش پر اڑتے اپنے بال ماتھے پر جماتے ہوئے مڑ کر لائبہ پر فوکس کیا جو بہت ریلیکس اور ایزی لگ رہی تھی۔ اس کے چہرے سے ایگزامز کی مخصوص ٹینشن چھٹ چکی تھی۔ وہ بھلے پڑھا کو نہ سہی مگر ایگزامز کے دوران اسے کھانے پینے کا ہوش تک نہ رہتا تھا۔ اس کا نمرہ سے کوئی کمپٹیشن نہ تھا لیکن وہ 'قابلِ عزت' مارکس سے کامیاب ہونا چاہتی تھی۔ اس کے ہر ایگزامز میں مارکس اچھے ہوتے تھے۔

''ہوں.....'' وہ شوخی پر مصر تھی۔ اس نے دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی گال پر ٹکاتے ہوئے خود پر مصنوعی استغراق طاری کیا۔

''اچھا لگ رہا ہے۔'' اگلے پل وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔ حمدان کی مصنوعی خفگی بھری نظریں اسی پر جمی تھیں۔ اس نے شرارت سے جملہ کھینچا۔

''کیا مطلب ...... اچھا لگ رہا ہے۔'' حمدان نے بمشکل اس کے دلکش چہرے سے نگاہیں ہٹاتے ہوئے اس کے لہجے کی نقل اتاری۔

''کوئی مطلب نہیں ہے یار...... مجھے بہت اچھا لگ رہا ہے۔'' لائبہ شوخی پر مائل تھی۔ اس نے ہنستے ہوئے حمدان کو محبت بھری دھپ کمر پر رسید کی۔

''یار......'' وہ کبھی کبھار یہ لفظ نمرہ کے لیے بول جاتی تھی۔ حمدان کے لیے پہلی بار کہا تھا تو وہ اس کی بات پکڑے بنا نہ رہا۔ اس نے لائبہ کو زچ کرنے کے لیے بھرپور حظ اٹھاتے ہوئے 'یار' پر زور دیا وہ بلش کر گئی۔

''آہ.....'' لائبہ نے اب کے سنجیدگی سے اس کی کمر پر دھپ رسید کی تھی۔ وہ درد سے بلبلا اٹھا۔ اسی اثناء میں حمدان کا فیورٹ آئس کریم پارلر آ گیا یہ شہر کا مشہور پارلر تھا۔ یہاں کی آئس کریم اور سوپ کافی مشہور تھے۔

''آئس کریم لو گی یا سوپ؟'' حمدان پارکنگ میں بائیک کھڑی کر کے لائبہ کے ہمراہ ہال میں آ گیا۔ دونوں کو پُرسکون گوشے میں ٹیبل خالی مل گئی۔ انہوں نے جونہی نشست سنبھالی۔ ویٹر مینیو کارڈ لیے حاضر تھا۔ حمدان نے مینیو کارڈ پر نگاہ ڈالتے ہوئے لائبہ سے استفسار کیا۔

''سوپ وِد بوائل ایگ۔'' لائبہ نے مینیو سلیکٹ کرتے ہوئے کارڈ ویٹر کو تھمایا۔

''سیم فارمی۔'' حمدان نے اپنی سمت متوجہ ویٹر پر دوستانہ مسکراہٹ اچھالی۔

''ٹین منٹ ویٹ سر۔'' وہ سر ہلاتا مڑ گیا۔ ٹیبل پر خاموشی طاری ہو گئی۔ حمدان کافی سنجیدہ تھا۔ لائبہ نے نرمی سے استفسار کیا۔

''حمدان اینی پرابلم۔'' وہ دونوں بچپن کے بے تکلف دوست تھے۔ ان کی دوستی شعور کی منزل طے کرتے ہی اپنے رشتے کی نوعیت جان کر محبت میں ڈھل گئی تھی اور ان کی بے تکلفی وقت کے ساتھ بڑھی تھی۔ وہ دونوں بنا کہے ایک دوجے کی ذات کھوج لیتے تھے۔ پھر بھلا لائبہ سے حمدان کی اُلجھن کیسے مخفی رہ سکتی تھی۔

''لائبہ میں اپنی صلاحیتوں کے بل بوتے پر اپنے پیروں پر کھڑا ہونا چاہتا ہوں۔ مجھے کبھی بھی کسی اونچی پوسٹ یا ہائی فائی جاب کی تلاش نہیں رہی ہے۔ میں کوئی بھی مناسب جاب کرنے کو تیار ہوں مگر مجھے کوئی جاب ہی نہیں ملتی۔ ہمارے ہاں سفارش اور رشوت کلچر کا حصہ بن چکے ہیں جبکہ مجھے اِن دونوں سے نفرت ہے۔ اسی لیے مجھے ماموں کے بزنس میں انٹرسٹ نہیں ہے۔ میں خود کو منوانا چاہتا ہوں۔'' حمدان چند روز سے سخت اُلجھا اُلجھا رہنے لگا تھا۔ گو مما نے اُسے کھل کر دوبارہ کچھ نہ کہا تھا مگر وہ اس موضوع پر دوبارہ کبھی بھی کوئی بات نہ کرنا چاہتا تھا اور نہ ہی سننا چاہتا تھا۔ دل لائبہ کے علاوہ کسی اور کی ہمراہی نہ چاہتا تھا وہ صرف لائبہ کی سنگت میں خوش تھا۔ لائبہ کے ایگزامز اسٹارٹ ہوئے تو اس نے اسے ڈسٹرب کرنا مناسب نہ سمجھا وہ لائبہ سے خود کھل کر بات کرنا چاہتا تھا تا کہ وہ اس کا ساتھ دے۔ اسی لیے وہ اسے آئس پارلر لے آیا تھا یہاں اطمینان سے بات ہو سکتی تھی۔ حمدان نے سنجیدگی سے میز کی سطح کو ناخن سے کھرچتے ہوئے تمہید باندھی اس کے وجود سے اضطراب مترشح تھا۔

''لائبہ تم میرا ویٹ کرو گی نا؟'' محبت کا وصف ہے یہ ہر قدم اور ہر موڑ پر اظہارِ محبت اور تجدید وفا چاہتی ہے۔ حمدان کو سمجھ نہ آ رہا تھا کہ وہ کیسے لائبہ سے اس کا ساتھ کی یقین دہانی مانگے۔ وہ اس سے تجدید وفا چاہتا تھا۔ کوئی آس' کوئی ایسا یقین کہ اس کے بے قرار و بے چین دل کو سکون آ جائے اور اس کے دل و دماغ میں کئی روز سے پلتا خدشہ بھک سے اڑ جائے۔ اس کے دن کا چین اور رات کی نیند لوٹ آئے۔ حمدان نے بے بسی سے ٹیبل پر دھرے لائبہ کے ہاتھ اپنے مضبوط ہاتھوں میں تھام لیے تھے۔ حمدان کے ہاتھوں میں مقید لائبہ کے نازک ہاتھ ساکن رہ گئے۔ وقت کی گردش جیسے تھم گئی دونوں کے درمیان بوجھل خاموشی حائل ہو گئی۔

''حمدان میں تمہارا زندگی کی آخری سانس تک ساتھ دوں گی۔'' لائبہ نے اس کی بجھتی مایوس

آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پژمردہ زندگی سنایا۔

''تھینک یو سو مچ لائبہ...... میں تمہیں زندگی کے کسی موڑ پر مایوس نہ کروں گا۔'' حمدان نے محبت وتشکر سے اس کے ہاتھوں پر اپنے ہاتھوں کا دباؤ بڑھایا۔ لائبہ نے اس پر اعتماد کیا تھا۔ وہ اس کے اعتماد کو کسی قیمت پر متزلزل نہ ہونے دینا چاہتا تھا۔ اس کا لہجہ سرشاری سے پُر تھا۔

''ایکسکیوزمی سر......'' ویٹر آرڈر لیے آ گیا۔ اس نے آہستگی سے حمدان کو مخاطب کیا۔ وہ دونوں چونک کر خجل ہو گئے۔ حمدان نے فوراً ہاتھ اٹھا لیے تو لائبہ نے بھی ہاتھ کھسکانے میں دیر نہ کی۔ ویٹر کے چہرے پر ذومعنی شریر مسکراہٹ پھیلی تھی۔ دونوں نے اپنے آگے کپ کھسکا کر سر جھکا لیے۔ گرما گرم بوائل ایگ سے اٹھتا دھواں مسحور کن لگ رہا تھا۔

☆......☆......☆

''الٰہی میرے بچے کی مدد فرما۔ اُسے زندگی کے ہر موڑ پر کامیابی عطا فرما۔ میرے مولا...... اسے کبھی دکھ نہ سہنا پڑے۔'' نصرت نے شادی کے بعد زندگی آسودگی میں بسر کی۔ شوہر اُن کی ہر ضرورت اور پسند کا خیال رکھتے۔ انہوں نے حقیقتاً نصرت کے بے حد لاڈ اٹھائے تھے۔ وہ والدین کی نازوں پلی اکلوتی ولاڈلی بیٹی تھیں۔ میکے میں بھائی اور والدین نے انہیں کبھی کوئی کمی نہ آنے دی تھی اور شادی کے بعد شوہر نے زندگی بے حد خوشحال تھی کہ شوہر کی ناگہانی موت نے انہیں تپتے صحرا میں لا پٹخا تھا۔ وہ دو بچوں کا ساتھ لیے میکے کی دہلیز پر آ بیٹھیں انہوں نے اپنے بچوں کو کبھی کوئی کمی نہ آنے دی۔ ابا جی نے اپنی زندگی میں ہی ننھے حمدان اور لائبہ کا رشتہ پکا کر دیا تھا۔ ان کے فیصلے کو بیٹے نے پورے دل سے قبول کر کے نبھایا تھا۔ ابا جی شاید لاشعوری طور پر بیٹی کا مستقبل محفوظ کرنا چاہتے تھے۔ شاید وہ بدلتے حالات کے تناظر میں بیٹی کی بدحالی سے خوفزدہ تھے وہ نہیں چاہتے تھے کہ نصرت زندگی میں مزید کوئی دکھ دیکھے۔

ابا جی نے نصرت پر دوسری شادی کے لیے بہت دباؤ ڈالا تھا۔ مگر انہوں نے اپنے دونوں بچوں کے لیے صاف انکار کرتے ہوئے اپنی زندگی ان کی خوشیوں کے لیے وقف کر دی تھی۔ ابا جی نے بھی مرتے دم تک بیٹی کا بھرپور ساتھ دیا تھا۔ انہوں نے اسے الگ مکان بنوا کر کرائے پر چڑھا دیا اور ہر ماہ کا کرایہ نصرت کے اکاؤنٹ میں جاتا تھا اس کے علاوہ ان کے بزنس شیئرز بھی تھے۔ وہ ساری زندگی بچوں کے لیے جیتی آئی تھیں۔ وہ بڑھاپے میں بچوں کے دکھ نہ سہنا چاہتی تھیں۔

رات کا نہ جانے کون سا پہر تھا نیند ان کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ نصرت نے وضو کر کے جائے نماز سنبھال لی۔ انہوں نے نفل پڑھ کر دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تو لبوں سے سسکیاں اور آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگی تھی۔ ان کا رواں رواں بیٹے کے لیے دعا گو تھا۔ انہیں بھی اپنی اولاد کی خودداری بے حد عزیز تھی۔ حمدان بے حد ذمہ دار اور حساس لڑکا تھا۔ وہ کبھی ماں کو ناجائز ضد یا فرمائش کر کے پریشان نہ کرتا تھا۔

''یا اللہ...... حمدان کو جلد اچھی نوکری مل جائے۔'' نصرت کی آنکھوں سے آنسو ٹوٹ ٹوٹ کر اٹھے ہاتھوں میں گر رہے تھے۔ انہوں نے ہمیشہ بہو کے روپ میں لائبہ کا ہی تصور کیا تھا انہیں وہ اکلوتی بھتیجی ہونے کے ناتے عزیز تھی تو حمدان کے حوالے سے معتبر تر وہ رب کے حضور ملتجی تھیں۔

رفعت کی باتیں غلط نہ تھیں وہ بیٹی کی ماں بن کر سوچ رہی تھیں اگر ان کی جگہ نصرت ہوتی تو شاید وہ بھی یہی فیصلہ کرتی۔ ہر ماں اپنی اولاد کا مستقبل محفوظ دیکھنا چاہتی ہے۔ ماں اولاد کی خوشیوں کے لیے اپنا تن من لٹا دیتی ہے۔ رفعت بھی تو ماں تھیں انہوں نے نصرت سے اس موضوع پر کوئی بات نہ کی تھی اور نہ ہی اُن کا نند سے رویہ بدلا تھا۔ وہ نند سے محبت بھرا برتاؤ رکھتی تھیں۔ مگر نصرت کے دل کو انجانا دھڑکا لگا رہتا تھا۔ وہ بیٹے کے لیے بے حد متفکر تھیں۔

''یا اللہ...... تو رحیم وکریم ہے۔ مجھے مایوس نہ کرنا۔'' قریبی مسجد سے فجر کی اذان گونجنے لگی تھی۔ وہ نہ جانے کب سے یونہی زاروقطار روئے جا رہی تھیں انہوں نے اک عزم سے دعا مانگتے ہوئے اپنے آنسو پونچھ ڈالے انہیں اپنے رب پر مکمل بھروسا تھا۔ اذان ختم ہوئی تو انہوں نے نمازِ فجر کی نیت باندھ لی۔ اطمینان وسکون نے اُن کے وجود کو اپنی گرفت میں لے لیا تھا۔ ان کے چہرے پر نرمی ونکھراؤ تھا۔ تفکر کا نام ونشان تک غائب ہو چکا تھا

☆......☆......☆

نمرہ کے لیے ہاں کر دی گئی تھی وہ لوگ چند قریبی لوگوں کی موجودگی میں رسمِ منگنی کر گئے تھے اور جلد شادی کے خواہشمند تھے۔ حسن صاحب کا شادی کی تاریخ طے کرنے کے لیے بار بار فون آ رہا تھا۔ توقیر نے نصرت کو بلوا کر رائے مانگی تھی۔ رفعت بے دلی سے بیٹھی ساگ کاٹ رہی تھیں اُن کی دلچسپی مفقود تھی۔ گویا اُن کی موجودگی یا عدم موجودگی برابر تھی۔

''میرا خیال ہے کہ چاند کی پہلی تاریخ مناسب رہے گی۔'' توقیر صاحب نے نصرت اور رفعت دونوں کی رائے چاہی۔

''بھائی پہلی تو تین ہفتوں بعد آ جائے گی۔''

نصرت کے سنتے ہی ہاتھ پاؤں پھول گئے انہوں نے تو جہیز کے نام پر بیٹی کے لیے ایک رنگ تک نہ بنوائی تھی۔ اتنی جلدی شادی کی تیاری کیونکر ہوتی رفعت کے بھی کان کھڑے ہوئے اور وہ بھی دلچسپی لینے پر مجبور ہو گئیں۔

''نصرت بالکل ٹھیک کہہ رہی ہے۔ ابھی اتنی جلدی کی کیا ضرورت ہے۔'' کچھ بھی نمرہ انہیں بے حد عزیز تھی۔ انہوں نے کبھی لائبہ اور اس میں کوئی فرق نہ رکھا تھا۔ ان دونوں کی شاپنگ یکساں کی جاتی تھی۔ آج کل ہر چیز ریڈی میڈ مل جاتی ہے مگر تین ہفتوں میں تو ناممکن ہی تھا۔ رفعت نے بھی نند کی بھرپور تائید کی وہ دونوں مل کر بھی شاپنگ کرتیں تو خاصا مشکل تھا۔ نصرت نے بھی تائید از وروشور سے سر ہلایا۔

''آپ انہیں کم از کم دو ماہ کا کہہ دیں۔'' نصرت نے بھائی کو مشورہ دیا۔

''دو ماہ......'' توقیر نے زیرلب بڑبڑاتے ہوئے ٹھوڑی رگڑی۔ انہیں یہ ناممکن لگ رہا تھا حسن اور عالیہ کا تو بس نہ چل رہا تھا کہ وہ کل ہی بارات لے کر پہنچ جاتے۔

''مجھے مشکل لگ رہا ہے۔'' توقیر کی گہری سوچ میں ڈوبی آواز ابھری۔ ان کے چہرے پر تفکر کا سایہ لہرانے لگا۔

''کوئی مشکل وشکل نہیں ہے آپ بات تو کر کے دیکھیں۔'' رفعت نے شوہر کی پریشانی کم کرنا چاہی۔ وہ ساگ کاٹنا بھول کر شریکِ گفتگو ہو گئی تھیں۔

''اور اگر وہ نہ مانے تو۔'' توقیر کو نہ جانے کیوں یہ رشتہ ہاتھ سے جاتا لگ رہا تھا۔ وہ اتنا

بہترین رشتہ کھونے کے حق میں نہ تھے۔ نصرت اکلوتی بہو تھیں۔ رفعت کو بھی سسرال کے نام پر صرف نند ہی ملی تھی۔ لائبہ کو بھی صرف نند ہی ملنا تھی۔ وہ نمرہ کے لیے بھی مختصر سسرال چاہ رہے تھے۔ عالیہ تو نمرہ کی دیوانی ہو چکی تھیں۔ وہ منگنی کے بعد دوبار بطور خاص نمرہ سے ملنے آئی تھیں اور وہ دونوں بار واپسی پر نمرہ کے ہاتھ پر پیسے رکھ کر گئی تھیں وہ یقیناً نمرہ کو ہتھیلی کا چھالا بنا کر رکھتیں توقیر کے لہجے میں خدشات بول رہے تھے۔

''توقیر ہم لڑکی والے ہیں لڑکی والوں کو شادی کی تیاری کے لیے بہت کچھ خریدنا ہوتا ہے۔ اگر ہماری نمرہ کا نصیب وہاں ہے تو وہ ضرور مانیں گے۔'' رفعت نے جہیز کی اشیاء کا خاص سامان سوچا تو وہ دل میں ہول گئیں۔ جہیز کی موٹی شاپنگ کے لیے یہ مختصر وقت تھا انہوں نے رسانیت سے شوہر کو قائل کیا۔

''بھائی آپ حسن بھائی کو فون تو کریں نا۔'' چونکہ شادی کی تاریخ کے لیے فون حسن کر رہے تھے اس لیے نصرت کو توقیر کا ہی فون کرنا مناسب لگا۔ وہ خود عالیہ سے رابطہ نہ کرنا چاہ رہی تھیں نصرت نے بھائی کی ہمت بندھائی۔ انہیں رفعت کی بات معقول لگی تھی۔

توقیر نے اسی وقت موبائل نکال کر حسن کا نمبر ملایا اور اُن سے کال کرنے کا مدعا بیان کیا۔

''توقیر بھائی ہمارے پاس اللہ کا دیا سب کچھ ہے۔ آپ ٹینشن نہ لیں'' حسن نے نرمی سے اُن کو جواب دیا۔ عالیہ اُن کے پاس بیٹھی ٹی وی دیکھ رہی تھیں انہوں نے توقیر کا نمبر دیکھ کر موبائل کا اسپیکر آن کر لیا تھا۔ وہ دونوں طرف کی گفتگو سن رہی تھیں۔ اُن کا چہرہ دو ماہ کا سن کر ہی لٹک گیا تھا۔ اُن کا بس چلتا تو وہ ابھی نمرہ کو بہو بنا کر لے آتیں۔

''آپ کی بات درست ہے بھائی...... لیکن ہم لڑکی والوں کو بھی کچھ نہ کچھ تو تیاری کرنا پڑتی ہے نا۔'' توقیر نے رسانیت سے کہا انہیں بھی بہن اور بیوی کی بات میں وزن لگنے لگا تھا۔ ساری بات مقدر کی تھی اگر نمرہ اور شاہ زیب کا جوڑ مقدر میں ہونا تھا تو وہ کسی طور نہ ٹوٹ سکتا تھا

''آپ ذرا دس منٹ ویٹ کریں میں گھر میں مشورہ کر کے آپ کو کال بیک کرتا ہوں۔'' حسن کو فوری طور پر یہی سوجھا کہ وہ عالیہ سے مشورہ کر لیں۔

''بالکل...... آپ بھابی سے بھی مشورہ کر لیں۔'' توقیر نے کہہ کر فون بند کر دیا۔ کمرے میں بوجھل خاموشی چھا گئی۔ توقیر نے دونوں کو ساری بات بتا دی تھی۔ انتظار کی بعض گھڑیاں صدیوں پر بھاری پڑ جاتی ہیں تینوں نفوس دم سادھے بیٹھے تھے۔ نصرت کی مضطرب نگاہیں بار بار گھڑی پر اٹھ رہی تھیں۔

ٹھیک دس منٹ بعد بیل ہوئی تو توقیر نے فوراً موبائل آن کر کے کان سے لگا لیا تھا اُن کے دل کی دھڑکن غیر معمولی طور پر بڑھ گئی تھی۔

''جی...... جی۔'' دوسری طرف سے حسن بول رہے تھے اور توقیر کے منہ سے وقفے وقفے سے یہی لفظ نکل رہا تھا۔

''ٹھیک ہے...... اللہ حافظ۔'' توقیر نے فون بند کر کے طویل سانس خارج کر کے گویا اپنا ذہنی بوجھ اُتارا۔ نصرت اور رفعت اُن کی طرف ہمہ تن گوش تھیں۔

''وہ مان گئے ہیں۔'' توقیر نے چند لمحوں بعد بتایا۔

''یا اللہ تیرا شکر ہے۔'' رفعت اور نصرت کے

منہ سے بیک وقت نکلا تھا۔ نصرت کی آنکھیں تشکر بھرے آنسوؤں سے لبریز ہو گئیں۔ ان کے سر سے اک بوجھ سرکا تھا۔

''پگلی......'' رفعت نے محبت سے انہیں اپنے ساتھ لگالیا اور نرمی سے اُن کے آنسو پونچھنے لگیں۔ وہ مسکراتے ہوئے نصرت سے جہیز کی لسٹ ڈسکس کرنے لگیں۔ توقیر خالص 'زنانہ گفتگو' سے اُکتا کر اپنے کمرے میں چلے گئے۔ انہیں صبح بینک سے جہیز کے لیے رقم بھی نکلوانا تھی۔

شادی کی تیاریاں عروج پر تھیں۔ دو ماہ گزرتے پتہ بھی نہ لگتا تھا۔ رفعت اور نصرت کا ایک پاؤں بازار ہوتا تو دوسرا گھر' دونوں کے دن میں مارکیٹ کے دو دو چکر بھی لگ جاتے۔ حمدان نے انہیں کل وقتی 'ڈرائیور' کی خدمات مہیا کر دی تھیں۔ وہ ہر وقت انہیں مارکیٹ پہنچانے کے لیے موجود ہوتا۔ نمرہ اور لائبہ بھی اُن کے ساتھ ہو لیتیں۔

جہیز کا سارا سامان نمرہ کی پسند کا خریدا جا رہا تھا۔ اس روز انہیں جیولری پسند کرنے جانا تھا کہ عالیہ کا فون آ گیا۔ وہ ولیمہ کا ڈریس اور جیولری کی شاپنگ کے لیے نمرہ کو ساتھ لے جانا چاہتی تھیں۔ نمرہ کمرے میں تیار ہو رہی تھی کہ نصرت چلی آئیں۔

''بیٹا تم تیار ہو جاؤ۔ شاہ زیب تمہیں پک کرنے آ رہا ہے۔ عالیہ تمہاری پسند کی شاپنگ کرنا چاہتی ہے۔'' نصرت نے آتے ہی بیٹی کو تاکید کی۔

''جی مما......'' نمرہ کا دل دھڑک اٹھا۔ نصرت اسے تاکید کر کے پلٹ گئیں۔ شاہ زیب فرسٹ ٹائم ان کے ہاں آ رہا تھا۔ وہ اس کی تواضع میں کوئی کسر نہ چھوڑنا چاہتی تھیں۔ نمرہ نے ان کے جاتے ہی وارڈ روب کھول لی۔ ہر ڈریس قیمتی اور برانڈڈ تھا۔ مگر اسے کوئی پسند ہی نہ آ رہا تھا۔ بالآخر اس نے فیروزی کلر کا ہلکا سفید نگوں کے کام کا سوٹ نکال لیا۔ اس نے اپنے لانبے بال پشت پر کھلے چھوڑ دیے اور میک اپ کے نام پر ہلکی لپ اسٹک اور آئی لائنر لگا لیا۔

شاہ زیب آ چکا تھا اور حمدان اور مما کے ساتھ محوِ گفتگو تھا۔ نصرت اسے بلانے آئیں تو وہ آئینے کے سامنے کھڑی اپنا تنقیدی جائزہ لے رہی تھی۔ وہ سادگی میں بھی غضب ڈھا رہی تھی۔ نصرت نے بے ساختہ اس کی بلائیں لے ڈالیں اور اسے ساتھ لیے آ گئیں۔

حمدان سے محوِ گفتگو شاہ زیب کی نگاہ اٹھی تو پلٹنا بھول گئی۔ اس نے سادگی بھرا دل موہ لینے والا حسن پہلی دفعہ دیکھا تھا اسے مما کی پسند اور اپنی قسمت پر بے ساختہ رشک آیا۔

''السلام علیکم!'' شرمائی لجائی سی نمرہ اُسے سلام کرتی سامنے مما کے پہلو میں بیٹھ گئی۔ شاہ زیب کی پُرستائش نگاہیں اُسی پر جمی تھیں وہ اپنی قسمت پر نازاں مسرور تھا۔ نمرہ جیسی شریکِ حیات ہر نوجوان کی تمنا ہوتی ہے۔ وہ فطری طور پر آئیڈیلزم کا قائل نہ تھا۔ اس نے محض شریکِ حیات کا اک تصوراتی خاکہ کھینچ رکھا تھا۔ نمرہ اس خاکہ پر پورا اتری تھی۔ وہ جانتا تھا کہ ہر انسانی کامیوں کا حامل ہوتا ہے یقیناً اس میں بھی کوئی خام'ی ہو گی مگر وہ اسے اپنی محبت سے بدل بھی سکتا تھا۔ اسے مما پر بے ساختہ پیار آیا جنہوں نے بہو منتخب کرتے ہوئے بیٹے کی پسند کا بھی خیال رکھا تھا۔

شاہ زیب اسے ٹکٹکی باندھے تک رہا تھا۔ دفعتاً اسے آکورڈ سچویشن کا احساس ہوا تو وہ سنبھل

کر بیٹھ گیا۔ نمرہ اس کی والہانہ نگاہوں کی تپش سے پزل ہوئی جارہی تھی۔

''آنٹی ہم چلتے ہیں مماویٹ کررہی ہوں گی۔'' شاہ زیب نے چند لمحوں بعد رخصتی چاہی۔

وہ مما کے ساتھ شاپنگ میں بھرپور مدد کررہا تھا۔ گھر میں کوئی دوسری عورت نہ تھی جو مما کے ساتھ ہیلپ کرتی۔ سومما نے اسے یہی کہہ کر قابو کررکھا تھا کہ 'تمہاری بیوی ہی کو پہننا ہے۔' وہ بھی خوشدلی سے مما کا ساتھ دے رہا تھا۔

نصرت اور حمدان دونوں کو گیٹ تک الوداع کرنے آئے تھے۔ شاہ زیب نے آگے بڑھ کر نمرہ کے لیے فرنٹ ڈور کھولا۔ وہ بیٹھی تو اس نے سامنے سے گھوم کر ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔ شاہ زیب نے گاڑی روڈ پر ڈالی تو نصرت نے دونوں کی ڈھیروں بلائیں لے ڈالیں۔ وہ لحہ بہ لحہ دور جاتی گاڑی پر نگاہیں جمائے دونوں کی خوشیوں کے لیے دعا گو تھیں۔

☆......☆......☆

شاہ زیب کے خاندان میں رواج تھا کہ دلہن کی بارات اور ولیمہ کا سوٹ دولہا والے اور دولہے کے بارات اور ولیمے کے سوٹ دلہن والے تیار کرواتے تھے۔ نصرت کو ان کا یہ رواج دیر سے پتہ چلا تھا وہ نمرہ کے لیے بارات کا سوٹ لے چکی تھیں۔ انہوں نے شاہ زیب کے لیے ڈریسز کی شاپنگ کرنا تھی۔ وہ شاہ زیب کو ساتھ لے جانا چاہتی تھیں۔ انہوں نے شاہ زیب کو ڈنر پر انوائٹ کیا۔ وہ ڈنر کے بعد شاہ زیب اور حمدان کے ساتھ شاپنگ پر جارہی تھیں۔ شاہ زیب نمرہ کو مختصراً اپنی پسند ونا پسند سے آگاہ کرچکا تھا۔ اسے مٹن و دشملہ مرچ بے حد پسند تھا۔ سدا کی پڑھاکو' کوکنگ کے نام سے ہی بدکنے والی نمرہ دوپہر سے

کچن میں گھسی شاہ زیب کے لیے کھانا تیار کررہی تھی کہ لائبہ چلی آئی۔

''پھوپو...... آج تو بڑی خوشبو آرہی ہے کچن سے۔'' لائبہ دور سے ہی اشتہا انگیز کھانے کی خوشبو سانس کھینچ کر اتارتی سیدھا کچن میں چلی آئی۔ لائبہ جتنا حیران ہوتی اتنا کم تھا۔ خلافِ توقع نمرہ کوکنگ میں مشغول تھی۔

''تم اور کھانا کیا بات ہے جی۔'' وہ نمرہ کی حالت دیکھ کر زور سے ہنسی۔

''ہاں ...... کوئی اعتراض۔'' نمرہ نے شرمندہ ہونا سیکھا ہی نہ تھا۔ وہ ڈھٹائی سے مسکراتی سالن میں چمچ ہلانے لگی۔

''بالکل بھی نہیں ڈرالنگ......'' لائبہ نے شوخی بھری محبت سے اس کی ناک کھینچی جبکہ نمرہ 'ڈارلنگ' پر جھینپ گئی۔

''ویسے آ کون رہا ہے؟'' لائبہ نے اُسے شوخی سے گھورتے ہوئے استفسار کیا۔ نمرہ کے چہرے کا گلال اور کوکنگ میں دلچسپی غیر معمولی تھی وہ پوچھے بنا نہ رہ سکی۔

''شاہ زیب کی دعوت کی ہے مما نے۔'' نمرہ کو خود کو کمپوز کرتے ہوئے جواب دیا۔ لائبہ سے کچھ بعید نہ تھا کہ وہ اس کا حالِ دل بوجھ کر اُسے چھیڑ چھاڑ کر ناک میں دم کردیتی۔

''کس کی......'' لائبہ اسے ستانے پر مصر تھی۔ اس نے نہ سنائی دینے کی ایکٹنگ کرتے ہوئے اپنا دائیاں کان کھجایا۔

''حمدان بھیا کی۔'' نمرہ نے بھی جواباً وار کیا۔ اس کے چہرے پر ایوہی مسحور کن چمک تھی۔

''تم بھی بس میرا دل ہی جلایا کرو۔'' حمدان کے محتاط رویہ اُسے کبھی کبھار خائف کردیتا تھا اس کا سنتے ہی منہ بن گیا۔

''لائبہ تم میری دعوت کر کے تو دیکھو میں سر کے بل آؤں گا۔'' حمدان نہ جانے کہاں سے آن ٹپکا تھا اور اس نے لائبہ کا آخری جملہ سن لیا تھا۔

وہ فریج سے پانی کی بوتل نکال کر کچن میں رکھی چھوٹی ٹیبل کے گرد موجود چیئر پر ٹک گیا۔ اس کی جذبے لٹاتی نگاہیں لائبہ پر مرکوز تھیں۔

''پھوپو کہاں ہیں نمرہ۔'' لائبہ نے بات بدلی تھی اور پھر وہ انہیں ڈھونڈتی شرماتے ہوئے وہاں سے چلی گئی۔ نمرہ اور حمدان کی نگاہیں ملیں اور اگلے پل دونوں کا مشترکہ قہقہہ فضا میں بکھر گیا تھا۔

☆......☆......☆

''توقیر آپ نے لائبہ کا کیا سوچا ہے۔'' دن تیزی سے گزرتے جا رہے تھے۔ شادی کی تیاری جاری تھی شادی میں تھوڑے دن رہ گئے تھے۔ گھر میں عجب افراتفری تھی۔ توقیر آفس سے لوٹے تو رفعت خلافِ معمول گھر پر تھیں۔ توقیر ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتے رفعت کے قریب بیٹھ گئے۔ وہ اُن کے لیے پانی کا گلاس لے آئیں۔ رفعت نے موقع ملتے ہی گفتگو کا آغاز کیا۔

''کیوں اس کا کیا سوچنا ہے۔'' رفعت ان سے ایک بار پہلے بھی لائبہ کے متعلق ذکر کر چکی تھیں۔ وہ اُن کا اشارہ سمجھ گئے تھے۔ انہوں نے برا سا منہ بناتے ہوئے بیوی کو قدرے ناگواری سے گھورتے ہوئے استفسار کیا۔ ان کے ابرو تن چکے تھے۔

''توقیر آپ خوب جانتے ہیں کہ میں کیا کہہ رہی ہوں۔'' رفعت کو اُن کی لاپرواہی سے کوفت ہوئی تھی۔ انہوں نے شوہر کا بگڑا مزاج نظر انداز کر دیا تھا۔

''رفعت میری ایک بات کان کھول کر سن لو تم جو سوچ رہی ہو۔ وہ نہیں ہوگا۔ لائبہ حمدان کی دلہن ہی بنے گی۔'' توقیر نے درشتی بھری سختی سے انگلی اُٹھا کر انہیں تنبیہ کی بچوں کا رشتہ بچپن میں ابا جی نے خود طے کیا تھا۔ وہ رشتہ توڑنے کا تصور بھی نہ کر سکتے تھے۔ رفعت کا چہرہ شوہر کی سختی پر لٹک گیا۔

''رفعت میں مانتا ہوں تم ہر ماں کی طرح اولاد کی خیر خواہ ہو۔ حمدان ساری عمر بے روزگار نہیں رہے گا۔ اسے ضرور کوئی جاب ملے گی۔'' توقیر بیوی کا ڈھیلا منہ دیکھ کر نرم پڑ گئے۔ انہیں شریکِ حیات کی فطری خواہش کا ادراک تھا۔ لائبہ اور نمرہ ہم عمر تھیں۔ ہمارے معاشرے میں بچیوں کی شادیاں مخصوص عمر تک نہ ہونے پر ان پر بڑھاپے کا لیبل لگ جاتا ہے۔ نمرہ کی شادی کے بعد لائبہ کی شادی میں تاخیر پر انہیں لوگوں کے طرح طرح کے سوالات کا سامنا بھی کرنا پڑ سکتا تھا۔

''خواہ تب تک لائبہ بوڑھی ہو جائے۔'' رفعت بدگمانی کی حد کو چھونے لگیں تھیں۔ نند اور اس کے بچوں سے محبت اپنی جگہ مگر انہیں لائبہ کی بھی فکر ہونے لگی تھی۔

''الٰہی خیر......'' توقیر کا دل اندر ہی اندر دہل گیا۔

''رفعت تم اللہ پر بھروسہ رکھو۔ وہ بہتر کرے گا۔'' توقیر صاحب بیوی کے احساسات سمجھتے تھے۔ انہوں نے ڈھیلے پڑتے ہوئے انہیں دلاسا دیا۔ رفعت نے محض سر ہلانے پر اکتفا کیا۔ جبکہ لاؤنج میں بظاہر میگزین کی ورق گردانی میں محو لائبہ صدمے سے اپنی جگہ گنگ رہ گئی تھی۔

''لائبہ......'' آج کل نصرت بیٹی کو سگھڑ بنانے کا مشن اپنائے ہوئے تھیں۔ انہوں نے اس کے لیے سویٹ ڈشز کی تراکیب کی بک

اظہارِ تشکر
پرل پبلی کیشنز' پہلے سچی کہانیاں رائٹرز ایوارڈ کے
کامیاب انعقاد پر.....
اپنے لکھاریوں' قارئین اور ادب پروروں کا تہہ
دل سے شکر گزار ہے۔
اس کے ساتھ ہی ہم زندہ دلانِ لاہور کی محبتوں
کے دل سے ممنون ہیں۔
بالخصوص ہم مشکور ہیں ٹرانس کاسٹ میڈیا' فنکار
آن لائن' لاہور ٹی وی' صحافی برادری اور قابلِ
عزت مہمانانِ گرامی کے.....

منگوائی تھی اور وہ اس سے روزانہ کوئی نہ کوئی سویٹ ڈش بنواتی تھیں۔ نصرت صبح سے نمرہ کو لیے کچن میں 'لبِ شیریں' بنوا رہی تھیں۔ نمرہ نے شوق سے مما سے سیکھ کر خود بنانے کی کوشش کی تھی اور وہ اس میں خاصا کامیاب بھی رہی تھی۔ نمرہ نے ڈش دو باؤلز میں نکالی۔ ایک باؤل فریج میں بھائی کے لیے رکھا اور وہ دوسرا باؤل لیے لائبہ کی طرف آ گئی وہ دور سے پُرجوش انداز میں اُسے پکارتی آ رہی تھی۔

''کدھر ہو یار......'' نمرہ نے باؤل کچن میں رکھا اور خود اس کے کمرے میں چلی آئی وہ اس کی آمد سے بے خبر اوندھے منہ بیڈ پر پڑی تھی وہ آہٹ پر چونک کر سیدھی ہوئی۔

''کیا ہوا ہے؟'' اس کا حسین مکھڑا آنسوؤں سے تر تھا۔ وہ پریشان ہو کر اس کے قریب ئی۔ ہمدرد دوست کو سامنے پا کر لائبہ کے آنسوؤں میں شدت آ گئی۔

''لائبہ......'' نمرہ نے تشویش بھری محبت سے اسے خود سے لگا لیا۔ مسلسل رونے سے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ دل درد و اذیت سے کٹا جا رہا تھا۔ اس نے شعور کی پہلی منزل سے حمدان کو چاہا تھا۔ دل و دماغ کسی اور کی رفاقت کو قبولنے پر کسی قیمت پر تیار نہ تھے۔ وہ احساسِ جدائی سے ہراساں تھی۔ نمرہ اُسے چپ کروانے کی کوشش میں ہلکان ہوئی جا رہی تھی۔

''پلیز لائبہ...... مجھے کچھ تو بتاؤ۔'' رفعت اپنے کمرے میں محوِ نیند تھیں گھر میں مکمل سناٹا تھا۔ لائبہ کی سسکیاں خاموشی کی دبیز تہہ کو چیرتی نمرہ پر گھبراہٹ طاری کر رہی تھیں اس سے چند روز بیشتر ہی تو حمدان نے تجدید وفا مانگی تھی اور اس نے زندگی کی آخری سانس تک وفا نبھانے کی یقین دہانی کرائی تھی۔ وہ بے خبر تھی کہ تقدیر اسے کسی دوراہے پر لا پٹخے گی۔

نمرہ نے اسے خود سے الگ کر کے آنسو پونچھتے ہوئے استفسار کیا۔

''نمرہ تم مجھ سے روزانہ ملنے آیا کرو گی نا۔''

اس کی چاہت یکطرفہ نہ تھی پھوپو کی نگاہوں میں اس کے لیے ہمیشہ واضح پسندیدگی ہوتی تھی۔ وہ چند روز کی مہمان تھی پھر وہ اسے کیونکر پریشان کرتی۔ اس نے بات ٹالنے کی کوشش کی۔

''واٹ......'' نمرہ ناسمجھی سے اسے تکنے لگی۔ لائبہ سراسر اسے ٹال رہی تھی۔

''لائبہ......'' نمرہ اس سے جرح کرنے پر آمادہ تھی کہ رفعت چلی آئیں۔

''جی مما......'' ان کی بروقت آمد نے لائبہ کی مشکل آسان کر دی تھی ورنہ وہ نمرہ سے جرح میں نہ جیت پاتی اور اسے نمرہ کو حقیقت بتانا ہی پڑتی۔ جبکہ وہ اسے پریشان نہ کرنا چاہتی تھی۔

''ارے...... اپنی نمرہ آئی ہے۔'' وہ سو کر اٹھیں تو ان پر سستی طاری تھی اور اُن کا سر بھی بوجھل تھا۔ وہ لائبہ سے چائے کا کہنے آئی تھیں۔ ان کی نظر نمرہ پر پڑی تو وہ محبت سے بولتی وہیں ٹک گئیں۔

''لائبہ تم چائے بنا لاؤ۔'' رفعت نے لائبہ کو اٹھایا۔ وہ تابعداری سے سر ہلاتی کچن کی طرف بڑھ گئی۔

''ممانی میں کوئی مہمان تھوڑا ہوں۔'' نمرہ نے نرمی سے احتجاج کیا۔

''بیٹا جب بیٹیوں کی شادی طے ہو جائے تو وہ والدین کے گھر میں مہمان ہی ہوتی ہیں۔'' رفعت نے محبت سے اس کا سر سہلایا۔ نمرہ کی آنکھیں اپنے پیاروں سے دوری کے احساس پر

بھیگ گئیں۔ رفعت اس کے آنسو نہ دیکھ پائیں اور وہ اس سے شادی کی تیاری پر گفتگو کرنے لگیں۔

بعض ماؤں کو بیٹیوں کی گھر سے رخصتی کے وقت بخوبی احساس ہوتا ہے کہ انہیں اپنی بیٹیاں کتنی عزیز ہیں اور وہ ان کے لیے کتنی قیمتی متاع ہیں نصرت نے دونوں بچوں کو ماں اور باپ کا پیار دیا تھا۔ ان کی بے حد ناز ونعم سے پرورش کی تھی مگر انہیں اب حقیقتاً ادراک ہوا تھا کہ نمرہ میں تو ان کی جان مقید تھی۔ وہ ان کے گھر کی بولتی مینا تھی۔ جس کے جانے سے ان کے گھر میں سناٹے ڈیرا ڈالنے کو تھے۔ نمرہ جوں جوں شادی کے دن قریب آرہے تھے خود سے بھی لاپرواہ ہوتی جارہی تھی۔ حالانکہ یہی تو اس کے خود کو نکھارنے اور سنوارنے کے دن تھے مگر اسے چنداں پرواہ نہ تھی۔

نصرت اسے زبردستی گھیرے اس کے سیاہ لانبے بالوں میں تیل لگارہی تھیں کہ انہوں نے نمرہ سے رفعت اور توقیر کی باہمی گفتگو کا تذکرہ کیا۔ وہ دل کا بوجھ ہلکا کرنا چاہتی تھیں۔ حمدان ہنوز بے روزگار تھا۔ وہ انٹرویو کے لیے گیا ہوا تھا۔ نمرہ کو ہما کی زبانی سن کر بھی یقین نہ آرہا تھا۔ بھلا رفعت ممانی ایسا کیوں چاہنے لگیں۔ وہ لائبہ اور حمدان کے باہمی رشتے اور محبت سے بخوبی آگاہ تھیں پھر وہ ماں ہوکر بیٹی کی خوشیاں کیوں چھیننے لگیں۔ نمرہ ممانی کی ذہنی کیفیت سمجھنے سے قاصر تھی۔

''بیٹا میں نے خود انہیں بھیا سے کہتے سنا تھا۔'' نصرت نے تیل کی موٹی دھار اس کے سر پر گرا کر مالش شروع کی۔ ان کا دل کبھی کبھار عجب وسوسوں میں گھر جاتا تھا۔ انہیں حمدان کی بھی فکر رہنے لگی تھی۔ وہ اپنے تئیں اسے دبے لفظوں میں بھیا کے بزنس میں شراکت کا مشورہ دے چکی تھیں۔ مگر اس نے صاف انکار کر دیا تھا۔ انہوں نے دوبارہ اس پر زور نہ دیا تھا اور خود کو حالات کے دھارے پر چھوڑ دیا تھا۔ نصرت کو بھی کئی روز تک اپنا وہم لگا تھا۔ مگر وہ رفعت کا تشویش بھرا چہرہ دیکھتیں تو خود کو نہ جھٹلا پاتیں۔

''مما اب کیا ہوگا؟'' نمرہ کا دماغ سائیں سائیں کرنے لگا۔ اس کی نگاہوں کے سامنے لائبہ کا آنسوؤں سے تر چہرہ گھوم گیا۔ اسے رفتہ رفتہ مما کی بات پر یقین آگیا۔ وہ بھائی کے لیے متفکر تھی۔

''تم دعا کرو...... اسے جلد کہیں اچھی سی جاب مل جائے۔'' حمدان کا انٹرویو تھا۔ نصرت کا سارا دھیان اسی میں تھا۔ وہ زبانی وظائف پڑھ کر دعائیں مانگنے میں محو تھیں۔ انہوں نے یاسیت سے مالش ختم کر کے نمرہ کے لانبے بال جوڑے کی شکل میں لپیٹ دیے۔

نمرہ کا دل بھاری ہونے لگا۔ تقدیر بعض اوقات انسان کو کن آزمائشوں میں ڈال دیتی ہے کہ اس کی ہنستی بستی پُر رونق زندگی بے رنگ و بے کیف ہو جاتی ہے۔ حمدان اور لائبہ کا بچپن سے طے رشتہ سبھی کو پسند اور قبول تھا۔ جبھی تو شاہ زیب کا رشتہ آیا تو ممانی نے انہیں نمرہ دکھائی تھی۔ درحقیقت فائزہ عالیہ کو لائبہ کے لیے لے کر آئی تھیں۔

''مما مجھے لائبہ بہت پسند ہے اور وہ ہی میری بھابی بنے گی۔'' نمرہ نے ماں کے ہاتھ تھام کر وعدہ لینا چاہا۔

''تم فکر نہ کرو...... اللہ بہتر کرے گا۔'' نمرہ خاصی پریشان ہوگئی تھی۔ نصرت اس کو بتا کر پچھتا رہی تھیں۔ وہ اپنا دل ہلکا کرنا چاہتی تھیں نہ کہ نمرہ کو پریشان...... انہوں نے رسانیت سے نمرہ کا گال تھپکا۔

''انشاء اللہ......'' نمرہ نے جیسے خود کو یقین دلایا تھا کہ لائبہ نے ان کے ہاں آنا بھی کم کر دیا تھا۔ نمرہ اپنی مصروفیت میں اس کی غیر حاضری محسوس ہی نہ کر پائی۔ اسے اب خیال آیا تھا کہ لائبہ کافی کم گو بھی ہوگئی ہے۔

''مما آپ ماموں سے بات کریں نا۔'' نمرہ کا تفکر کم ہی نہ ہو رہا تھا۔ اس نے ماں کا بازو لجاجت سے تھام لیا۔

''بیٹا...... تم بھائی کی جاب کی دعا کرو۔'' نصرت نے نرمی سے اسے دلاسا دیا۔ وہ چپ رہ گئی۔ ماحول پر گھمبیر سناٹا پھیل گیا۔ یاسیت نے دونوں کو اپنی گرفت میں جکڑ لیا۔ ان کے دلوں سے حمدان کی کامیابی کی دعائیں نکل رہی تھیں۔

شہر کے معروف کمرشل ایریا میں ملٹی نیشنل کمپنی کی مین برانچ میں کمپنی کی اہم پوسٹ کے لیے انٹرویو ہو رہے تھے۔ آفس میں جہازی سائز ٹیبل کے دوسرے سمت بورڈ ممبران انٹرویو لینے میں محو تھے۔ بورڈ ممبران اُس کی سی وی پر آپس میں ڈسکس کر رہے تھے۔ آفس میں چند لمحوں کے لیے بھاری خاموشی پھیل گئی۔ حمدان کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ چند لمحوں کے جانگسل انتظار کے بعد باوقار سے شخص نے فائل ٹیبل پر رکھتے ہوئے اسے مخاطب کیا۔

''مسٹر حمدان......''

''جی سر......'' حمدان کے لیے اپنی دھڑکن کنٹرول کرنا مشکل ہوا جا رہا تھا۔ اس کا پُر اعتماد چہرہ گھبراہٹ کی زد میں تھا۔ وہ پہلی بار انٹرویو نہ دے رہا تھا۔ مگر نہ جانے کیوں وہ آج کافی پزل سا تھا اور اس کا اعتماد بھی ڈانوڈول ہوا جا رہا تھا۔ حمدان نے تھوک نگلا۔

''کمال ہے حمدان...... تم کوئی فرسٹ ٹائم انٹرویو دے رہے ہو۔'' حمران نے خود کو گھر کتے ہوئے اپنا اعتماد بحال کرنا چاہا۔ اگلے لمحے وہ خاصا مختلف اور پُر اعتماد لگ رہا تھا۔ اس کے چہرے سے گھبراہٹ بھی چھٹ چکی تھی۔

''آپ کیسی جاب کی تلاش میں ہیں؟'' انٹرویو کا آغاز کیا گیا۔

''سر میری زیادہ ڈیمانڈ نہیں ہیں۔ مجھے اچھی سی جاب کی تلاش ہے۔'' حمدان نے اعتماد سے ٹانگ پر ٹانگ جمائی۔ بورڈ ممبران نے اس کا اعتماد بطورِ خاص نوٹ کیا تھا۔

''ہماری مین برانچ کے مینیجر کا ٹرانسفر ہوگیا ہے۔ کیا آپ مینیجر کی پوسٹ سنبھال سکتے ہیں۔'' قریشی صاحب اس سے خاصے مرعوب تھے۔ انہوں نے نرمی سے مسکرا کر استفسار کیا۔

''جی سر...... میرا کوئی ایکسپیرئینس نہیں ہے مگر میں آپ کو مایوس نہیں کروں گا۔'' حمران نے اسی اعتماد سے اُن کی آنکھوں میں براہِ راست جھانکتے ہوئے جواب دیا۔

''ہوں۔'' قریشی صاحب نے سر ہلاتے ہوئے پُرسوچ ہنکارا بھرا اور وہ اپنے ساتھی ممبران سے سرگوشی میں ڈسکس کرنے لگے ماحول پر دوبارہ خاموشی چھاگئی۔ حمدان پر لمحہ لمحہ بھاری تھا۔

''آپ کیا سیلری ایکسپٹ کر رہے ہیں؟'' سینئر ممبر قریشی صاحب نے ساتھیوں سے مشورہ کر کے حمدان کو مخاطب کیا۔

''جی سر......'' حمدان کی زبان بے پایاں احساسِ خوشی سے ہکلا گئی۔ قریشی صاحب کے چہرے پر نرم مسکراہٹ پھیلی تھی۔

''ویلکم ٹو دِس آفس......'' مارے خوشی کے اس کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔ اس نے نچلا لب بے ساختہ دانتوں تلے دبا کر آنسوؤں کو بہنے سے روکا تھا۔

''ففٹی پلس قبول ہے۔'' قریشی صاحب نے اسی دوستانہ مسکراہٹ سے اسے مخاطب کیا۔ دونوں ساتھی ممبران کے چہروں پر بھی مشفقانہ مسکراہٹ پھیلی تھی۔

''جی...... جی...... جی سر......'' حمدان کی تو قوتِ گویائی گم ہوگئی تھی۔ وہ سر کو زور وشور سے اثبات میں ہلا رہا تھا۔ اس کے وجیہہ چہرے پر خوشی کے انمول رنگ بکھرے تھے۔

''نوید بہت محنتی اور قابل نوجوان تھا۔ ہمیں اسی جیسے قابل اور محنتی نوجوان کی تلاش تھی۔ آئی ہوپ کہ آپ ہمیں مایوس نہیں کریں گے۔'' قریشی صاحب نے سابقہ منیجر کا حوالہ دیتے ہوئے اپنی امید ظاہر کی۔ ان کی کمپنی کو حمدان جیسے قابل اور باصلاحیت نوجوان کی ضرورت تھی اور وہ مطمئن تھے کہ انہیں جلد گوہر نایاب مل گیا تھا۔

''آف کورس سر......'' حمدان کے لبوں سے تشکر بھری طویل سانس خارج ہوئی۔ اس کا رواں رواں رب کا کرگزار تھا بالآخر اس نے اپنی منزل پالی تھی۔

''آپ نیکسٹ ویک سے آفس جوائن کرلیں۔'' قریشی صاحب نے اس کے سامنے کنٹریکٹ پیپرز رکھے۔ وہ کپکپاتے ہاتھوں سے کنٹریکٹ سائن کرنے لگا تھا۔

☆......☆......☆

لاؤنج میں موجود سبھی افراد کے چہرے خوشی سے کھل رہے تھے۔ خوش گپیوں میں محو سب کے چہروں پر بے فکری نمایاں تھی۔ حمدان نے طائرانہ جائزہ لیا، لائبہ غائب تھی۔ اس کے لبوں پر نرم مسکراہٹ بکھر گئی۔ وہ آہستگی سے اُٹھ کر اس کے کمرے میں چلا آیا۔ لائبہ دونوں کہنیاں ریلنگ پر ٹکائے ٹیرس میں موجود تھی۔ اس کے حسین چہرے پر سوز پھیلا تھا۔ آنکھوں کے کناروں کا گلابی پن سرخی میں ڈھل چکا تھا۔ وہ کچھ دیر پہلے روتی رہی تھی۔ حمدان اس کی پشت پر آن رُکا۔ وہ پلٹے بنا اُس کی خوشبو سے اُسے پہچان گئی تھی۔

حمدان تڑپ کر آگے بڑھا۔ وہ رو رہی تھی۔ اسے بے چین کرنے کو یہی خیال کافی تھا۔ اس کی توجہ بھری محبت پر دل بھر بھر کر آنے لگا۔ وہ آنکھوں میں آئی نمی چھپانے کو دانستہ رُخ پھیر گئی۔

''لائبہ......'' حمدان نے اسے کندھوں سے تھام کر اپنی سمت موڑا اس نے سر جھکا لیا۔

''تم مجھے کیوں ستاتی ہو؟'' آنسو آنکھوں سے پھسل کر گالوں پر لڑھک آئے تھے۔ حمدان نے تڑپ کر اس کے آنسو پونچھتے ہوئے گلہ کیا۔ لائبہ اس کے کندھے سے سر ٹکا کر رودی۔ وہ مما کے مبہم رویے سے بہت پریشان تھی۔ مگر وہ حمدان کو کچھ بتا کر پریشان نہ کرنا چاہتی تھی۔ وہ بھی تو اپنی جاب کے لیے فکر مند تھا۔ حمدان اس کا سر سہلانے لگا۔ لائبہ کو اپنی بے اختیاری کا احساس ہوا تو وہ جھینپ کر اس سے الگ ہوگئی۔ اس کے چہرے پر حیاء کی لالی پھیل گئی۔ لائبہ دھڑکتے دل سے ریلنگ پر جھک گئی۔

''میرے پاس ایک گڈ نیوز ہے۔'' حمدان اس کے چہرے پر پھیلے حیاء کے رنگوں سے محظوظ ہوتا اس کے دائیں سمت آن رُکا۔

''کیا......'' وہ حمدان کی پُرشوق نگاہوں کا محور تھی۔ اس میں حمدان سے نگاہیں ملانے کا یارانہ تھا۔ اس نے جھکی نظروں سے جھینپتے ہوئے استفسار کیا۔

''مجھے جاب مل گئی ہے۔'' حمدان نے دونوں ہاتھ سینے پر باندھتے ہوئے بتایا خوشی و اطمینان اس کے لہجے سے چھلک رہا تھا۔ بالآخر اس نے

اپنی منزل پالی تھی۔
''سچی.....'' لائبہ مارے خوشی کے چیخ پڑی۔
اس کے چہرے کی چمک بڑھ گئی تھی۔
''ہوں.....'' حمدان نے دھیما ہنکارا بھرتے ہوئے اسے یقین دہانی کرائی۔ لائبہ کی آنکھوں میں نمی جھلملانے لگی۔
''اب کیوں رو رہی ہو؟'' حمدان نے شرارت سے اس کے آنسو اپنی ہتھیلی پر چن لیے تھے۔ حمدان کی پُرشوخ نگاہیں اسی پر ٹکی تھیں۔
لائبہ اس کے کندھے پر ہولے سے مکا مارتی اسے دھکیل کر اندر غائب ہوگئی۔ اس میں حمدان کی نگاہوں کی مزید شوخی سہنے کی ہمت نہ تھی۔ حمدان کے لبوں سے بے ساختہ قہقہہ ابلا تھا۔

☆......☆......☆

ہال میں لوگوں کا جم غفیر تھا۔ توقیر صاحب نے تقریب میں اپنے سبھی دوست احباب کو مدعو کر رکھا تھا۔ قیمتی جیولری اور برانڈڈ ڈریس میں ملبوس بیگمات امارت کا چلتا پھرتا اشتہار لگ رہی تھیں۔ مرد حضرات کی گفتگو معیشت و سیاست پر جاری تھی۔ حمدان کو نوکری ملنے کی دیر تھی کہ نصرت نے سرسوں ہتھیلی پر جمالی۔ وہ حمدان کی شادی نمرہ کے ساتھ ہی کرنا چاہتی تھیں۔ توقیر نے بھی بہن کو مایوس نہ کیا۔ انہوں نے عجلت میں شادی کی شاپنگ کی بجائے لائبہ کا اکاؤنٹ کھلوا کر رقم جمع کروادی تھی تاکہ وہ بعد میں سہولت سے اپنی پسند کی شاپنگ کر سکے۔
رفعت نے احتجاج کیا وہ بیٹی کو پورے چاؤ سے بیاہنا چاہتی تھیں تو توقیر نے بمشکل انہیں سمجھا بجھا کر خاموش کرایا تھا۔ اور لائبہ اور حمدان کی شادی کی تاریخ طے کر دی گئی تھی۔ دونوں کے ولیمے پر نمرہ کی بارات آنا تھی۔ نمرہ بھائی کی شادی پر خوب بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہی تھی۔ وہ اپنا دلہناپا بھلائے بھائی کی شادی کے چاؤ پورے کر رہی تھی۔
اسٹیج پر لائٹ اور ڈارک فیروزی بھاری کامدار لہنگا سوٹ میں ملبوس لائبہ کی چھب ہی نرالی تھی۔ رفعت بیٹی کی بلائیں لیتے نہ تھک رہی تھیں۔ اُن کے گمان میں بھی نہ تھا کہ انہیں لائبہ کی رخصتی نمرہ سے پہلے کرنا پڑے گی۔ وہ تو نمرہ کے لیے اُداس تھیں کہ لائبہ کی جدائی بھی سہنا پڑی مگر دل کے کونے میں یہ سکون و اطمینان بھی تھا کہ وہ نمرہ کی طرح آنکھوں سے دور نہ ہوگی۔ وہ ان کی نظروں کے سامنے رہے گی۔
تھری پیس سوٹ میں ملبوس حمدان کو لائبہ کے پہلو میں بٹھایا گیا تو ہر نگاہ میں واضح ستائش ابھری دونوں کی جوڑی بلاشبہ چاند سورج کی جوڑی لگ رہی تھی۔
کھانے کے بعد فوٹو سیشن شروع ہوا۔ لائبہ نے خود پر مسکراہٹ طاری کرتے ہوئے جھکا چہرہ اوپر اٹھایا تو نگاہ حمدان سے ٹکرائی۔ گرے سوٹ میں ملبوس حمدان کی وجاہت قابل دید تھی۔ وہ پلکیں جھپکائے بنا اسے تکنے لگی۔
حمدان نے مسکرا کر لائبہ کو دیکھا اور سب سے نظر بچا کر آنکھ ماری۔
اس نے دھڑکتے دل سے گھبرا کر سر جھکا لیا۔ حمدان نے نرمی سے اس کے گود میں دھرے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر اسے بھرپور ساتھ کا یقین دلایا۔ لائبہ کے لبوں پر آسودہ مسکراہٹ بکھر گئی۔ دل حمدان کی محبت بھری سنگت میں مسرور تھا۔ اسے یقین تھا کہ خوشیوں بھری زندگی اس کی منتظر ہے دور گگن پر چاند مسکرا کر آگے بڑھ گیا۔ فضا پر مسحور کن چاندنی پھیل گئی تھی۔

☆☆......☆☆

افسانہ

مدیحہ اصغر

محبت کا حاصل؟؟؟

''یہ حقیقت ہے یہ سچ ہے عبیرا! میں تمہیں کالے اور سفید رنگ کے بندھن سے آزاد کرانا چاہتا ہوں تمہاری زندگی میں پھیلے سوگ کے سائے کو ختم کرنا چاہتا ہوں۔ مزاروں کے اس شہر میں محبت کا مزار تعمیر نہیں کرنا چاہتا اب احساس ہوتا ہے مجھے کیوں......

وہ سیاہ پینٹ شرٹ میں ملبوس تھا۔ سیاہ گاگلز ہاتھ میں تھامے سلیقے سے جمے بال' سیاہ نوک والے جوتے' وہ سلور گرے بڑی سی گاڑی سے ٹیک لگائے یوں کھڑا تھا کہ بس دو چار منٹ میں

فراغت پائے اور نکل جائے۔ برٹش لینگویج انسٹی ٹیوشن سے قدم باہر نکالتے ہی میرا اس کی نگاہوں سے ٹکراؤ ہوا تھا۔

دو گہری سیاہ آنکھوں سے نکلتی پُرتپش نگاہیں میرے وجود میں کھب گئی تھیں اور پھر وہ فوراً ہی گاڑی میں بیٹھ کر زن سے اُسے اڑا کر لے گیا تھا۔

رات کے تین بج رہے تھے نیند میری آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ یہ تو جیسے اب معمول سا بنتا جا رہا تھا۔ جذبوں سے لبریز آنکھیں اندر تک کھب جاتیں اور پھر دیمک کی طرح میری نیند اور سکون کو چاٹنے لگ جاتیں۔

بالآخر دل میں اٹھتے جوار بھاٹے کے ہاتھوں مجبور ہو کر جب میں نے گلی میں کھلنے والی اپنی کھڑکی کھولی تو میری آنکھیں حیرت سے باہر ابلنے لگیں۔

اسٹریٹ لائٹ میں گاڑی سے ٹیک لگائے سگریٹ کے کش لگائے وہ مجھے دیکھ رہا تھا۔ اس کی نگاہوں میں سمندر مچل رہا تھا۔ ٹھاٹھیں مارتا ہوا شور مچاتا اور اپنی جانب پکارتا ہوا۔ میں نے خوفزدہ ہو کر کھڑکی بند کر دی تھی کہ کہیں جذبوں کے اس سمندر میں ڈوب نہ جاؤں۔

☆......☆......☆

اگلا دن تو بے حد بوجھل، ویران اور اُداس تھا۔ کیونکہ وہ آج اپنی بڑی سی گاری سے ٹیک لگائے کھڑا جو نہیں تھا، تو کیا یہ ہونا تھا انجام...... میں جانتی تھی ایسا ہی ہوگا گہری سانس لے کر میں آگے بڑھ گئی تھی دل کا ماتم ابھی روح تک پہنچا بھی نہیں تھا کہ اپنے پیچھے اس کی تڑپتی ہوئی آواز سن کر میں ٹھٹک گئی۔

''سنو! عبیر! میری بات سنو۔'' اُس کی آواز میرے لیے صورِ اسرافیل سے کم نہ تھی۔ مگر بظاہر بے نیازی سے میں تیز تیز چلتی ہوئی بس اسٹاپ تک پہنچی۔ وہ میرا سایہ بنا ہوا تھا۔ بینچ پر میرے بیٹھتے ہی وہ بھی اس بینچ پر مجھ سے کچھ فاصلے پر ڈھیر ہو گیا۔

اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ دھوپ بھی شدید تھی مگر میں تو اسی دھوپ کی گود میں پل کر جوان ہوئی تھی۔ مگر وہ تو مکھن کا بنا ہوا لگتا تھا۔ جیسے ذرا سی تپش سے پگھل ہی تو جائے گا۔

عبیر! کیوں کر رہی ہو تم میرے ساتھ ایسا...... دو مرتبہ پیغام بھیجا تمہارے لیے کیوں دھتکار رہی ہو مجھے۔'' وہ بے بس سا ہو کر بولا تھا۔

''کیوں بھیجتے ہو پیغام میرے لیے؟ کیوں میری ایک نظر کے منتظر رہتے ہو، کیوں گھنٹوں دھوپ میں کھڑے رہتے ہو، کیوں رات بھر میرے گھر کی گلی میں سگریٹ سلگائے خود کو جلاتے ہو۔ آخر کوئی دن تو ایسا آئے گا۔ بہزاد احمد! کہ جب میں کھڑکی نہ کھول پاؤں گی۔ تو تب تم کیا کرو گے؟ کیا ہو جائے گا زیادہ سے زیادہ؟''

''میں پتھر کا ہو جاؤں گا۔ سانس تو لوں گا مگر جی نہ پاؤں گا۔'' وہ تڑپ کر بول اٹھا تھا۔

''مت کرو مجھ سے افسانوی باتیں۔'' میں اُسے جھڑک کر بولی تھی۔

''یہ حقیقت ہے سچ ہے عبیر! میں تمہیں کالے اور سفید رنگ کے بندھن سے آزاد کرانا چاہتا ہوں تمہاری زندگی میں پھیلے سوگ کے سائے کو ختم کرنا چاہتا ہوں۔ مزاروں کے اس شہر میں محبت کا مزار تعمیر نہیں کرنا چاہتا اب احساس ہوتا ہے مجھے کیوں مجنوں لیلیٰ کی گلی سے آنے والے کتے سے محبت کرتا تھا۔ پلیز مت دھتکارو مجھے۔''

''بہت جلد پھر سے جینا سیکھ جاؤ گے۔ ہوں

کیا میں؟'' میں درشتی سے اس کی بات کاٹ کر بولی تھی۔ جھلسی ہوئی رنگت، پھٹے ہوئے نقوش کی ڈھلتی ہوئی عورت، بالکل شام کے دھوئیں جیسی، جس کی جوانی آخری ہچکیاں لے رہی ہے اور تم، تم چڑھتے ہوئے سورج...... دس سال کے بعد زندگی تمہیں مزید نکھارے گی سنوارے گی اور میں...... میں...... میرے بال سفید رنگ اوڑھ لیں گے۔ مجھے اپنا لو گے تو تب تمہیں لوگوں کی نگاہیں اور نوکیلے جملے احساس دلائیں گے کہ تم مجھ کو اپنا کر کتنی سنگین غلطی کر چکے ہو۔ تب میں، میں کچھ الگوں گی تمہیں۔''

''عبیر پلیز! ایسا کبھی نہیں ہوگا۔'' وہ شدت سے میری بات رد کر کے بولا تھا۔

''ایسا ہی ہوگا تم ٹھہرے سدا کے پینٹر بے رنگ کاغذ اور کینوس میں رنگ بھر کے بھول جانے والے۔'' میں کھڑی ہوگئی تھی لوگ ہماری طرف متوجہ ہو رہے تھے لیکن مجھے پرواہ ہی کب تھی میں تو اپنے دل کے ہاتھوں مجبور تھی۔

''سچ بولو عبیر! کیوں دھتکار رہی ہو مجھے۔'' اس نے میری آنکھوں میں جھانک کر جیسے چھپی سچائی کو پڑھ لیا تھا۔

''سچ......'' میں طنز سے پھنکاری تھی۔

''تو پھر سنو! میں چاہتی ہوں کہ تم میری طلب میں تڑپتے رہو، جلتے رہو، پیاس سے سسکتے رہو، تم ٹھہرے مشینی دور کے روبوٹ نما آدمی محبت کا وصل تمہارے لیے زہریلا کینسر ہے آج کا مشینی انسان ہوگا ہجر کا درد تو سہہ لیتا ہے مگر وصل کے زہریلے کانٹوں کے ہاتھوں مارا جاتا ہے ہماری محبت اور چاہت کی موت وصول ہے میں اس محبت کو مارنا نہیں چاہتی۔

شاید میں خود غرض ہوں چاہتی ہوں کہ زندگی کی آخری سانس تک تمہارے دل میں خوشبو کی طرح رچی رہوں، ویسے بھی محبت اداس ہی اچھی لگتی ہے۔

''عبیر! تو نہیں اپناؤ گی تم مجھے۔'' وہ جیسے مایوسی کی اتھاہ گہرائی سے ابھر کر بولا تھا۔

''ہاں بہزاد احمد! ویسے بھی تم میری روح میں شامل ہو چکے ہو۔ مجھے موت سے ڈر نہیں لگتا بہزار محبت کے اس وصل سے ڈرتی ہوں جس کا حاصل ابدی محرومی اور خالی پن ہے۔ اس کے تاریک ہوتے چہرے کو بغور دیکھ کر میری نگاہیں اسٹاپ پر رکی بس پر ٹھہر گئی تھیں۔

''اچھا بہزاد! اب پلیز میرا پیچھا کبھی مت کرنا تمہیں اس محبت کا واسطہ۔'' جاتے جاتے میں پلٹ آئی تھی۔

''اور...... ہاں اب جی بھر کر مجھے دیکھ لو، میری نگاہ اب کبھی پلٹ کر نہیں آئے گی تمہاری طرف۔'' اس نے میرا چہرہ کھوجنے کے انداز میں دیکھا تھا۔

''عبیر! کیا یہ اس لیے کہہ رہی ہو کہ ہماری نگاہوں کا ٹکراؤ، محبت کے وصل نامی سمندر کو پکارتا ہے اچھا جاتے جاتے ایک سوال کا جواب تو دیتی جاؤ بتاؤ مجھے میری محبت کا حاصل کیا ہے۔ اور تمہاری محبت، تمہاری محبت کا حاصل؟'' میری آنکھوں میں نمی در آئی تھی اور دل...... تو زخمی پرندے کی سینے کی دیواروں سے ٹکریں مار رہا تھا، بین کر رہا تھا۔ ماتم کناں تھا۔

''اس سوال کا جواب تو لیلیٰ اور مجنوں ہی دے سکتے ہیں ان سے جا کر پوچھو کیا ہے محبت کا حاصل؟'' میں اسے جواب دیے بغیر بس میں سوار ہوگئی تھی۔

☆☆......☆☆

افسانہ

عائشہ شفقت

بٹیارانی

''بس بیٹا..... جب بھی ان سے بات کروں شادی کی تو صاف ٹال جاتے ہیں' یا پھر کام کا بہانہ بنا کر چلے جاتے ہیں۔ٹھیک ہے..... میری پسند سے نہیں تو کوئی اپنی پسند بتا دے مگر نہیں.....'' روبینہ بھی جیسے بیزار بیٹھی ہوئی تھی۔ اکیلے پن سے جھی.....

''مما جی! جب میں بڑا ہو کر ڈاکٹر بنوں گا ناں..... تو میں..... اتنا.....'' ذیشان نے اپنے ننھے بازوؤں کو پھیلاتے ہوئے کہا۔

''اتنا بڑا گھر لوں گا اور اس میں' میں آپ کے لیے اتنا بڑا کمرہ بناؤں گا اور اس میں سب کچھ رکھوں گا۔ آپ کے چپس' سپائیڈر مین' بین مین اور..... اور سب کچھ۔'' ذیشان نے بچکانہ سی خواہش ظاہر کی۔

''جی نہیں مما جی آپ صرف میرے پاس رہیں گی اور سب کچھ آپ کو میں لے کے دوں گا کیونکہ آپ صرف میری مما ہیں۔ صرف اور صرف میری مما۔'' امان نے بھی ماں کو اپنا منصوبہ بتایا۔

''مما جی..... آپ کسی کے بھی پاس نہیں رہیں گی صرف اور صرف میرے پاس رہیں گی آپ..... پتا ہے..... میں آپ کو..... ڈزنی لینڈ بھی لے کے جاؤں گا اور ہم پارک بھی جایا کریں گے اور..... آئس کریم بھی کھائیں گے اور میں آپ کو منع بھی نہیں کروں گا جیسے آپ مجھے آئس کریم کھانے سے منع کرتی ہیں۔'' عفان نے بھی ان ساری باتوں میں اپنا بھرپور کردار ادا کرتے ہوئے اپنی خواہش ظاہر کی اور ساتھ ہی معصومانہ شکوہ بھی کر دیا اور مما..... اپنے بچوں کی ان معصومانہ اور پیار سے بھرپور خواہشات کو مسکراتے ہوئے سن رہی تھیں اور اپنے آپ کو سب سے خوش قسمت ماں تصور کر رہی تھیں۔

''مما صرف میرے ساتھ رہیں گی۔''

''جی نہیں..... مما جی صرف میرے ساتھ رہیں گی۔''

''نہیں مما جی..... آپ نے صرف اور صرف میرے ساتھ رہنا ہے..... کیونکہ آپ صرف اور صرف میری مما ہیں..... ہیں نا.....؟''

جب یہ باتیں لڑائی کا روپ لینے لگیں تو مما نے بہت پیار سے سمجھاتے ہوئے کہا۔

''کیوں بھئی..... الگ الگ کیوں.....؟ میرے تینوں شہزادے بیٹے ایک ہی گھر میں رہیں گے اور پھر مما بھی تینوں کے ساتھ رہیں گی۔''

''ہاں ...... یہ ٹھیک ہے۔'' تینوں نے سوچتے ہوئے ہامی بھری۔

☆......☆......☆

روبینہ شاہد ...... چار بھائیوں کی اکلوتی اور سب سے چھوٹی بہن اور ہر ایک کی آنکھوں کا تارا ...... ماں باپ نے چار بیٹوں کے بعد بڑی منتوں اور مرادوں سے روبینہ کو پایا تھا۔ روبینہ تو جیسے ہر ایک کی آنکھ کا تارا تھی ایک گود سے اترتی نہیں تھی کہ دوسری حاضر ...... ہر ایک نے جی بھر کے نخرے اٹھائے۔ محاورۃً نہیں حقیقتاً کبھی پاؤں زمین پر نہیں پڑے۔ امیر ماں باپ کی بیٹی تھی اور اس پر اکلوتی ہر آسائش پلک جھپکتے میں اس کے پاس ہوتی۔ جوانی کی دہلیز پر قدم رکھتے ہی رشتے آنا شروع ہوگئے۔ اور پھر انہی رشتوں میں سے ایک اچھا رشتہ ڈھونڈ کر ہاں کردی گئی۔

عامر ایک اچھے اور پڑھے لکھے خاندان کا چشم و چراغ تھا۔ شکل و صورت بھی اچھی تھی اور اپنا کاروبار تھا۔ سو مستقبل بھی محفوظ تھا۔ چھان بین کے بعد ہاں کردی گئی۔ شادی کے چھ سال کے اندر روبینہ اور عامر کو اللہ نے تین دفعہ اپنی نعمت سے نوازا۔ گوکہ ابھی تک اُن کے آنگن میں رحمت نہ اتری تھی مگر بیٹوں کے ہوتے ہوئے بیٹیوں کا ہونا نہ ہونا کون اتنا محسوس کرتا ہے اور پھر یکے بعد دیگر بیٹوں کی آمد نے سسرال میں اس کے قدم بھی مضبوط کردیے تھے اور پھر پیسے کی بھی فراوانی تھی۔ سو الگ گھر لے کر اپنے شوہر اور تینوں بیٹوں کے ساتھ سکھ سے رہنے لگی۔

☆......☆......☆

''یا اللہ ...... اس دفعہ مجھے اپنی رحمت سے نواز دے۔ یارحمٰن مجھے اس دفعہ ایک بھی گڑیا ......

ایک پری عطا کر......'' ڈاکٹر نے چوتھی دفعہ جب اسے خوشخبری سنائی تو اس نے ایک دفعہ پھر امید کا دامن پکڑ لیا۔ اسے ایک بہن...... ایک دوست ایک ہمراز کی کمی بہت محسوس ہوتی تھی۔ جب جب ڈاکٹر نے اسے خوشخبری سنائی۔ تب تب اس نے رحمت کی آس کی لگائی مگر ہر بار نعمت ہی گھر آئی۔ اس بار تو اس نے ہر لمحہ دعا میں گزارا۔ نہ جانے کون کون سی سورتیں اور دعائیں پڑھی بیٹی کے لیے...... اور اللہ نے بھی اسے مایوس نہ کیا۔ جب روبینہ نے عرشبن کو گود میں لیا تو مانو اسے دو جہاں کی خوشیاں مل گئیں ہوں۔ جیسے اُس کی ساری دعائیں رنگ لائیں۔ تینوں بھائی بھی اسی ننھی گڑیا کو پا کر بہت خوش تھے۔ تینوں کو جیسے ایک نیا' جیتا جاگتا کھلونا مل گیا ہو۔ عرشبن تینوں بھائیوں کا من پسند نام تھا۔ جتنے ناز روبینہ کے اٹھائے گئے تھے اس سے کہیں زیادہ لاڈ عرشبن کے اٹھائے گئے۔

وقت گزرتا رہا اور چاروں بچے اسکول کی منازل طے کر کے کالج پہنچ گئے ذیشان نے میڈیکل کی فیلڈ اپنائی' امان نے انجینئرنگ کو ترجیح دی جبکہ عفان نے بزنس فیلڈ کو پسند کیا اور ان سب کی شہزادی عرشبن نے کمپیوٹر اسٹڈیز کو اپنے لیے موزوں سمجھا۔

ابھی عرشبن بی ایس سی کمپیوٹرز کر رہی تھی کہ اشعر کا رشتہ اس کے لیے آ گیا۔ اشعر عامر کے دوست کا بیٹا تھا اور ہر لحاظ سے بے مثال تھا۔ سو اس رشتے کے لیے فوراً ہامی بھرلی گئی۔ بھائیوں نے بھی ہر طرح سے اس کی شادی میں حصہ لیا۔ اپنی بہن کو سب کچھ دیا۔ شادی کا ہر فنکشن ہر طرح سے بے مثال تھا۔ سجاوٹ سے لے کر کھانے تک کسی چیز کی بھی کمی نہ تھی۔ جس نے بھی اس شادی میں شرکت کی مہینوں یاد کیا اور کیوں نہ کرتے...... آخر کو تین جوان اور کماؤ بھائیوں کی اکلوتی اور لاڈلی بہن جبکہ امیر ماں باپ کی چہیتی بیٹی کی شادی جو تھی۔ اسی طرح سب کے پیار اور دعاؤں کے ساتھ قرآن کے سائے تلے عرشبن پیا دیس سدھاری۔

☆......☆......☆

''امی...... اب تو میری شادی کو بھی سال ہونے کو آیا ہے! اب تو میرے بھابیاں لے آئیں۔'' عرشبن جب بھی میکے آتی' یہی کہتی اور اب تو اس کی شادی کو بھی سال ہونے والا تھا۔ عرشبن کی گود میں ایک ننھی گڑیا بھی کھلکھلانے لگی تھی۔

''بس بیٹا...... جب بھی ان سے بات کروں شادی کی تو صاف ٹال جاتے ہیں' یا پھر کام کا بہانہ بنا کر چلے جاتے ہیں۔ ٹھیک ہے...... میری پسند سے نہیں تو کوئی اپنی پسند بتا دے مگر نہیں......''

روبینہ بھی جیسے بیزار بیٹھی ہوئی تھی۔ اکیلے پن سے جبھی چھوٹتے ہی بیٹی کو شکایتیں کرنے لگیں۔ پہلے عرشبن کی شادی اور پھر شوہر کی حادثاتی موت کے بعد تو روبینہ بیگم کو گھر کاٹنے کو دوڑتا۔ ایک بیٹا ڈاکٹر تھا' آدھی آدھی رات تک غائب جبکہ باقی دو...... نظر تو آ جاتے مگر ہمیشہ ہوا کے گھوڑے پر سوار......

چھوڑیں ان کی مرضی...... آپ لڑکیاں دیکھیں' جب بات پکی ہو جائے گی تب وہ انکار نہیں کریں گے۔ اتنا تو میں اپنے بھائیوں کو جانتی ہوں۔''

''اچھا...... ٹھیک ہے...... پھر میں بھی دیکھنا شروع کرتی ہوں۔ تمہارے آس پاس بھی کوئی لڑکی نظر میں ہو تو بتانا مجھے۔'' روبینہ بیگم نے بھی سوچتے ہوئے ہامی بھرلی۔

☆......☆......☆

ویسے تو روبینہ بیگم کے دل میں بھی بہو لانے کے بہت ارمان تھے مگر بیٹوں کی وجہ سے چپ تھیں۔ مگر اب ...... جب بیٹی بھی بھرپور طریقے سے ساتھ دے رہی تھی تو انہوں نے بھی بہت شوق سے بہو ڈھونڈنے کی مہم شروع کر دی۔ ہر ماں کی طرح وہ بھی اپنے شہزادے کماؤ بیٹوں کے لیے چندے آفتاب چندے مہتاب بہو لانے کے کئی ارمان دل میں چھپائے رکھے تھیں۔ جو اب ایک ایک کر کے باہر آ رہے تھے۔ مگر ظاہر ہے اس دنیا میں کبھی کوئی ایسی لڑکی پیدا نہیں ہوئی جو کہ ایک لڑکے کی ماں کی نظر میں حور پری ہو......

سو...... انہوں نے بھی چندے آفتاب چندے مہتاب کی ضد چھوڑ کر صرف خوبصورت ہونے پر اکتفا کیا۔ اور جیسا کہ عرشین نے کہا تھا۔

''لڑکی ڈھونڈنے کے بعد بھائیوں کو منانا مشکل نہ ہوگا۔'' صحیح ثابت ہوا لڑکی دیکھنے کے بعد لڑکے بھی منع نہ کر سکے۔ کیسے منع کرتے...... ماں بھی تو ڈھونڈ کر 'صرف خوبصورت' لڑکیاں لائی تھی۔ وہ الگ بات کہ اسٹیٹس میں وہ بھی کسی طور کم نہ تھیں۔

تین سے چار سال کے عرصے میں روبینہ بیگم نے تینوں بیٹوں کی شادیاں کر دی۔ عرشین اور روبینہ بیگم نے تینوں کی شادیوں میں اپنے دلوں کے ارمان جی بھر کر پورے کیے۔

چند سال تو روبینہ بیگم اپنے تینوں بیٹوں اور بہوؤں کے ساتھ ایک ہی چھت تلے رہیں۔ ان چند سال کے عرصے میں روبینہ بیگم کے تینوں بیٹوں کو اللہ نے صاحب اولاد کر دیا۔ روبینہ بیگم اپنے تینوں بچوں کی خوشیاں دیکھ کے بہت خوش تھیں۔ ان کے خیال کے مطابق ان کے تینوں بیٹے صدا ان کے ساتھ ایک ہی چھت تلے رہیں گے مگر...... ان کی بہوؤں کو کچھ اور ہی منظور تھا۔

آہستہ آہستہ گھر میں الگ الگ گھر میں رہنے کی چہ مگوئیاں شروع ہوگئیں۔ تینوں ہی اچھے حال میں تھے' الگ گھر افورڈ کر سکتے تھے سوذیشان نے باپ کے گھر کو فوقیت دی جبکہ امان اور عفان نے دوسری جگہ پر الگ گھر لے لیے۔ جہاں تک روبینہ بیگم کی رہائش کا معاملہ ہے تو ان کی رہائش کا ذمہ ذیشان نے اٹھایا۔

☆......☆......☆

''بس کریں ذیشان! اب میں مزید آپ کی امی کو برداشت نہیں کر سکتی۔ ہر آنے جانے پر نظر...... ایسے نہ چلا کرو...... ویسے نہ کیا کرو...... وہ کیوں آیا تھا...... وغیرہ وغیرہ بس اب میں نہیں رہ سکتی ان کے ساتھ...... آپ انہیں امان بھائی کے گھر بھیج دیں۔'' یہ ان کی بڑی بہو کی آواز تھی۔ وہ بہو جیسے وہ بہت محبت اور اپنائیت سے بہت ارمانوں کے ساتھ اس گھر میں بیاہ کر لائیں تھیں۔ اس امید پر کہ بڑی بہو اچھی ہوگی تو گھر کو باندھ کر رکھے گی' رشتوں کی قدر کرے گی مگر وہ تو انہیں دودھ میں سے مکھی کی طرح نکال کر پھینکنا چاہ رہی تھی۔

''بس بھی کرو اب...... اچانک منہ اٹھا کر تو نہیں کہہ سکتا نا کہ گھر چھوڑ جاؤ۔ کچھ موقع محل دیکھ کر ہی کہوں گا نا......'' ذیشان نے کچھ چڑتے ہوئے جواب دیا اور باہر کھڑی روبینہ بیگم کے اندر کچھ چھن کر کے ٹوٹا...... شاید وہ مان ٹوٹا تھا جو انہیں اپنے بیٹے اور اپنی تربیت پر تھا۔

''جو بھی ہو...... بس انہیں ایک ہفتے کے اندر اندر یہاں سے نکالیں' ورنہ میں بچوں کو لے کر میکے چلی جاؤں گی۔'' بہو بیگم تو پیر پٹختے ہوئے وہاں سے چلی گئی مگر روبینہ بیگم ہارے قدموں اور

جھکے کندھوں سے واپس کمرے میں آ گئیں مگر پھر بھی...... ایک آس...... ایک امید دل میں تھی کہ یہ تو مجھے سب سے بڑے گھر میں رکھنے کا خواہشمند تھا تو پھر بھلا کیسے نکالے گا۔

☆......☆......☆

''امی...... آپ سے ایک بات کرنی ہے۔'' ذیشان نے کچھ ہچکچاتے ہوئے کہا۔

''ہاں...... ہاں بیٹا بولو۔'' روبینہ بیگم نے ڈرتے ڈرتے کہا۔ سارا دن ماں کو خصوصی توجہ دی اور پھر اب رات کو نہایت آرام اور پیار سے بات کرنے سے پہلے روبینہ بیگم کو اندازہ تو ہو گیا تھا۔ آخر کو ماں تھیں۔ مگر پھر بھی ذرا سی امید تھی کہ نہیں...... وہ گھر سے نہیں نکال سکتا۔

''امی...... امی آپ...... آپ امان کی طرف چلی جائیں۔'' یہ الفاظ کسی ہتھوڑے کی طرح روبینہ بیگم کے سر پر پڑے۔ انہیں یکدم وہ بچکانہ بحث یاد آ گئی جس میں وہ انہیں سب سے بڑے گھر میں رکھنے کا خواہشمند تھا اور بھائیوں سے لڑ رہا تھا۔ یہ بات یاد آتے ہی اُن کی آنکھیں آنسوؤں سے لبالب بھر گئیں۔

''پلیز امی...... سمجھنے کی کوشش کریں۔ اگر آپ یہاں رہیں تو...... تو میرا گھر خراب ہو جائے گا۔ اور میں اپنے بیوی بچوں کے بغیر اس ادھورے گھر میں نہیں رہ سکتا۔'' ذیشان نے ذرا اکھڑے اور مجبور لہجے میں کہا۔

روبینہ بیگم...... کہنا تو بہت کچھ چاہتی تھیں اسے بہت کچھ یاد دلانا چاہتی تھیں اس سے کہنا چاہتی تھیں کہ اگر تم اپنے بچوں کے بغیر نہیں رہ سکتے تو میں کیسے رہوں گی۔ مگر کہا تو بس اتنا 'ٹھیک ہے بیٹا...... میں سامان باندھ لوں گی صبح چھوڑ آنا۔'

☆......☆......☆

''اماں جی آپ...... یہاں......؟'' ساس کو جینھ اور سامان کے ساتھ دیکھ کر بہو بیگم کے ماتھے پر ناگوار شکن ابھری۔

''کون ہے بھئی...... نہ سلام...... نہ دعا...... بس باہر ہی کھڑے رکھنا ہے یا اندر بھی بلاؤ گی اسے جو آیا ہے۔'' اندر سے امان بولتا ہوا آیا تو ماں اور بھائی کو دیکھ کر چونک گیا۔

''السلام علیکم اماں جی...... السلام علیکم بھائی جان...... آئیں نا...... اندر آئیں۔'' امان نے اپنے حواس بحال کرتے ہوئے کہا۔

''کیسے ہیں بھائی آپ...... بھابی اور بچے کیسے ہیں؟'' امان نے سب کا حال احوال پوچھا۔

''ٹھیک ہیں سب' تم سناؤ۔''

''الحمدللہ...... سب ٹھیک ٹھاک...... خیریت صبح صبح اِدھر آنا ہوا۔'' امان نے حال احوال کے بعد چھوٹتے ہی سوال کیا۔

''ہاں یار...... خیریت ہی ہے...... یار وہ......

Please Give Me A Favour

دراصل ہمارے گھر میں رینویشن کا کام چل رہا ہے تو اماں کو مسئلہ ہو گا پلیز کچھ دن اماں کو اپنے گھر میں رکھ لو۔'' ذیشان نے ذرا ہچکچاتے ہوئے ایک جھوٹا بہانہ پیش کیا ماں کو گھر میں نہ رکھنے کا......

''جی بھائی...... ضرور...... اماں جی کی خدمت کرنے کا...... اُن کی دعائیں لینے کا حق تو ہمارا بھی ہے۔'' بیوی کی گھوریوں کے باوجود امان نے ہامی بھر لی۔

☆......☆......☆

''کیا ضرورت تھی خوامخواہ کی مصیبت مول لینے کی...... میں آپ کو بتا رہی ہوں میں زیادہ عرصے تک برداشت نہیں کروں گی آپ کی اماں

محترمہ کو۔'' اماں کی بیگم کمرے میں آتے ہی امان پر برس پڑیں۔

''کیا مسئلہ ہے یار..... جیسے ہی امان بھائی کے گھر کا کام ہو جائے گا وہ آ کر اماں جی کو واپس لے جائیں گے۔ کچھ دن کی ہی تو بات ہے..... پلیز..... میری خاطر۔'' امان نے بھی ذرا سمجھانے والے انداز میں کہا اور آخر میں اپنا پیار دکھا کے منانے کی بھی کوشش کی آخر کو وہ اُس کی بیوی اور دو بیٹوں کی ماں تھی۔

''ٹھیک ہے..... مگر صرف چند دن یا پھر کچھ عرصہ..... زیادہ نہیں۔'' یہاں کمرے میں ماں کے اس گھر میں رہنے کے دن گنے جا رہے تھے جبکہ دوسری طرف ماں پھر سے بیٹے پر بھروسا کر بیٹھی۔

''دیکھو تو ذرا..... ذیشان نے کیسے مجھے گھر سے نکال دیا جبکہ امان تو میرا شہزادہ بیٹا ہے بیویوں کی تیوریوں کی ذرا جو پرواہ کی ہو..... سچ ہے..... سب جورو کے غلام نہیں ہوتے۔ امان تو مجھے گھر سے نکال ہی نہیں سکتا۔'' اپنے آپ سے باتیں کرتے ہوئے اور خود کو امان کی محبت کا یقین دلاتے ہوئے کب وہ نیند کی وادیوں میں کھو گئی۔ پتا ہی نہیں چلا۔

☆.....☆.....☆

کچھ عرصے تک تو بہو بیگم نے اماں جی کو مہمان سمجھ کر آرام و سکون دیا۔ اچھے سے خدمت کی مگر جیسے جیسے وقت گزرتا گیا۔ بہو رانی کے ماتھے کی تیوریوں اور زبان میں کڑواہٹ کا بھی اضافہ ہوتا گیا۔ اور پھر..... ایک دن انہوں نے دوبارہ سے وہی سب سنا جو سن کر انہیں لگا تھا کہ دوبارہ سنیں گی تو مر جائیں گی۔''

''بس امان..... میں اب میں مزید اس بن بلائی مہمان کو برداشت نہیں کر سکتی۔ کتنا وقت گزر

محبتوں کے جزیروں پر اترنے والوں

محبتوں کے جزیروں پر
اُترنے والوں
ذرا سنبھل کر قدم رکھنا
یہاں تتلیوں، گلابوں، موتیوں کی
کہکشاں نہیں ہے
محبتوں کے جزیروں پہ
اُترنے والوں
یہاں جب تم قدم رکھنا
تو سوچ لینا
یہاں خوش گلوں پرندوں کی
بولیاں نہیں ہیں
محبتوں کے جزیروں پر
اترنے والوں
جب تم اپنے خوابوں اوڑھو
تو جان لینا
یہاں تو ٹوٹے ہوئے خوابوں کی کرچیاں ہیں
راہ جنوں کے مسافروں کے
لہولہان قدموں کے نشان ہیں
مگر اے محبتوں کے مسافروں
راہ کی کٹھنائیوں سے گھبرا کر
محبتوں کے جزیروں پر اُترنے کا
ارادہ ترک مت کرنا
راہ جنوں کے مسافروں کے
قدموں کے نشانوں پر
قدم رکھنا
ازل سے ابد تک پھیلے آسماں پر
پرندوں کے ساتھ اڑنا
نئے سمندروں، نئی وسعتوں کی کھوج کرنا
نئے ارادوں، نئے خوابوں کی کاشت کرنا

شاعرہ: نشاط خان

گیا اور ذیشان بھائی نے پلٹ کر حال تک نہیں پوچھا اماں جی کا...... جھوٹ بول رہے تھے وہ کہ گھر میں رینویشن کا کام چل رہا ہے۔ گھر سے نکالا تھا انہوں نے اماں جی کو...... اور میں آپ کو بتا رہی ہوں میں زبردستی گلے میں پڑا ڈھول نہیں بجاؤں گی۔ اگر اماں مزید اس گھر میں رہیں تو میں بتا رہی ہوں دوسری بیوی ڈھونڈ لیں آپ۔'' منجھلی بہو نے تو بڑی کو بھی پیچھے چھوڑ دیا۔

''کیا ہو گیا ہے یار...... پہلے تو جب اماں ملنے آتیں تھیں تب تو تم بہت اچھے سے ملتی تھیں اور......''

''دور کے ڈھول سہانے میاں جی...... زبردستی گلے میں پڑا ڈھول نہیں بجا سکتی میں...... اور ہاں...... ایک ہفتے کے اندر اندر اماں جی کا بندوبست کریں ورنہ مجھے امی کی طرف چھوڑ آئیں۔'' بیگم صاحبہ میاں کو وارننگ دے کر پاؤں پٹختی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔

یہ سب سن کر چپ چاپ کمرے میں آ کر وہ سامان باندھنے لگیں۔ اب ان میں ہمت نہیں تھی کہ دوبارہ گھر سے نکالے جانے کا دکھ سہتیں۔

اگلی صبح وہ سامان باندھے امان کے پاس چلی آئیں اور کہنے لگیں۔

''بیٹا مجھے عفان کے گھر چھوڑ آؤ۔ بہت یاد آ رہی ہے اُس کی۔'' اب کے انہوں نے خود ہی گھر چھوڑنے کا بہانہ بنا لیا۔

''ٹھیک ہے اماں جی...... مگر آپ پہلے ناشتہ تو کر لیں۔'' دبی دبی سی خوشی کے ساتھ بہو بیگم نے یکدم میٹھے لہجے میں کہا۔

''ہاں بہو...... آخری ناشتہ تو بنتا ہے ناں......'' اماں جی نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

ناشتہ کر کے امان نے سامان گاڑی میں رکھا اور ماں کو بٹھائے عفان کے گھر کی طرف گاڑی موڑ لی اور ماں...... سارے راستے ایک ہی کسک لیے بیٹھی رہیں۔'' امان نے ایک بار بھی...... جھوٹے منہ بھی نہیں روکا مجھے...... کیا بیوی ماں سے بھی پیاری ہوتی ہے؟''

عفان کے گھر تو سب کچھ اچھا رہا۔ بیٹے بہو نے تو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ خوب اچھا سا ویلکم کیا گیا اور اماں جی کو تو جیسے یقین ہو گیا کہ دو بہویں تو میں غلط لے آئی۔ دو دفعہ تو میرا فیصلہ غلط ہو گیا مگر...... تیسرا فیصلہ میں نے بالکل ٹھیک کیا۔

بہو بیٹا اور دونوں پوتے تو ان کے آگے پیچھے گھوم رہے تھے۔ خوب آؤ بھگت ہوئی۔ کچھ عرصے تک تو چھوٹی بہو نے بھی ناز اٹھائے۔ مگر آہستہ آہستہ وہ بھی دونوں بڑی بہوؤں کے نقشِ قدم پر چلنے لگی۔

اس دن جب روبینہ بیگم بہو سے کچھ بات کرنے جا رہی تھیں کہ اچانک دروازے پر ہی رک گئیں اندر سے باتوں کی آواز آ رہی تھی۔

''کیا کروں میں امی...... یہ بڑھیا تو میرے گھر میں چپک ہی گئی ہے' کیسے باہر نکالوں۔'' بہو بیگم اپنی ماں سے ساس کے بارے میں بات کر رہی تھی۔

''میں تو سمجھ رہی تھی کہ دو دن کی مہمان ہے' بوریا بستر سمیٹ کر چلتی بنے گی مگر......'' چند لمحے خاموش رہی بہو بیگم شاہدا اپنی ماں کی ہدایتیں سن رہی تھی۔ چند لمحے کے توقف کے بعد بہو کی آواز پھر گونجی۔

''ہاں تو مجھے کیا پتا تھا کہ دونوں کے گھروں سے نکالی گئی ہے اور کوئی ٹھکانہ نہیں ہے۔ مجھے کیا پتا تھا کہ مسلسل ڈیرا ڈالنے کا ارادہ ہے۔'' روبینہ بیگم میں اس سے زیادہ سننے کی سکت نہ تھی سو نوٹے

قدموں سے کمرے میں واپس آگئیں اور بہو بیگم اس بات سے انجان کے کسی گھر میں اس کی ماں کے بارے میں بھی کچھ ایسی باتیں ہو رہی ہیں' اپنی ساس کے بارے میں مسلسل بولے چلی جا رہی تھی۔

☆......☆......☆

یہ چند دن بعد کی بات ہے جب بیٹے بہو کے کمرے کے آگے سے گزرتے ہوئے ایک بار پھر ان کے قدم ٹھٹک گئے۔ وہ پانی لینے کے لیے کچن میں جا رہی تھیں جب بہو کی آواز نے ان کے قدم جکڑ لیے۔

''عفان...... مجھے ایک بات کا سچ سچ جواب دیں۔ آپ کی ڈیئر مدر کب تک میرے سر پر چڑھی رہیں گی۔ مجھ میں ہمت نہیں دن رات آپ کی امی کے چاؤ چونچلے اٹھانے کی۔ ہر بات میں بچپنا کرتی ہیں۔ یہ عمر ہے اُن کی نخرے اٹھوانے کی...... بس...... صبح ہوتے ہی انہیں یہاں سے چلتا کریں، حد ہوتی ہے۔ دونوں نے نکال دیا تو آگئیں میرے سینے پر مونگ دلنے......'' عفان کو حکم دینے کے بعد بھی بہو بیگم کی بڑبڑاہٹیں تھمنے میں نہیں آ رہی تھی۔

''او کے سویٹ ہارٹ...... ایزیو وِش...... بس اپنا موڈ مت خراب کرو۔ صبح ہوتے ہی انہیں کسی اولڈ ہوم میں چھوڑ آؤں گا' او کے؟''

یہ سب سے لاڈلا اور چہیتا بیٹا تھا جس نے دونوں بھائیوں کو میلوں دور چھوڑ دیا تھا اس معاملے میں...... روبینہ بیگم لاش کی طرح لڑکھڑاتے قدموں سے کمرے میں آئی اور ریت کی دیوار کی طرح ڈھے گئیں۔ سامان باندھتے ہوئے وہ یہی سوچتی رہیں۔

''جن بیٹوں کو اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ دیا' اپنی ہر خوشی قربان کر دی' جنہیں سیسے کی مانند مضبوط بنایا انہوں نے ہی مل کر مجھے ریت کی دیوار کی طرح ڈھا دیا۔ کیا اسی دن کے لیے مانگا جاتا ہے بیٹا کہ جب جوان ہو کر اسے اپنے ماں باپ کا سہارا بننا ہوتا ہے وہ انہیں ہی ڈھا دیتا ہے۔'' انہیں سوچوں کے ساتھ انہوں نے سامان باندھا اور نہایت خاموشی سے گھر سے نکل آئیں۔ ذہن میں عجیب اتھل پتھل تھی۔ غائب دماغی سے چلتے ہوئے وہ سامنے آتی گاڑی دیکھ نہ سکیں اور گاڑی سے ٹکرا گئیں۔ آنکھ کھلی تو خود کو اسپتال کے بستر پر پایا۔ ان کے سرہانے اُن کی اکلوتی شہزادی عرشین بیٹھی تھی۔ اس کی آنکھوں سے مسلسل آنسو بہہ رہے تھے۔

''عرشی...... بیٹی......'' روبینہ بیگم نے تھکے لہجے اور نحیف آواز میں اُسے پکارا۔

''امی...... امی کیسی ہیں آپ......؟'' عرشین اُٹھ کر یکدم ماں کے گلے لگنے لگی پھر اچانک رک گئی۔

''کیا ہوا؟'' روبینہ بیگم نے اسے گلے لگانے کے لیے بانہیں پھیلائی مگر اس کے اچانک رُکنے سے پریشان ہو کر پوچھنے لگی۔

''ناراض ہوں میں آپ سے امی...... حد ہوتی ہے، ہمیں تو ہمیشہ یہی بتایا کہ رات میں اکیلے باہر نہیں جاتے اور آپ...... نکل پڑی سامان باندھ کے' اور وہ بھی رات کے گیارہ بجے۔'' عرشین نے محبت بھرے غصے میں کہا اور پھر سے رونے لگی۔

''کچھ ہو جاتا اگر آپ کو تو میں کیا کرتی۔ وہ تو اچھا ہی ہوا کہ آپ اشعر کی گاڑی سے ٹکرائیں۔ اگر کوئی اور ہوتا تو رات کے اس پہر وہیں چھوڑ آتا' پھر میں کہاں کہاں ڈھونڈتی آپ کو...... آخر ایسا کیا ہوا جو آپ اس وقت سامان باندھ کے نکل پڑیں۔ کم از کم مجھے ہی فون کر دیا ہوتا۔''

''بس بیٹا وہ...... ''روبینہ بیگم نے بھری ہوئی آواز میں اپنے بیٹوں کے کارنامے سنائے۔

''امی......'' عرشبن نے بھرائی ہوئی آواز میں ماں کو مخاطب کیا۔

''امی اتنا کچھ ہوگیا اور آپ نے مجھے بتانا بھی مناسب نہیں سمجھا۔'' میں زندہ ہوں ابھی...... جب آپ کو ذیشان بھائی نے نکالا تھا' آپ تب ہی میرے گھر آجاتیں' کیا ضرورت تھی باقی دونوں کو آزمانے کی......''

''بس بیٹا...... قسمت میں یہ دکھ برداشت کرنا لکھا تھا۔'' روبینہ بیگم نے سب کچھ جیسے قسمت کا لکھا جان کر بھلانے کی کوشش کی۔

''بس امی...... اب آپ جلدی سے ٹھیک ہوجائیں اور اب سے آپ میرے گھر رہیں گی۔ آپ کو پتا ہے اشعر بھی آپ سے ناراض ہیں وہ کہہ رہے ہیں کہ آپ نے کہنے کو تو انہیں بیٹا کہہ دیا مگر کبھی سمجھا نہیں۔ چلیں اب آپ جلدی سے ٹھیک ہوجائیں۔

☆......☆......☆

''حد ہوتی ہے بھائی...... آپ تینوں میں سے کسی میں ذرا بھی شرم باقی ہے یا بیویوں کو منہ دکھائی میں دے دی۔'' روبینہ بیگم کو گھر لانے کے بعد عرشبن نے تینوں بھائیوں کو گھر بلا کر کلاس لینا شروع کی۔

''اس طرح امی کو گھر سے نکالتے ہوئے ذرا شرم نہ آئی۔''

''کیوں عرشبن بیگم...... شرم کس بات کی؟'' یہ سب سے بڑی بھابی کی آواز تھی۔

''ویسے...... یہ تمہاری بھی تو ماں ہے صرف اپنے بیٹوں کی ہی تو نہیں...... اور بیٹوں نے ٹھیکا تو نہیں لیا ہوتا ساری زندگی ماں کو برداشت کرنے کا۔'' بڑی بھابی بول کے چپ ہوئی تو منجھلی بھابی نے بھی پوری طرفداری کی۔

''اور نہیں تو کیا...... ماں صرف بیٹوں کی ہی تو نہیں ہوتی اور تم بھی تو اکلوتی بیٹی ہو اپنی ماں کی...... خود ہی سنبھال لو اپنی ماں کو اگر اتنا ہی درد اٹھ رہا ہے تو......''

''بس بھابی...... ٹھیک ہی کہا ہے آپ نے ماں تو میری بھی ہے مگر آپ لوگ......'' عرشبن نے سب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''آپ لوگ ایک بات جان لیں ماں کبھی بیٹوں کی نہیں ہوتی اور اگر ہوتی بھی ہے تو صرف تب تک جب تک وہ بیٹوں سے شوہر نہیں بنتے' شوہر بن کے وہ اپنی ماں سے اپنا ہر رشتہ خود ختم کردیتے ہیں اور ماں...... ماں اپنے بیٹوں کے سہارے ایک کونے میں پڑی رہتی ہے۔ آپ لوگوں سے تو میری ماں کا ایک کونے میں رہنا بھی برداشت نہ ہوا۔''

''اب امی میرے گھر میں رہیں گی اور میں بتاؤں آپ کو کہ ماں کس کی ہوتی ہے۔ مگر آپ لوگ ابھی سے اپنا بندوبست کرنا شروع کردیں۔'' عرشبن کی اس بات پر سب نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''سوچ لیں کہ آپ نے کہاں رہنا ہے اس عمر میں...... کل کو تو آپ نے بھی اس عمر میں آنا ہے۔ پھر آپ کو کون رکھے گا' بیٹے تو ہرگز نہیں رکھیں گے' کیونکہ آپ تینوں لاوارث ہیں...... پتا ہے کیوں......'' عرشبن استہزائیہ انداز میں ہنسی۔

''کیونکہ آپ کی کوئی بیٹی نہیں ہے۔'' جاتے ہوئے عرشبن وہاں کھڑے ہر انسان کے لیے ایک بہت بڑا سوالیہ نشان چھوڑ گئی۔

☆☆......☆☆

افسانہ

ہمارا ؤ

کربِ آگہی

''آپی! مجھے یہ رشتہ منظور نہیں۔'' ثناء کے چلانے کی آواز سن کر خرم چونکا۔ ''کیوں؟ پاگل ہوگئی ہو کیا؟'' حنا نے ڈانٹا۔ ''آپی! میری بھی کوئی مرضی اور خوشی ہے۔ مجھے فری کے بھائی پسند ہیں۔ وہ کل رشتہ لے کر آئیں گے۔'' ''اور بھائی جان کا کیا......

وہ تین بہنوں سے بڑا تھا۔ ماں باپ کو بہت عزیز تھا۔ بہنیں بھی اُس سے بہت پیار کرتی تھیں۔ لیکن خرم صرف پیار لینا جانتا تھا دینا نہیں۔ تینوں بہنوں پر اُس کا بہت رعب تھا۔

وہ بلاوجہ مخاطب ہونے کی جرأت نہیں کیا کرتی تھیں۔ وہ خود صرف کام کے لیے ہی اُن سے بات کرتا تھا۔

''صبا پانی لادو...... حنا جلدی سے کھانا دو...... ثناء میرے کپڑے استری کردو۔'' اور وہ تینوں بمع کام بھائی کے سامنے حاضر ہو جاتیں۔ خرم کے مزاج میں بہت سنجیدگی تھی۔

یہ نہیں تھا کہ ہروقت غصہ اُس کی ناک پر سوار رہتا تھا۔ بس اُس کی شخصیت ہی رعب دار تھی۔ بہنیں اور دوست احباب مرعوب رہتے۔

وہ بی کام کر کے آج کل فارغ تھا اور اپنے رزلٹ کا انتظار کر رہا تھا۔ اُن کے ابا لیاقت علی کا جنرل اسٹور تھا۔ تین کمروں کا اپنا گھر تھا۔ اتنی آمدنی ہو جاتی تھی کہ سفید پوشی کا بھرم رہ جاتا، خرم کی والدہ اور بہنیں بہت صابر اور قناعت پسند واقع ہوئی تھیں۔

تینوں بہنوں کو جو کھانے کو مل جاتا کھا لیتیں جو پہننے کو مل جاتا پہن لیتیں غرض جیسے بھی حالات ہوں خوش رہا کرتیں۔ البتہ خرم کی تمام تر خواہشات پوری کی جاتیں۔ تینوں بہنوں نے کبھی ازخود کوئی فرمائش نہیں کی تھی۔ خرم کو جو بھی چاہیے ہوتا فوراً اپنی والدہ سے کہہ دیتا اور وہ پوری کر دیتیں۔

''امی! مجھے موٹر سائیکل چاہیے۔'' ایک دن اچانک ہی خرم نے فرمائش کر دی۔

جواباً وہ کچھ دیر خاموش رہیں کیونکہ یہ ایسی خواہش تھی۔ جنہیں وہ پوری کرنے سے قاصر تھیں۔ اب تک تو وہ ہزار دو ہزار دے کر مسرور ہو جاتیں تھیں۔ اتنے پیسے تو اُن کے پاس ہوا کرتے تھے لیکن اب موٹر سائیکل لینے کی ہمت تو لیاقت علی میں بھی نہ تھی۔ یہ نہیں تھا کہ ان کے پاس کچھ بھی جمع پونجی نہ تھی۔

انہوں نے ایک ڈیڑھ لاکھ جمع کیے تھے لیکن وہ بیٹیوں کے لیے رکھے تھے۔ صبا حنا کی نسبت خاندان میں ہی چچازاد سے طے تھی اور وہ دونوں سعودیہ میں اے سی مکینک تھے۔ وہ کبھی بھی آ سکتے تھے اور اُن کے آتے کے بعد صبا اور حنا کی شادی کرنی تھی۔

بے شک شادی سادگی سے کرنے کا پروگرام تھا۔ لیکن پھر بھی بیٹیوں والے تھے خالی ہاتھ تو رخصت نہیں کر سکتے تھے۔

''بیٹا! میں تیرے ابو سے بات کروں گی۔'' انہوں نے دھیمے سے لہجے میں شرمندہ ہوتے ہوئے کہا۔

''امی...... مجھے جلدی چاہیے۔'' خرم قطعیت سے کہتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

شام کو کچے صحن میں چارپائی پر لیاقت علی سکون سے کھانا کھا رہے تھے۔ قریب ہی فردوس بیٹھی حسب معمول اِدھر اُدھر کی باتیں کر رہی تھیں۔ جب ہی فردوس کو خرم کی نئی فرمائش یاد آ گئی۔

''خرم کہہ رہا تھا اُسے موٹر سائیکل چاہیے۔'' لقمہ لیتے لیاقت علی کا ہاتھ رُک گیا۔ یہ کیسی فرمائش اُن کے عزیز جان بیٹے نے کر دی تھی، جسے پوری کرنے کی ان میں استطاعت نہیں تھی۔

''فردوس! موٹر سائیکل کے لیے تو کافی پیسے چاہیے ہوں گے۔'' ان کے چہرے پر تفکر نمایاں تھا۔

''یہ ہی تو مسئلہ ہے۔'' فردوس پریشانی سے گویا ہوئیں۔

''میرے پاس جو پیسے ہیں وہ تو صبا اور حنا کے لیے رکھے ہیں۔'' انہوں نے سوچتے ہوئے کہا۔

''ابو! آپ بھائی جان کو موٹر سائیکل دلا دیں۔'' صبا نے کہا۔

''اور کیا ایک ہی تو بھائی جان ہیں ہمارے۔''

حنا کے لہجے میں محبت ہی محبت تھی۔ لیاقت علی اور فردوس نے فخر سے اپنی صابر و شاکر بچیوں کو دیکھا۔

یوں اگلے دن ہی خرم نئی موٹر سائیکل پر اپنے دوستوں کے ساتھ ہواؤں میں اڑ رہا تھا۔

محلے میں، خاندان میں دوستوں اور کزنز نے اُسے رشک سے دیکھا کیونکہ اُس نے ایک دن میں ہی اپنی بات منوالی تھی۔ خرم پہلے سے زیادہ مغرور دکھائی دینے لگا۔

''صبا آپی! دل چاہ رہا ہے بھائی جان کے ساتھ موٹر سائیکل پر فری کے گھر جاؤں اور واپسی میں آئس کریم کھاؤں۔''

ثنا بولی۔

''تمہارا دل تو فضول ہی چاہتا ہے۔'' صبا ہنسی۔

''اس میں فضول کی کیا بات ہے۔'' ثنا خفا ہوئی۔

''بھائی جان کے پاس فالتو وقت نہیں ہے تمہارے لیے، کہ تمہیں تمہاری دوستوں کے گھر لے کے جائیں اور پھر موٹر سائیکل پر گھماتے ہوئے آئس کریم کھلاتے ہوئے لائیں۔'' حنا نے چھیڑا۔

''فری کے بھائی بھی تو ہیں وہ ہمارے گھر سے فری کو لے کے جاتے ہیں واپسی میں آئس کریم بھی کھلاتے ہیں۔''

ثنا بضد تھی۔

''اُس کا بھائی فضول، چھچھورا ہوگا۔ بھائی جان کی طرح سنجیدہ مزاج نہیں ہوگا۔'' صبا نے کہا۔

''جی نہیں! فری کے بھائی اُس سے محبت کرتے ہیں۔ فری سب بہن بھائیوں میں چھوٹی جو ہے۔'' ثنا نے چڑ کے کہا۔

''چھوٹی تو تم بھی ہو۔'' حنا نے یاد دلایا۔

''ہاں لیکن یہاں تو مجھ سے کوئی پیار ہی نہیں کرتا۔'' ثنا اُداس ہوئی۔

''آئس کریم میں تمہیں منگوا دیتی ہوں فری کے گھر تم حنا کے ساتھ چلی جانا۔'' صبا نے اُسے بہلانا چاہا۔

''نہیں' میرا موٹر سائیکل پر بیٹھنے کا دل چاہ رہا ہے۔'' ثنا بولی۔

''بی کام پاس کرنے کے بعد وہ اب ایم کام کر رہا تھا اور گھر والے پہلے سے زیادہ مرعوب تھے۔ وہ زیادہ تر کمرا بند کیے پڑھتا رہتا اور بہنیں ہر آسائش کا خیال رکھا کرتیں۔

ان ہی دنوں لیاقت علی کے دونوں بھتیجے سعودیہ سے واپس آ گئے۔ لیاقت علی اور فردوس کی نیندیں اڑ گئیں۔

چار ماہ میں دو شادیاں کیسے ہوں گی؟'' انہیں فکروں نے آ گھیرا تھا۔ خرم تمام حالات سے بے نیاز اپنی تمام تر توجہ پڑھائی پر مرکوز کیے ہوئے تھے۔

''کچھ پیسے میں بھائی جان سے مانگ لیتی ہوں، چالیس ہزار تک مل جائیں گے اور فیروز

بھائی کہہ رہے تھے واشنگ مشین استری اُن کی طرف سے ہوں گی۔ ابو ڈنر سیٹ کا کہہ رہے تھے۔ اور نگین کپڑوں کا کہہ گئی ہے۔'' لیاقت علی نے اپنی چھوٹی بہن کا نام لیا۔

''بس! پھر تو اللہ مسبب الاسباب ہے۔'' فردوس مطمئن ہوئیں۔

اور یوں درمیانے درجے کی شادیاں ہوگئیں۔ لیاقت علی اور فردوس بہت خوش تھے۔ البتہ حنا اور صبا بہت رنجیدہ تھیں۔ خرم بھائی انہیں بہت یاد آیا کرتے تھے۔

بہنوں کی شادیوں کے بعد ثنا کا دل جیسے ہمہ وقت گھبرایا کرتا تب اِس کا حل اُس نے یہ نکالا کہ محلے کے بچوں کو ٹیوشن پڑھانا شروع کر دیا۔ وہ بہت محبت اور محنت سے بچوں کو پڑھا رہی تھی۔ تبھی رفتہ رفتہ بچوں کی تعداد بڑھنے لگی اور وہ اتنی بزی ہوتی گئی کہ اُس کے پاس بور ہونے کا ٹائم ہی نہیں رہا۔ انٹر کے ایگزام سے فراغت کے بعد اب وہ باقاعدگی سے صبح و شام بچوں کو ٹیوشن پڑھا رہی تھی۔

ان ہی دنوں گھر میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ صبا کے ہاں بیٹی ہوئی تھی۔ رات کو حسبِ معمول لیاقت علی کچے صحن میں بچھی چارپائی پر بیٹھے کھانا کھا رہے تھے اور فردوس متوقع اخراجات بتا رہی تھیں۔

''صبا اور اس کے میاں کے کپڑے، حنا اور اس کے میاں کے اور بچی کے لیے چار سوٹ پیسے اور کچھ سونے کی چیز بھی لینی پڑے گی میرے پاس کچھ پیسے تو ہیں۔''

''امی! یہ چھ ہزار ٹیوشن فیس کے ہیں۔'' ثنا نے آہستگی سے اُن کے ہاتھ میں پیسے رکھ دیے دونوں میاں بیوی حیرت سے دم بخود رہ گئے تھے۔ ابھی تک بڑے بیٹے نے ایک روپیہ نہیں کما کے دیا تھا اور یہ سب سے چھوٹی یہ کب اتنی سمجھدار ہوگئی کہ گھر کے حالات سمجھنے لگی ہے۔ خیر یہ رسم بھی خندہ پیشانی سے ادا ہوگئی۔

اب تو ثنا اپنی ضرورت کے دو تین سو رکھ کے باقی پیسے فردوس کو تھما دیتی۔ جس سے وہ اکثر خرم کی خواہش پوری کیا کرتیں۔ خرم کو ایک ملٹی نیشنل کمپنی میں اچھی جاب مل گئی تھی۔ تمام گھر والے بے حد خوش تھے۔ صبا اور حنا دوڑی آئیں۔ انہیں مزید خرم پر فخر محسوس ہوا۔ گھر میں خوش حالی آ گئی ان ہی دنوں بہنوں اور ماں باپ نے خرم کے سر سہرا سجانے کی خواہش ظاہر کی۔

فردوس نے خرم سے ذکر کیا تو اُس نے اپنی کلاس فیلو عمیرہ کا نام لیا۔ فردوس نے فوراً صبا اور حنا کو بلوایا اور پھر فردوس خرم اور صبا اور حنا لڑکی والوں کے گھر گئے۔ عمیرہ کے گھر سے اُن کے آسودہ حال ہونے کا پتہ چل رہا تھا۔ عمیرہ خوش شکل تھی۔ نہ بھی ہوتی تو انہیں کیا اعتراض ہوسکتا تھا۔ خرم کی پسند تھی۔

وہ بہت خوش تھا۔ عمیرہ کے گھر والے بھی سُلجھے ہوئے لوگ تھے اور خرم کو پسند کرتے تھے۔ صبا اور حنا بہت پُر جوش تھیں فردوس کے چہرے پر کچھ زیادہ خوشی ظاہر نہیں ہو رہی تھی۔

''امی! آپ مجھے خوش دکھائی نہیں دے رہیں، کیا آپ کو عمیرہ ناپسند ہے؟'' خرم نے متانت سے پوچھا۔

''نن...... نہیں بیٹا!'' وہ بوکھلا گئیں۔ بیٹے کو بھلا کیسے ناراض کرتیں۔

''کچھ تو ہے۔'' وہ سنجیدگی سے بغور اُن کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔

''بیٹا! مجھے مریم شروع ہی سے تمہارے لیے

پسند تھی۔'' فیروز بھائی کی بیٹی مریم اُن کی نگاہوں میں آ گئی۔ نازک سی، پیاری سی، نیک سیرت لڑکی، خود فیروز بھائی کی بھی یہ ہی خواہش تھی۔

''امی، وہ جھنوں سی، نادان لڑکی۔'' خرم طنزیہ لہجے میں بولا۔

''نہیں...... تم نہیں چاہتے تو کوئی بات نہیں، مجھے عمیرہ بہت پسند ہے۔ بہت اچھے لوگ ہیں۔'' وہ جلدی سے بولیں۔ خرم کے ہونٹوں پر مطمئن سی مسکراہٹ دوڑ گئی۔ عمیرہ اس کی پسند اِس کی محبت جو تھی۔

آج عمیرہ کے والدین اپنے بیٹے عباد کے ہمراہ اُن کے گھر آئے تھے۔ عباد کو پہلی ہی نظر میں سنجیدہ کومل سی ثنا اپنے دل میں اترتی ہوئی محسوس ہوئی اور اُس نے گھر واپس آ کر اپنے والدین کو اپنی پسند سے آگاہ کرتے ہوئے ثناء سے شادی کی خواہش کا اظہار کیا تو انہیں کوئی اعتراض نہیں ہوا اور جب عباد کا رشتہ لے کر وہ لوگ ثناء کے گھر آئے تو لیاقت علی اور فردوس کچھ لمحوں کے لیے تو وٹے سٹے کی اِس شرط پر کچھ ہچکچائے لیکن پھر بیٹے کی خوشی کے علاوہ انہیں عباد میں بھی کوئی خامی نہیں نظر آئی تھی وہ ہر لحاظ سے ثناء کے جوڑ کا تھا سو انہوں نے حامی بھر لی سب ہی بہت خوش تھے سوائے ثناء کے......

''آپی! مجھے یہ رشتہ منظور نہیں۔'' ثناء کے چلانے کی آواز سن کر خرم چونکا۔

''کیوں؟ پاگل ہوگئی ہو کیا؟'' حنا نے ڈانٹا۔

''آپی! میری بھی کوئی مرضی اور خوشی ہے۔ مجھے فری کے بھائی پسند ہیں۔ وہ کل رشتہ لے کر آئیں گے۔''

''اور بھائی جان کا کیا ہوگا؟ اُن کی خوشی کا خیال نہیں ہے تمہیں؟'' صبا ناراضگی سے بولی۔

''ساری زندگی اُن کی خوشی کا ہی خیال کیا ہے۔ ہمیشہ ہمارے حصے کی محبت اور چیزیں انہیں ملی ہیں اور بدلے میں انہوں نے کیا دیا ہے؟ ہمیشہ اپنی من مانی کی ہے۔'' ثنا چڑی۔

''ثناء! بہنیں بھائی پر قربان ہو جاتی ہیں۔'' حنا بولی۔

''یہ کہاں لکھا ہے کہ بہنیں ہی بھائیوں پر قربان ہوں، بھائی کیوں نہیں اپنے جذبات کی قربانی دے سکتے۔ میں اپنا حق استعمال کروں گی۔ بھائی کو کوئی حق نہیں ہے کہ ہماری زندگی کے فیصلے کر کے اپنی محبت کا تاج محل کھڑا کریں۔'' ثنا رو دی۔

اور خرم پر آج پہلی بار آگہی کا در کھلا تھا۔ اپنی چھوٹی بہن کا معصوم سا گلہ اُس کے درد بھرے جملوں نے جیسے اسے بہت کچھ بتا دیا تھا۔ اپنی بہنوں کی ایثار و قربانی ان کی بے لوث محبتیں اُس کے ذہن کے پردے پر چل کر اُسے ایک عجیب سے احساس سے دوچار کر رہی تھیں۔

''امی! آپ عمیرہ کے گھر والوں کو بتا دیں کہ ہمیں یہ وٹے سٹے کی شادی منظور نہیں اور اگر وہ نہیں مانتے تو آپ میرا بھی یہ رشتہ وہاں سے ختم کر کے مریم کو میرے لیے مانگ لیں اور ہاں کل فری کے گھر والے جب آئیں تو آپ انہیں ہاں کر دیجیے گا۔''

فردوس حیرت سے آنکھیں پھاڑے اُسے دیکھ رہی تھی اور ثناء دروازے کے پیچھے سے کھڑی بھائی کو جاتا دیکھے گئی۔ آج اس کو یقین ہو گیا تھا کہ وہ انہی قربانیاں دیتی بہنوں کا پیارا مگر سنجیدہ سا بھائی ہے۔

☆☆......☆☆

زیادہ سے زیادہ وقت جینا کے ساتھ گزارتے' اُس کی کاٹ کے قریب کھڑے کتنی دیر اُسے دیکھتے رہتے' جینا کی آنکھوں میں بھی باپ کو دیکھ کر چمک آجاتی تھی۔ جوں جوں وہ بڑی ہوتی گئی دونوں کی ایک دوسرے کے لیے محبت میں اضافہ ہوتا رہا اور مہتاب یہاں بھی خسارے میں رہیں۔ ایسے میں خدا کے بعد خالہ کا سہارا تھا اُن کے سینے میں منہ چھپا کر آنسو بہالیتیں خدا سے شکوہ کرتیں کہ آخر انہیں کس گناہ کی سزا مل رہی ہے۔ غلطیاں بھی ساری جواد نے کیں اور انعامات بھی سارے اُن کے حصے میں آئے۔ جینا کو ماں سے تھوڑی بہت انسیت تو تھی لیکن وہ اُن کو بھی اپنی بہت سی آیاؤں میں سے ایک آیا کی طرح ہی سمجھتی۔ اُس کے سارے کام مہتاب بہت محبت سے کرتیں لیکن جینا کی محبت پھر بھی جواد کے حصے میں آئی۔ دونوں باپ بیٹی کو جیسے ایک دوسرے سے عشق تھا۔ بیٹی کے منہ سے نکلی ہر خواہش کو پورا کرنا جیسے انہوں نے اپنا دین بنالیا تھا۔ پھر وہ زمانہ بھی آیا جب وہ اسکول چلی گئی۔ جوں جوں وہ بڑھی ہورہی تھی۔ ماں باپ کے درمیان ٹینشن اور سرد مہری کو محسوس کرنے لگی تھی اور ہر بات میں وہ قصوروار ماں کو ہی سمجھتی۔ اُس کی کتاب میں ڈیڈی تو کبھی غلط ہو ہی نہیں سکتے تھے۔ جب ماں کو قصوروار سمجھنے لگی تو اُن سے کھنچی کھنچی رہنے لگی۔ مہتاب کے دل پر کیا گزرتی تھی اُس کی نہ باپ کو پرواہ تھی اور نہ بیٹی کو.....

اماں نے بارہا مہتاب کو سمجھانے کی کوشش کی۔

''بیٹی..... تم سے زیادہ عزیز مجھے کوئی اور نہیں ہے۔ تمہارے لیے میں نے اپنے بیٹے سے جنگ مول لی ہے لیکن بیٹی' عورت کا دوسرا نام محبت اور قربانی ہے۔ اور گھر کی گاڑی ایک پہیے سے نہیں چل سکتی۔ تم دونوں کو اپنی اولاد کی خاطر اِن فاصلوں کو پاٹنا ہوگا۔ جو تمہارے درمیان حائل ہو چکے ہیں ورنہ جینا کی شخصیت اس طرح پروان نہیں چڑھ سکے گی۔ جس طرح پروان چڑھنے کا اُس کا حق ہے اور ہمارے معاشرے کو تو تم جانتی ہو مردوں کا معاشرہ ہے' جواد بہت ضدی ہے وہ کبھی تمہیں قبول نہیں

کرے گا جب تک تم اُس کے سامنے نہیں جھکو گی اُس سے معافی نہیں مانگو گی۔''

''معافی؟ مگر کس بات کی معافی خالہ...... میں نے کیا کیا ہے؟ سب قصور تو اُن کے ہیں۔ سارے ظلم تو انہوں نے ڈھائے ہیں میرے معصوم جذبات کا قتل کیا۔ میری عزتِ نفس کو زخمی کیا۔ میری انا کی بدترین توہین کی۔ مجھے اپنی اولاد پیدا کرنے کے قابل نہ جانا اور...... اور میری بیٹی کو ذہنی طور پر مجھ سے اتنا دور کردیا کہ میں چاہوں بھی تو شاید اِن فاصلوں کو نہ پاٹ سکوں۔ پھر آپ ہی بتائیں میں کس بات کی معافی مانگوں؟''

''بیٹا جب مرد اور عورت میں دوری پیدا ہوتی ہے۔ تو کبھی کبھی تو کچھ لوگوں کے لیے وہ تجدیدِ محبت بن جاتی ہے ان کی محبت میں اضافہ ہو جاتا ہے لیکن کچھ لوگوں کے درمیان اگر ایسا ہو تو کانٹوں سے بھرا ایک پودا اُگ آتا ہے۔ اگر اُسے جڑ سے نہ اکھاڑا جائے تو وہ تناور درخت بن جاتا ہے تم دونوں کے درمیان ایسا ہی ہوا ہے۔ لیکن یہ کانٹے صرف تمہاری چبھن کا سامان ہیں۔ ان کانٹوں سے صرف تم لہولہان ہو رہی ہو۔ پچھلے پندرہ سالوں میں تم نے اپنے اوپر جو محنت کی ہے اُس نے تمہاری شخصیت کو چار چاند لگا دیے ہیں۔ تم نے اپنی تعلیم مکمل کی تم نے اپنے جسم پر توجہ دی۔ اپنے لباس کو بہتر کیا اس سے تمہارے اندر ایک حسن پیدا ہو گیا ہے۔ لیکن جواد کا دل اتنا پتھر ہو چکا ہے کہ اُسے یہ سب دیکھنے کی فرصت ہی نہیں۔ اگر وہ تمہیں کبھی دیکھتا بھی ہے تو اُسے وہی لاتعلق زہر سے بھری منتقم مزاج عورت نظر آتی ہے دوسری خوبصورت چیزیں دیکھنے کے لیے اُس کے پاس آنکھ ہی نہیں اور نہ ہو گی اگر تم خود اُسے اس کا احساس نہ دلاؤ۔'' مہتاب کے چہرے پر ایک رنگ سا آ گیا۔

''اماں...... میں ایک چودہ سالہ بیٹی کی ماں ہوں...... آپ چاہتی ہیں اس عمر میں میں ٹین ایجز والے حربے استعمال کروں جواد کو متوجہ کرنے کے لیے؟''

''تو حرج ہی کیا ہے...... تم عورت ہو...... عورت ہی کو جھکنا پڑتا ہے...... اگر تمہارے ذرا سے جھکنے سے یا معافی مانگ لینے سے تمہیں تمہارا کھویا ہوا شوہر مل سکتا ہے تو......''

''پلیز اماں......'' مہتاب کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

''آج سے پندرہ سال پہلے انہوں نے میرے متعلق جو دل شکن الفاظ کہے تھے۔ وہ جانتے ہیں کہ میں نے سن لیے تھے۔ اُس کے باوجود وہ اُن پر شرمندہ نہیں ہیں۔ انہیں اُن کا ذرا سا افسوس بھی نہیں ہے۔ اگر مجھے تھوڑا سا احساس بھی ہوتا کہ اُن کو اُن الفاظ پر رتی بھر افسوس بھی ہے تو شاید...... شاید میں......''

اُن کی آواز بھرا گئی۔ کچھ دیر خاموشی طاری رہی۔

''اور آپ تو یہ سمجھتی ہیں کہ میں نے خود کو اُن کے لیے بدلا ہے وہ ٹھیک نہیں ہے میں نے جو تعلیم حاصل کی ہے اپنی شخصیت میں نکھار پیدا کیا ہے۔ اپنے لباس میں ڈیسنسی پیدا کی ہے تو یہ سب میں نے اپنے لیے کیا ہے۔ اپنی تسلی کے لیے کیا ہے ورنہ جواد کو تو آپ جانتی ہیں وہ آج بھی وہیں کھڑے ہیں جہاں اُس روز کھڑے تھے جب میں نے اُن کی گفتگو سنی تھی اپنے متعلق اُن کے خیالات جانے تھے۔ اُن خیالات کی تجدید اُس دن دوبارہ ہو گئی تھی جب انہوں نے آپ سے کہا تھا کہ وہ میرے بطن سے اپنی کوئی اولاد نہیں چاہتے۔ میں اُس روز دوبارہ ٹوٹی تھی اور میں نے جان لیا تھا کہ اس شخص کے دل

میں میرے لیے کوئی نرم گوشہ پیدا نہیں ہوسکتا۔ میں نے سوچا تھا کہ شاید میں اپنی اولاد پیدا ہونے کے بعد خوشی کی کسی کرن سے اپنے دل کو منور کرلوں گی۔ لیکن میرے نصیب میں تو یہ بھی نہیں ہے۔ آپ نے دیکھی ہے کوئی مجھ جیسی بدنصیب عورت۔''

اماں آہ بھر کر رہ گئیں۔ اپنی یہ بھانجی انہیں بے حد عزیز تھی اور وہ تو اُن کی اپنی اولاد تھا، اپنا خون تھا، لیکن کتنا ضدی اور ہٹ دھرم' کیا انہوں نے دونوں کے ساتھ بہت بڑی زیادتی کر دی تھی جیسا کہ جواد کے ابا نے مرنے سے تھوڑی دیر پہلے اُن سے کہا تھا۔

''جواد کی ماں..... لگتا ہے مہتاب کی محبت میں ہم دونوں بچوں پر زیادتی کر گئے ہیں۔ اب تم ہی مہتاب کی رکھوالی ہو..... اُس کا خیال رکھنا..... اُسے اس تکلیف کے علاوہ کوئی اور تکلیف نہ پہنچنے دینا۔''

اماں نے اپنے آنسو پونچھے۔

''جواد کے ابا..... میں اپنا وعدہ نہیں نبھا سکی۔ اُسے ایک اور دکھ مل چکا ہے..... اولاد کا دکھ۔''

''اماں کیا سوچ رہی ہیں..... اگر آپ برا نہ مانیں تو ایک بات کہوں۔''

''سو باتیں کہہ بیٹی..... میں نے کبھی تیری بات کا برا مانا ہے۔''

''آپ جواد سے کہیں..... وہ اپنی مرضی سے شادی کرلیں..... بس مجھے طلاق نہ دیں..... میں اُن کے راستے میں کبھی نہیں آؤں گی۔ بس مجھے یہیں رہنے دیں۔ میں جینا سے دور نہیں رہ سکتی۔ یہاں رہ کر اُسے دیکھ تو سکتی ہوں نا..... کیا ہوا جو وہ مجھ سے کھنچی کھنچی رہتی ہے۔''

اماں نے آگے بھ کر اُسے سینے سے لگالیا..... اور جواد خاقان جو کافی دیر سے لاؤنج کے دروازے سے باہر کھڑے تھے بوجھل قدموں سے اپنے کمرے کی طرف چل دیے۔

☆.....☆.....☆

کیلیفورنیا کے شہر لاس اینجلس میں چوڑی ہموار سڑک پر رواں دواں نیلے رنگ کی لیکسس جیسے ہی ریڈ ہل کنٹری کلب کے پہاڑی علاقے میں داخل ہونے والی سڑک پر مڑی..... فریحہ اور اورنگ زیب بے پناہ ایکسائٹمنٹ کا شکار ہوگئے۔ اُن کی خوشی دیدنی تھی۔ اونچی نیچی بل کھاتی سڑکوں والا یہ علاقہ پوش علاقوں میں شمار ہوتا تھا اور بے حد خوبصورت تھا۔ کئی سڑکوں سے گزرنے کے بعد گاڑی ایک بڑے خوبصورت گھر کے پورچ میں رُکی۔ جو گولائی میں بنا تھا اور عین وسط میں بڑا سا زیتون کا درخت تھا۔ فریحہ اور اورنگ زیب جلدی سے اپنے اپنے دروازے کھول کر باہر نکلے۔ اُن کی ماں نے جہاں گاڑی روکی تھی اُس کے عین سامنے ایک اور گاڑی تھی۔ جو اُن کے بڑے بیٹے عالمگیر سے تعلق رکھتی تھی۔ انہوں نے آگے بڑھ کر چابی سے مین دروازے کا لاک کھولا تو دونوں بھاگتے ہوئے اندر آئے۔ مسز عذرا جہانگیر اندر آئیں تو وہ ڈرائنگ روم میں ایکدم مایوس کھڑے تھے۔ اُن کی نظر صوفے پر گئی۔ تو مایوسی کی وجہ سامنے آ گئی۔ عالمگیر اُن لوگوں کے انتظار میں وہیں لیٹے لیٹے شاید گہری نیند میں جا چکے تھے۔

''امی عالی بھائی تو سو چکے ہیں..... اتنے دن کے بعد اُن کی شکل نظر آئی تھی۔ ہم اتنے ایکسائیٹڈ تھے۔ کتنی باتیں کرنی تھیں۔ کتنی خبریں دینی تھیں۔ مگر اب پتہ نہیں کتنا انتظار کرنا پڑے گا۔'' اُسی وقت عالی کے لبوں پر بڑی مشکل سے روکی ہوئی مسکراہٹ پھوٹ پڑی تو دونوں نے آگے بڑھ کر اُن پر دھاوا بول دیا۔

''امی..... پلیز..... مجھے بچائیں ان شیطانوں

سے...... ورنہ یہ تو مجھے آپ کے ہاتھوں کا مزے دار اور شاندار کھانا کھائے بغیر ہی دوسری دنیا میں پہنچا دیں گے' پلیز ہیلپ......"

"نہیں چھوڑیں گے آج......" زیب نے اُن کے سینے پر مکے برسائے۔

"روزانہ اتنی دیر سے آتے ہیں اور صبح ہمارے اٹھنے سے پہلے ہی چلے جاتے ہیں۔"

"زیب ٹھیک ہی تو کہہ رہا ہے بھائی۔" فریحہ بھی روٹھے لہجے میں بولی۔

"کیا کروں یار...... ڈیوٹی ہی اتنی سخت ہے۔ اس ملک میں تو کوئی ڈاکٹر نہ بنے۔"

"تو کیوں بنے ڈاکٹر...... انجینئر نہیں بن سکتے تھے؟"

"یار وہ جگہ تو میں نے تمہارے لیے چھوڑ دی۔ مجھے پتہ ہے تمہیں بہت شوق ہے۔ بچپن سے ہی کہتے تھے میں انجینئر بنوں گا۔ میں اپنے پیارے بھائی کے حق پر ڈاکہ کیسے ڈال سکتا تھا۔"

"تو ہم دونوں ہی تو انجینئر بن سکتے تھے۔" زیب ابھی تک ناراض تھا۔

"تمہیں میرا ڈاکٹر ہونا اچھا نہیں لگتا......" عالی نے پیار سے اُسے لپٹا لیا۔ فریحہ مسکرا دی۔

"بھائی اُسے اچھا تو لگتا ہے لیکن آپ کی سخت ڈیوٹی کی وجہ سے آپ اسے وقت نہیں دے پاتے نا۔ اس لیے تھوڑا ناراض ہے' ابھی ٹھیک ہو جائے گا۔" اسی وقت جہانگیر عباسی اخبار لیے کمرے سے نمودار ہوگئے۔

"ارے آتے ہی دھاوا بول دیا بھائی پر' واہ میرے شیرو......اب خوب بدلہ لینا اِس سے......اور کوئی وعدہ لیے بغیر تو بالکل نہیں چھوڑنا......"

"ڈیڈی...... آپ بھی اِن کی سائیڈ پر ہیں؟"

"کیا کریں بھئی......" انہوں نے ہلکے سے کان کھجاتے ہوئے کہا۔

"ہماری شکایات مشترکہ جو ہیں۔ ہمیں بھی اپنے بڑے بیٹے کی شکل کم کم نظر آنے پر اتنی ہی اُداسی ہوتی ہے جتنی ان دونوں کو......ابھی تو تمہاری امی نے خاموشی اختیار کی ہوئی ہے۔ اگر وہ بھی ہمارے ساتھ شامل ہو جائیں تو ہمارا کیس کافی مضبوط ہے یار......"

"بس...... آپ سب میرے بیٹے کا پیچھا چھوڑ دیں...... ایک تو وہ دن رات سخت محنت کرتا ہے' غریب کی نیند تک پوری نہیں ہوتی۔ اور گھر آرام کرنے آتا ہے تو آپ لوگ پیچھے پڑ جاتے ہیں۔ ختم کریں اپنی گولہ باری...... کھانا لگ گیا ہے۔ سب لوگ ہاتھ دھو کر آجائیں۔"

"جیو میری امی......" عالی نے بڑھ کر ماں کے شانے کے گرد بازو حمائل کیے اور شرارت سے اُن دونوں بہن بھائیوں کا منہ چڑایا۔ سب ہاتھ دھو کر اپنی اپنی جگہ بیٹھ گئے۔

"واہ...... آج تو مزہ آجائے گا۔" اُس نے ہر ڈونگے کا ڈھکن اُٹھا کر کھانوں کا جائزہ لیا اور خوشبو سونگھتے ہوئے مسحور ہونے لگا۔

"کوفتے...... پالک گوشت اور کبابوں کا سالن...... آپ کو کیا پتہ کتنا مس کرتا ہوں میں یہ کھانے......"

"تو پھر جلدی سے دشمن کی فوج سمجھ کر ٹوٹ پڑو برخوردار...... ویری کیسی؟" جہانگیر عباسی نے کوفتوں والا ڈونگا اپنے سامنے کیا۔

"ڈیڈی...... آپ کھانے میں احتیاط کر رہے ہیں نا...... اور میری دی ہوئی دوائیں باقاعدہ استعمال کرتے ہیں؟"

"یہ تو اپنی ماں سے پوچھو......انہوں نے ہی چارج سنبھال رکھا ہے۔"

''کیوں امی؟'' عالی نے سادہ چاولوں کے ساتھ پالک گوشت کا لقمہ منہ میں ڈال کر ماں کی طرف دیکھا۔

''دوائیں تو میں باقاعدگی سے دیتی ہوں...... مگر کھانے کے معاملے میں کبھی کبھی ڈنڈی مار جاتے ہیں۔''

''ڈیڈی بری بات...... آپ کی صحت کے لیے پرہیز بہت ضروری ہے۔ آپ کو ہائی بلڈ پریشر ہے۔ آپ کو پرہیزی کھانا لینا چاہیے اور امی آپ ڈیڈی کے لیے علیحدہ کھانا بنایا کریں۔ کم نمک اور کم آئل کے ساتھ......''

''ایک دوبارہ بنایا تھا...... انہوں نے چکھا ہی نہیں۔''

''ڈیڈی؟''

''دیکھو یار...... انسان جتنی دیر زندہ رہے...... کھانا تو اپنی مرضی سے کھائے...... بعد میں تو اُس کے بغیر گزارا کرنا ہی ہوتا ہے...... اپنی ماں سے پوچھ لو...... یہ ڈنڈی کبھی کبھی ہوتی ہے۔ ورنہ میں نہایت شرافت سے احتیاط کرتا ہوں۔''

عالی نے دونوں چھوٹے بہن بھائیوں کی طرف دیکھا۔ وہ انتہائی سنجیدگی اور خاموشی سے کھا رہے تھے۔ درمیان میں ایک لفظ نہیں بولے تھے۔

''کیوں بھئی شیطانو...... تم لوگ اتنے چپ کیوں ہو؟''

''بھائی...... امی اور ڈیڈی نے ہمیشہ کہا ہے کھانا خاموشی سے کھانا چاہیے۔'' زیب سنجیدگی سے بولا۔ تو فریحہ کی ہنسی نکل گئی۔

''اور چبا کر کھانا چاہیے یہ بھول گئے؟''

''تو چبا کر ہی کھاتا ہوں نا...... بس ذرا جلدی جلدی چبا لیتا ہوں۔''

''بھئی فریحہ...... میرے بھائی کو تنگ مت کرو...... اصل میں اُسے بھوک ہی بہت زیادہ لگی ہے۔'' سب ہنس پڑے۔ کھانا ختم ہوا تو زیب نے جلدی سے پوچھا۔

''امی میٹھے میں کیا ہے...... سوئٹ ڈش...... سوئٹ ڈش......'' عذرا شیشے کی باداموں، پستوں سے سجی مستطیل ڈش لے آئیں۔

''یہ کیا ہے؟''

''میں نے سوچا مغل بادشاہوں کا خاندان ہے۔ شاہی ٹکڑے بنا لیتی ہوں۔''

''ہرا......'' زیب نے خوشی سے مکا ہوا میں لہرایا۔ جبکہ فریحہ کا منہ بن گیا۔ اُسے امریکن سوئٹ ڈشز زیادہ پسند ہیں۔

''ڈیئر سسٹر ڈونٹ وری...... تمہاری سوئٹ ڈش کا انتظام بھی ہے۔'' عالی اُٹھ کر فریج کی طرف گیا اور فریزر والا خانہ کھول کر ایک کیک نکالا جو وہ آتے ہوئے دونوں کے لیے لایا تھا۔

''آہا...... آئس کریم کیک......'' اُس کی آنکھیں خوشی سے چمک اٹھیں۔

''تھینک یو بھائی...... تھینک یو ویری مچ......''

اُس نے اُٹھ کر بھائی کے گال پر بوسہ دیا۔ عالی کی آنکھیں پیار سے دونوں کو دیکھنے لگیں۔ امی اور ڈیڈی بھی مسکرا کر اُسے دیکھنے لگے۔

کھانے کے بعد سب لاؤنج میں آتش دان کے قریب بیٹھ گئے۔ سب سے پہلے عالی نے اپنا کوٹ اُتار کر کوٹ اسٹینڈ پر لٹکایا تو زیب اور فری نے جلدی سے تقلید کی۔ عالی، امی اور ڈیڈی کافی سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ جبکہ فری اور زیب آپس میں سرگوشیاں کر رہے تھے۔

''ہاں تو عالی...... پھر کیا سوچا تم نے...... لڑکی تو تمہیں پسند آئی ہے۔ آگے کیا پروگرام ہے؟'' جہانگیر عباسی نے پوچھا تو عذرا بھی اُس کی طرف

دیکھنے لگیں۔ زیب اور فری بھی متوجہ ہو گئے جبکہ عالی کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ چہرے پر خوبصورت مسکراہٹ پھیل گئی۔

''ہاں بیٹا...... جب لڑکی پسند آ گئی ہے تو دیر نہیں کرنی چاہیے۔ اچھی لڑکیوں کو لوگ جلدی لے اڑتے ہیں۔ اگر تم کہو تو تمہارے ڈیڈی۔ انکل سے بات کریں۔ تصویر تو ہم نے دیکھ لی تمہارے موبائل سے اس کے علاوہ تمہارے ڈیڈی کے کہنے پر انکل نے بھی ذرا بڑی تصویر بھجوائی ہے۔''

''اچھا......؟'' وہ اشتیاق سے بولا۔

''آپ نے بتایا ہی نہیں۔''

''تم گھر میں ہوتے کب ہو جو تمہیں کچھ بتایا جائے۔'' جہانگیر نے متانت سے کہا۔

''ابھی ایک دو روز ہوئے پہنچی ہے۔ فری بیٹے جاؤ میرے سائیڈ ٹیبل کے دراز سے تصویر لا کر بھائی کو دکھاؤ۔'' وہ بھاگتی ہوئی گئی اور جلدی سے تصویر لے آئی جو انہوں نے خوبصورت سے فریم میں ڈال لی تھی۔

''بھائی...... بھابی لاجواب ہیں۔'' فری نے اُس کے کان میں سرگوشی کی۔ تو وہ بے اختیار مسکرا دیا۔ پھر تصویر پر نظر ڈالی۔ اس وقت شدت سے اُس کی خواہش تھی کہ وہ اپنے کمرے میں تنہا ہوتا اور اپنے انداز سے تصویر دیکھ سکتا۔ آنکھوں میں پیار اور جذبات کا ایک خوبصورت جہاں آباد کیے مگر ماں باپ کا احترام مانع تھا اس لیے صرف ایک نظر ڈال سکا۔

''امی...... ڈیڈی...... جب تک میری ریڈیڈنسی کمپلیٹ نہیں ہو جاتی۔ میں کسی ایسی بات کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا۔ آپ کو تو معلوم ہے یہ وقت کس قدر ٹف ہے۔ ذرا سی فرصت نہیں ہے میرے پاس...... کئی بار تو اڑتالیس گھنٹوں کی لمبی لمبی ڈیوٹیاں ہوتی ہیں...... آپ سب سے بھی کتنی مشکل سے ملاقات ہو پاتی ہے...... اور پھر اس سب کے لیے تو پاکستان جانا ہوگا اور ابھی کئی ماہ تک ایسا کوئی چانس نہیں بن سکتا۔''

''ہاں...... بات تو ٹھیک ہے تمہاری...... یوں بھی ابھی لڑکی کے بی اے کے امتحان میں وقت ہے...... چھ ماہ تو لگ جائیں گے۔ اس کے بعد ہی سوچا جا سکتا ہے...... میں چاہتی ہوں ہم دونوں بھی ذرا دیکھ لیتے...... آخری فیصلہ تو عالی تمہیں ہی کرنا ہے...... اور جو میرے خیال میں تم کر چکے ہو۔'' وہ ہلکا سا مسکرائیں۔

''چھ ماہ بعد ہم سب جائیں گے...... اگر عالی کے لیے مناسب ہوا تو...... آپ بس اپنے دوست کو یہ عندیہ دے دیں کہ عالی کو لڑکی پسند ہے۔''

''ہاں بیگم...... ذرا چند دن تمام پہلو سے سوچ لینے دو...... آخر کو ساری زندگی کا معاملہ ہے۔''

''ٹھیک ہے جیسا آپ مناسب سمجھیں۔''

عالی نے بادلِ نخواستہ تصویر کو صوفے کی سائیڈ پر پڑے ٹیبل پر رکھا اور زیب اور فری کی طرف متوجہ ہو گیا۔

''آج مابدولت شہنشاہ عالمگیر کے پاس وقت ہے۔ اس لیے اپنی اپنی خواہشات بیان کی جائیں...... زیب کہاں جانا چاہتا ہے...... اور فری کا کیا پروگرام ہے؟''

''پہلے ایک بات بتائیں عالی بھائی...... امی نے کل ہم دونوں کو ایک مغل بادشاہ کی کہانی سنائی تھی اور پتہ ہے اُس کا نام کیا تھا...... اورنگ زیب عالمگیر...... یہ تو ایک ہی نام ہوا نا تو پھر امی نے اُسے آدھا آدھا کر کے میرے اور آپ کے لیے کیوں چن لیا؟''

''تم نے امی سے نہیں پوچھا؟''

''پوچھا تھا...... وہ کہہ رہی تھیں بادشاہ کا نام صرف اورنگ زیب تھا۔ عالمگیر اُس کو لقب ملا تھا جب وہ بادشاہ ہوں گے۔ امی کو یہ دونوں نام پسند تھے اس لیے انہوں نے ہم دونوں کے لیے چن لیے۔''

''تو ٹھیک ہی تو ہے...... اور پھر ہم دونوں کوئی الگ الگ تھوڑی ہیں...... ایک دوسرے کی جان ہیں نا...... اصل میں ڈیڈی نے اپنے نام کے ساتھ ملا کر میرا نام عالمگیر رکھا...... لیکن امی کو چونکہ اورنگ زیب نام بہت پسند تھا تو جب تم دونوں پیدا ہوئے تو انہوں نے تمہارا نام اورنگ زیب رکھ دیا...... اور اب پہلے تم بتاؤ فری...... کیونکہ تم زیب سے پورے پانچ منٹ بڑی ہو...... شام کو کیا پروگرام رکھا جائے؟''

''یہ تو زیادتی ہے عالی بھائی...... صرف پانچ منٹ کی وجہ سے فری ہمیشہ فائدے میں رہتی ہے۔ یہ کیوں نہیں ہوسکتا کہ پہلے مجھ سے پوچھا جائے کیونکہ میں سب سے چھوٹا ہوں۔'' زیب نے منہ پھلالیا تو عالی کو ہنسی آگئی۔

''پوائنٹ تو تمہارا بھی مضبوط ہے یار...... کیوں فری؟''

''چلو تم ہی بتادو پہلے...... کیا پروگرام ہے۔'' وہ شاہانہ انداز میں بولی۔

''ڈزنی لینڈ چلیں؟''

''یار ڈزنی لینڈ کے لیے تو پورا دن بھی کافی نہیں ہوتا...... میں شام کا پوچھ رہا ہوں...... ایسا کرتے ہیں ڈزنی لینڈ کل صبح چلیں گے...... اب فری کی ٹرن ہے۔ شام کو کیا کریں...... جلدی سے بتادو مجھے بہت نیند آرہی ہے۔ شام تک تھوڑا سولوں گا......''

''میں نے تو پہلے ہی سوچ رکھا ہے...... پہلے ہمیں کیسل پارک لے جائیں اور پھر برگر کنگ میں کھانا......''

''ڈن......'' عالی نے باری باری دونوں کے ہاتھوں پر ہاتھ مارا۔ امی اور ڈیڈی پہلے ہی اپنے کمرے میں جاچکے تھے۔ فری اور زیب بھی بیک یارڈ میں کھیلنے چلے گئے تو اُس نے چپکے سے تصویر اٹھائی اور اپنے کمرے میں آگیا۔

جہانگیر عباسی پڑھنے کی خاطر امریکہ آئے تھے۔ پڑھائی کے بعد وہیں جاب مل گئی تو وہیں کے ہوکر رہ گئے۔ یہ اُس زمانے کی بات ہے جب امریکہ کی امیگریشن اتنا بڑا مسئلہ نہیں ہوتی تھی۔ جہانگیر عباسی چونکہ وہیں تھے۔ انجینئرنگ امتیازی نمبروں سے پاس کی تھی اس لیے ایک کمپنی نے جاب کے ساتھ امیگریشن بھی آفر کی تھی انہوں نے اُسے قبول نہ کرنا ناشکری سمجھا اور وہیں سیٹل ہونے کا ارادہ کرلیا۔ سارا خاندان پاکستان میں آباد تھا۔ خاندان اہل زبان تھا۔ جب انہیں جہانگیر کے ارادوں کا پتہ چلا تو انہیں خدشات لاحق ہونے لگے کہ کہیں وہ کسی گوری میم سے شادی کر کے خاندان کی روایات اور زبان میں ملاوٹ کا ارادہ نہ کرلیں۔ جلدی سے اپنے جیسے ایک اچھے اہل زبان خاندان سے ایک لڑکی پسند کی اور جہانگیر کو پاکستان بلا کر فوراً شادی رچادی۔

عذرا بہت نفیس خاتون تھیں۔ انہوں نے امریکہ آکر جہانگیر کے خاندان کی توقعات کی لاج رکھی اور جہانگیر کے مکان کو گھر بنادیا۔ عالمگیر کی پیدائش پر سارا خاندان بہت خوش تھا۔ لیکن امریکہ میں رہ کر اس کی تربیت کا مسئلہ تھا۔ نہ تو عذرا اور نہ ہی عالمگیر اور اُس کے خاندان والے چاہتے تھے کہ وہ اُن بہت سے پاکستانی بچوں کی طرح پروان چڑھے جو فر فر انگلش بولنا تو قابل فخر سمجھتے ہیں...... لیکن جب پاکستان آتے ہیں تو اپنی نانیوں اور دادیوں کے

ساتھ ٹوٹی پھوٹی لنگڑی لولی امریکن لہجے کی ماری ہوئی اردو بولیں جو کسی کی سمجھ میں نہ آسکے..... عذرا نے اس کا انتظام بہت عقلمندی سے کیا تھا۔ وہ اپنے ساتھ پہلے قاعدے کے علاوہ اردو کی ہر کلاس کی کتابیں ساتھ لے کر گئیں اس کے علاوہ بہترین کیسٹ بھی جن میں بہت اچھی زبان میں کہانیاں ریکارڈ کی گئی تھیں۔ کہانیوں کی چھوٹی چھوٹی کتابیں بھی ساتھ تھیں۔ اس طرح انہیں عالمگیر کو اردو سکھانے میں کوئی مسئلہ نہ ہوا۔ انگلش تو انہیں معلوم تھا کہ وہ اسکول میں سیکھ ہی لے گا۔ اس لیے انہوں نے ہمیشہ اُس کے ساتھ اردو میں گفتگو کی۔ اُس زمانے سے شروع کر کے جب وہ ابھی چھ ماہ کا ہی تھا۔ جہانگیر اور عذرا نے ہمیشہ اُس سے اردو میں گفتگو کی۔ چھوٹی چھوٹی کہانیاں سنائیں۔

تین سال کی عمر میں قرآن پاک کے ساتھ ساتھ اردو کا قاعدہ بھی پڑھنا شروع کیا۔ اسکول جانے کے بعد بھی اُن کی روٹین میں فرق نہ آیا۔ بلکہ جب وہ اردو اچھی پڑھنے کے قابل ہو گیا تو پہلے پہلے اُسے چھوٹی چھوٹی کہانیوں کی کتابیں پڑھنے کو دیں۔ جنہیں وہ بہت شوق سے پڑھتا تھا اور جو سبق آموز بھی ہوتی تھیں اس کے علاوہ عذرا اور جہانگیر رات سوتے سوتے اُسے کہانیاں سناتے۔ جس میں بہت سی تاریخی کہانیاں بھی ہوتیں جن میں اجداد کے کارنامے اُن کی سیرت اور خوبیاں بیان ہوتیں اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ایک تو عالمگیر بہترین اردو بولنے اور لکھنے لگا۔ بلکہ اُسے اپنی تاریخ سے بھی واقفیت حاصل ہو گئی۔

اُس کی معلومات قابلِ رشک تھیں۔ پہلی بار جب وہ والدین کے ساتھ پاکستان گیا تو اُس کی دادی، دادا، نانی اور نانا کے علاوہ سب رشتے دار حیران رہ گئے۔ عذرا اور جہانگیر کی کوششوں کو خوب سراہا۔ وہ وہاں رہنے والے سب رشتے دار بچوں میں سب سے اچھی اردو بولتا تھا اور اُن سب سے زیادہ معلومات رکھتا تھا۔ کیونکہ پاکستان میں بھی رواج چل نکلا تھا کہ بچوں کو انگلش بولنی ضرور آنی چاہیے اور چاہے کچھ نہ آئے۔ دیکھا گیا تھا کہ بچوں کے سب سے کم نمبر اردو یا معاشرتی علوم میں ہوتے تھے خاص طور پر پاک اسٹیڈیز تو ہر بچے کو زہر لگتی تھی اور زیادہ تر بچے اس میں فیل ہوتے نظر آتے۔

عالمگیر کی دینی معلومات بھی اُن بچوں سے زیادہ تھیں۔ دادا اور دادی یہ دیکھ کر مطمئن ہو گئے کہ اُن کی آئندہ نسل کی تربیت اچھے ہاتھوں میں سونپی گئی تھی۔ اب انہیں پاکستانی رشتے داروں کی ذہنیتوں پر افسوس ہونے لگا تھا جو مغربیت کی دوڑ میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشاں نظر آتے ہیں۔

عالمگیر کے بعد پندرہ سال تک دونوں دوبارہ کسی بچے کے ماں باپ نہ بن سکے۔ پھر خدا تعالیٰ نے فضل کیا اور پندرہ سال بعد وہ اورنگ زیب اور فریحہ دو جڑواں بچوں کو جنم دے سکے۔ عالمگیر دو ننھے منے بہن بھائیوں کو پا کر بہت خوش تھا۔ کیونکہ گھر میں وہ اکثر تنہائی کا شکار رہتا۔ دونوں سے اُسے بے حد محبت تھی۔ جب وہ ڈاکٹر بنا تو وہ دونوں بارہ سال کے ہو چکے تھے۔ عالمگیر کی طرح وہ دونوں بھی اُس کے دیوانے تھے۔ لیکن مشکل یہ تھی کہ اب عالمگیر کے پاس اُن کے لیے وقت نہیں ہوتا تھا۔ بلکہ کسی کے لیے وقت نہیں ہوتا تھا۔ ڈاکٹری اور اُس کے بعد کی ٹریننگ وہاں کس قدر سخت اور اعصاب شکن ہوتی ہے وہ عملی طور پر اُس کا تجربہ کر رہا تھا۔ لیکن پھر بھی اُسے اپنے پروفیشن سے محبت تھی۔ زیادہ کام کا بھی اپنا ایک مزہ ہوتا ہے۔ جب جسم تھکن سے چور ہو جائے تو سر کو سونے کے وقت تکیے پر رکھ کر کتنا

سکون ملتا ہے۔ اس لذت سے بھی آشنا ہو رہا تھا۔ بہرحال پروفیشن اُس نے اپنی مرضی سے منتخب کیا تھا کہ وہ ایک ہمدرد دل کا مالک تھا۔ کسی کو درد یا تکلیف میں نہیں دیکھ سکتا تھا اور اگر دیکھ لیتا تو اُسے دور کرنے کے لیے بے چین ہو جاتا۔ اُس کے لیے یہ پروفیشن انتہائی موزوں تھا۔ اس لیے اعصاب شکن تھکن سے ڈیل کرنا بھی سیکھ گیا تھا۔ کرسی پر بیٹھے بیٹھے دس منٹ کی نیند بھی جادو کا اثر رکھتی ہے۔ اسی طرح چھوٹے چھوٹے حصوں میں بڑے آرام سے وہ اپنے دل و دماغ کے لیے سکون کا انتظام کر لیتا تھا۔ اور جب کبھی چھٹی ملتی تو اُسے اپنے عزیز از جان ماں باپ اور پیارے بہن بھائیوں کو بھی وقت دینا ہوتا تھا۔ جو اس کی زندگی تھے۔

پاکستان کے بے شمار لوگوں کی طرح عذرا اور جہانگیر کے رشتہ دار بھی آہستہ آہستہ امریکہ منتقل ہو کر مختلف ریاستوں میں پھیل چکے تھے۔

☆......☆......☆

بہت خوبصورت باغ تھا۔ چاروں طرف اونچے اونچے درخت ہوا سے ہل رہے تھے۔ اُن کے پتے اس طرح تالیاں بجا رہے تھے جیسے کسی بات سے بہت خوش ہوں۔ بعض دفعہ پتوں کے ایک دوسرے سے ٹکرانے کی آواز سرگوشیوں کی مانند محسوس ہوتی جیسے کوئی راز کی بات کر رہے ہوں۔

عالمگیر محظوظ ہوتا ہوا بیلوں سے ڈھکے دروازے سے اندر داخل ہوا۔ چاروں طرف پھول ہی پھول تھے ہر قسم کے پھول...... ہر رنگ کے پھول...... ان کی خوشبو آپس میں مل کر دلفریب مہک پیدا کر رہی تھی وہ اس مہک کو لمبی سانسیں لے کر اپنے اندر اتارتا ہوا خراماں خراماں آگے بڑھ رہا تھا اور سوچ رہا تھا ایسا حسین...... دلفریب اور معطر باغ اُس نے پہلے کبھی کیوں نہیں دیکھا۔ یہ اُس کی نظروں سے اوجھل کیسے رہ گیا۔ ورنہ وہ زیب اور فری کو ضرور سیر کے لیے یہاں لے کر آتا۔

دلکش رنگوں کی تتلیاں پھولوں کے گرد رقص کر رہی تھیں۔ جبکہ بھنورے اُن کا رس چوس رہے تھے۔ پھر اچانک وہ ٹھٹک کر رک گیا۔ تھوڑی دور ایک اونچے درخت پر جھولا پڑا تھا۔ اُس نے اوپر دیکھا اُس جھولے کی زنجیریں اتنی اونچائی سے آ رہی تھیں کہ اُسے لگا جیسے سیدھی عرش سے اُتر رہی ہوں جھولے پر کوئی لڑکی بیٹھی آہستہ آہستہ جھول رہی تھی اور دھیرے دھیرے گنگنا رہی تھی۔ تجسس نے رکنے نہ دیا تو قدم قدرے تیز ہو گئے۔ منٹوں میں وہاں پہنچ گیا۔

''ہیلو......'' اُس نے پیچھے سے اپنی موجودگی کی اطلاع دینی چاہی تو جھولے پر موجود لڑکی ایکدم اٹھی اور اُس کی طرف گھوم گئی۔ عالمگیر کا دل بڑے زور سے دھڑکا...... یہ تو وہی تھی جس نے کتنے دنوں سے خیالوں میں بسیرا کر رکھا تھا۔

سیاہ چوڑی دار پاجامے گہرے رنگ کے خوبصورت ڈھیلے ڈھالے لمبے کلیوں والے کرتے اور سیاہ اور گہرے کامبی نیشن کے بڑے سے دوپٹے میں ملبوس وہ اُس کے دل میں اتر گئی۔

لڑکی کی بڑی بڑی آنکھوں میں حیرت تھی۔

''آپ؟ یہاں؟''

''اوہ آپ نے مجھے پہچان لیا......'' عالمگیر کی خوشی دیدنی تھی۔

''آپ کو کیسے بھول سکتی ہوں...... بھول جاتی تو اتنی دور آپ کو ملنے آتی؟''

''آپ...... آپ مجھے ملنے آئی ہیں؟'' وہ حیران تھا۔

''آپ کو حیرت کیوں ہو رہی ہے...... کیا میں نہیں آ سکتی آپ سے ملنے...... مجھے یہ حق حاصل

نہیں ہے۔'' وہ ذرا مضطرب دکھائی دینے لگی تو عالمگیر کو افسوس ہوا۔

''آپ سے زیادہ حق میں کسی اور کو نہیں دے سکتا..... آپ جانتی ہیں۔'' وہ اضطراب سے قریب آیا۔

''میں کیسے جان سکتی ہوں؟ آپ نے کبھی بتایا؟''

''ہر بات بتانے کی نہیں ہوتی..... بتانے سے خوبصورتی کھو دیتی ہے..... اگر آپ نے میری آنکھوں میں دیکھا ہوتا تو جان لیتیں..... میری دنیا آپ سے شروع ہو کر آپ پر ہی ختم ہو جاتی ہے۔''

''سچ؟'' لڑکی کی آنکھیں دمک اٹھیں۔ پھر وہ رخ موڑ کر کھڑی ہوگئی۔

''میرا بھی آپ کے بارے میں یہی خیال ہے۔''

''اگر ایسی بات ہے تو فون پر بات کرتے ہوئے آپ اکھڑی اکھڑی سی کیوں لگتی ہیں۔'' یہ شکوہ تھا۔

''آپ سے بات کرنے کا یارا جو نہیں ہوتا..... دل چاہتا ہے آپ سامنے ہوں۔ یہ مصنوعی سہارے دل کو تقویت نہیں دیتے۔ دل دیکھنا چاہتا ہے محسوس کرنا چاہتا ہے..... آنکھوں کے راستے دل میں اتارنا چاہتا ہے۔ فون پر بات کرنا اچھا نہیں لگتا مجھے..... اسی لیے تو آئی ہوں اتنی دور..... اپنی آنکھوں سے دیکھنے..... آپ کو برا تو نہیں لگا؟''

''آپ نے آکر مجھے زندگی بخش دی ہے۔ اب آئی ہیں تو جانا نہیں۔'' عالمگیر جذبات سے بھرپور آواز میں بولا۔

''جانا تو پڑے گا.....'' وہ اُداس لہجے مین بولی۔ آنکھوں میں دو موتی چمکے.....

''کوئی اس طرح تھوڑی رہ سکتا ہے۔ مجھے جانا ہی ہوگا' جانا ہی ہوگا۔'' وہ آہستہ آہستہ پیچھے ہٹتے ہٹتے غائب ہوگئی۔

''پلیز رکو..... رکو پلیز..... ابھی مت جاؤ۔''

اُس کے گلے سے گھٹی گھٹی آواز نکلی اور پھر آنکھ کھل گئی۔ اُس نے اضطراب سے اپنے گھنے بالوں میں ہاتھ کی انگلیاں گھما کر اپنی جگہ کا تعین کیا وہ ڈاکٹرز ریسٹ روم کے ایک کاؤچ پر دراز تھا۔ ابھی چند منٹ پہلے ہی تو ڈاکٹر گلوریا نے اُسے تھوڑی دیر آرام کی غرض سے بھیجا تھا۔ اور ان چند منٹوں میں جیسے اُس نے جنت کی سیر کرلی۔ اُس نے اٹھ کر ٹھنڈے پانی کا گلاس بھرا اور ایک ہی سانس میں پی گیا۔ اُس کے لبوں پر دھیمی سی مسکراہٹ تھی۔ خواب میں ہی سہی اُسے دیکھنے سے وہ ایکدم فریش ہوگیا تھا۔

وہ واپس وارڈ میں آ گیا۔ ڈاکٹر گلوریا ایک مریض کے ساتھ مصروف تھی۔ اُسے دیکھ کر چونکی۔

''تھینک یو ڈاکٹر گلوریا۔'' وہ خوش دلی سے مسکرایا۔

''فار واٹ؟ آئی سینڈ یو فار ریسٹ.....''

''اوہ آئی ڈڈ ریسٹ.....'' وہ مسکراتا ہوا دوسرے مریض کی طرف بڑھ گیا۔

☆......☆......☆

نواب بلال مرزا کے دوست احباب رخصت ہوئے تو وہ ڈرائنگ روم سے باہر نکل کر سیدھے لاؤنج میں آئے۔ سب بچے وہیں براجمان کسی نہ کسی کام میں مصروف تھے۔ صفیہ بیگم جو اپنی قمیض پر تر پائی کر رہی تھیں انہوں نے عینک اُتار کر تپائی پر رکھی اور انہیں دیکھا۔

''آج جلدی آ گئے..... کیا بات ہے محفل جلدی برخاست ہوگئی؟''

''کیوں بھئی..... ہماری شریک حیات کو شاید ہمارا جلدی آنا زیادہ پسند نہیں آیا۔'' اُن کی آنکھوں

میں چمک آ گئی۔

''آپ سے تو بات کرنا سولہ آنے کا گھاٹا ہے۔ ہمیشہ اُلٹا ہی مطلب لیتے ہیں۔''

''ناراض کیوں ہوتی ہیں بیگم..... آپ سے مذاق نہیں کروں گا تو کس سے کروں گا؟''

''ہاں مذاق کی فرصت بھی آپ کو تب ملتی ہے جب دوست احباب رخصت ہو جاتے ہیں۔'' بیگم نے ناراضگی سے انہیں دیکھا۔

''اگر ہم جانتے کہ آپ کو اتنی چاہ ہے ہمارے جلدی آنے کی تو بخدا ہم یہ محفل کب کی برخاست کر چکے ہوتے۔ آپ نے حکم تو کیا ہوتا..... ہم انہیں اشعار سنانے کے بجائے اپنی شاعری سے آپ کو مستفید کر دیتے۔'' انہوں نے شرارت سے کہا تو بیگم چراغ پا ہو گئیں۔

''مجھے تو آپ معاف رکھیے اپنے اشعار سے..... یہ لن ترانیاں آپ کے دوستوں کو ہی بھاتی ہیں۔'' نواب بلال مرزا کو جیسے سخت صدمہ پہنچا۔

''آپ ہمارے اشعار کو لن ترانیاں کہہ رہی ہیں اور وہ بھی بچوں کے سامنے.....''

''تو بچوں کے سامنے آپ کے منہ سے تو ہر وقت پھول جھڑتے ہیں گویا۔''

''بابا جانی.....'' بات بڑھتے دیکھ کر زارا جلدی سے اُن کے قریب آ گئی اور اُن کے پاس بیٹھ گئی۔

''آپ یہ بتائیں..... آج چائے کا مزا آیا..... کباب بہت مزے کے بنے تھے نا؟''

''ہاں آج کبابوں میں ایک خاص لذت تھی۔ حکیم صاحب بہت تعریف فرما رہے تھے۔ یہ کس کے ہاتھوں کا کمال ہے۔''

''میں نے بنائے تھے بابا جانی.....'' زارا خوش ہوتے ہوئے بولی۔ اُس کی آنکھوں میں ستاروں کی چمک دیکھ کر بلال مرزا نے محبت سے اُسے دیکھا۔

''خدا میری پیاری بیٹی کو سلامت رکھے، جگ جگ جیو بیٹا..... لیکن کبھی کبھی کوئی شیرینی اپنی والدہ محترمہ کے لیے بھی بنا لیا کرو۔ ذرا زبان میں مٹھاس رہتی ہے۔''

''بابا جانی.....'' زارا لاڈ سے بولی۔

''کیوں تنگ کرتے ہیں آپ امی جان کو..... میری امی جان سے اچھی اور پیاری عورت اس دنیا میں اور کوئی نہیں ہے۔''

''ہمیں کب انکار ہے بیٹی..... ہم تو خوش قسمت ہیں جو ان جیسا ہیرا ہمارے مقدر میں لکھا تھا۔ مگر ذرا سی دل لگی کر لینے میں کیا حرج ہے۔'' انہوں نے مسکرا کر پہلے بیگم اور پھر سارا کی طرف دیکھا جو بہت توجہ سے کتاب پڑھ رہی تھی۔

''سارا بیٹا آپ کا ٹیسٹ کیسا رہا؟''

''ایک دم فرسٹ کلاس بابا جانی..... سب سے زیادہ نمبر تھے میرے کلاس میں۔'' وہ خوشی سے بولی۔

''اُس لکی پنسل کے بغیر ہی۔'' وہ مصنوعی حیرت سے بولے۔

''بابا جانی.....'' وہ لاڈ سے بولی۔

''آپ کو تو پتہ ہے میں مذاق کر رہی تھی۔''

''اور ہمارے چھوٹے نواب کہاں ہیں، ذرا انہیں تو بلایئے۔''

''بابا جانی..... چھوٹے نواب کا موڈ اچھا نہیں ہے۔ فیل ہو گئے ٹیسٹ میں'' سارا جاتے جاتے بولی۔ شہریار آیا تو اُس کا منہ لٹکا ہوا تھا۔ بہت افسردہ لگ رہا تھا۔

''کیوں بھئی ہمارے چھوٹے نواب اس قدر افسردہ کیوں ہیں؟'' شہریار نے پلکیں اُٹھا کر باپ کی طرف دیکھا اُس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

''بابا جانی آپ ہمیں چھوٹے نواب نہ کہا

کیجیے۔''

''کیوں بیٹا جی؟''

''میں نواب نہیں ہوں۔ آپ نے اسکول میں بھی میرا نام نواب شہریار مرزا لکھوایا ہے۔ جب بھی رول کال کے لیے میرا نام بولا جاتا ہے تو سب لڑکے ہنستے ہیں۔ میرا مذاق اڑاتے ہیں۔''

زارا' سارا اور صفیہ بیگم نے بیک وقت اُسے دیکھا۔ وہ کتنا آزردہ لگ رہا تھا۔ جہاں ماں کے دل پر گھونسا پڑا۔ زارا بھی مضطرب ہوگئی۔ اپنا یہ چھوٹا بھائی اُسے بے حد عزیز تھا۔ اور اُس کی آنکھوں میں آنسو دیکھنا بہت مشکل تھا اُس کے لیے......

''کون ہنستا ہے تمہارے اوپر...... مجھے بتاؤ میں اُسے سیدھا کردوں گی۔''

''دھیرج...... دھیرج بیٹا......'' نواب بلال مرزا نے زارا کی طرف متانت سے دیکھا۔

''ہمیں اپنے بیٹے کو بزدلی کا سبق نہیں دینا اور اس دنیا میں سب کو اپنی جنگ خود لڑنی پڑتی ہے۔ اپنا دفاع خود ہی کرنا پڑتا ہے۔ اس لیے شہریار کو خود ہی ہمت کرنی ہوگی۔ آپ اِدھر آئیں بیٹا میرے پاس آیئے۔'' شہریار قریب آیا تو انہوں نے اُسے اپنے گلے سے لگایا۔

''بیٹا آپ ایک نواب کی اولاد ہیں...... اگر آپ کے نام کے ساتھ نواب لگتا ہے تو اُس کے لیے آپ کو شرمندہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ بس لوگوں کی باتوں کی پرواہ کرنا چھوڑ دیں۔ اپنا سر بلند رکھیں اپنے اندر ہمت پیدا کریں۔ خوداعتمادی پیدا کریں دل لگا کر اور محنت سے پڑھیں اتنی محنت کریں کہ سب سے آگے نکل جائیں۔ پھر دیکھیے گا کوئی آپ پر نہیں ہنسے گا۔ بلکہ سب آپ کی عزت کریں گے آپ سے دوستی کریں گے۔ سمجھ میں آئی میری بات۔'' بلال مرزا نے شفقت سے اُسے بازوؤں کے گھیرے میں لے لیا۔

''اور پتہ ہے جس کے کلاس میں ہمیشہ اچھے نمبر آتے ہیں۔ ٹیچرز بھی اُسے اچھا سمجھتے ہیں اُس کی عزت کرتے ہیں اور جس بچے کو ٹیچر اچھا سمجھے ساری کلاس اُس سے دوستی کرنا چاہتی ہے۔ اُس سے ہیلپ لینا چاہتی ہے۔ جیسے کہ میں......'' سارا نے فخر سے شہریار کی طرف دیکھا۔

''آپ وعدہ کریں ہم سے...... آج سے پڑھائی کی طرف دل سے توجہ دیں گے۔ وقت پر ہر کام کریں گے۔ ہر ٹیسٹ کی اچھی طرح تیاری کریں گے اور جب تک سب کام ختم نہ کرلیں کھیل کی طرف دھیان نہیں دیں گے...... پھر دیکھیے گا نتیجہ کیا نکلتا ہے وعدہ......؟'' انہوں نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا تو شہریار نے اپنا چھوٹا سا ہاتھ اُن کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ جسے بلال مرزا نے گرم جوشی سے دبایا۔

''بھئی بیگم......اسی وعدے کی خوشی میں چائے کا کپ ہو جائے۔ مگر آپ کے مبارک ہاتھوں سے...... ہم آج آپ کے ہاتھ کی چائے سے لطف اندوز ہونا چاہتے ہیں۔''

''آپ تو ایسے کہہ رہے ہیں جیسے ہم نے آپ کو اپنے ہاتھ کی چائے کبھی نہیں پلائی؟''

''بابا جانی...... میں بنا دیتی ہوں۔'' زارا نے اپنی خدمت پیش کی۔

''نہیں بچو...... آپ تینوں اپنے اپنے کمروں میں جا کر آرام کریں۔ آج ہم تھوڑا وقت اپنی بیگم کے ساتھ گزارنا چاہتے ہیں۔''

زارا اور سارا شرارت سے مسکراتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی گئیں۔ شہری بھی اسکول بیگ اُٹھا کر پُرجوش انداز میں اٹھا۔

''شہری...... ہیلپ چاہیے ہو تو مجھے بتانا۔'' سارا شرارت سے بولی۔

''نہیں چاہیے مجھے تمہاری ہیلپ...... آپی ہے نا...... اُن سے پوچھوں گا۔'' وہ منہ چڑا کر بولا۔ تو زارا نے گھور کر سارا کو دیکھا۔ اُس نے بڑی مشکل سے اپنی ہنسی دانتوں میں دبائی۔

''آپی رات کے کھانے میں کیا ہے؟''

''وہی جو دوپہر کو تھا......'' زارا اپنے نوٹس پر نظریں جمائے ہوئے بولی۔

''آپی میرا بالکل دل نہیں چاہ رہا دال چاول کھانے کو...... کباب بنا دیں نا......''

''سارا میرے پاس بالکل وقت نہیں ہے۔ مجھے بہت سے نوٹس تیار کرنے ہیں۔ میں نے پہلے ہی بہت کام اپنے ذمے لیے ہوئے ہیں۔ اور تم بالکل ہاتھ نہیں بٹاتی ہو...... کام چوری اچھی بات نہیں ہے اب تم بچی نہیں ہو۔ امی کا ہاتھ بٹایا کرو...... تم نے دیکھا نہیں وہ کتنی فکر مند رہتی ہیں...... اور پھر انہیں ہائی بلڈ پریشر بھی رہتا ہے۔ ہم نے ہی اُن کا خیال رکھنا ہے۔ میں اکیلے یہ ذمہ داری نہیں لے سکتی پلیز کرواَپ......''

''آپ نے تو ڈانٹنا ہی شروع کر دیا۔ بس یہ کہہ دیتیں کہ دال چاول ہی کھانے ہیں۔'' سارا نے منہ بنایا تو زارا نے افسوس سے اُسے دیکھا۔

''یعنی تمہیں میری باتوں کی سمجھ نہیں آئی؟''

''آئی ہے بابا...... آئی ہے...... آپ مجھے بس بتا دیا کریں کہ مجھے کیا کرنا ہے۔''

''اچھا اب مجھے توجہ سے نوٹس بنانے دو...... مجھے یہ کل ہی جینا کو دینے ہیں۔''

''جینا کے لیے نوٹس بنا رہی ہیں آپ؟'' سارا حیرت سے بولی۔

''ہاں...... اُسے ضرورت ہے اور وہ پے کرے گی اس کے لیے۔''

''آپ پیسے لیں گی اُس سے نوٹس کے بدلے میں۔''

''تو میرے پاس فالتو وقت نہیں ہے مفت میں لوگوں کے کام کروں اور تم اچھی طرح جانتی ہو ہمیں ہر وقت فالتو پیسوں کی ضرورت ہوتی ہے اور جینا اتنی دولت مند ہے کہ اُسے مفت میں کام کر کے دینا میں گناہ سمجھتی ہوں...... سارا وقت گپ بازیوں اور عیاشیوں میں ضائع کر دیتی ہے۔ ڈھیروں پیسے ہوتے ہیں اُس کے پاس پھر میں مفت میں اُس کا کام کیوں کروں؟''

''وہ دوست ہے آپ کی۔''

''وہ میری دوست نہیں ہے...... میں اُس جیسی خود غرض اور ناکارہ لڑکی کو اپنی دوست نہیں بنا سکتی۔ ہمارے درمیان صرف ضرورت کا رشتہ ہے۔ اُسے نوٹس چاہئیں اور مجھے رقم...... بس اتنی سی بات ہے...... اور کچھ نہیں ہمارے درمیان...... ہاں اگر کوئی مجھ جیسی لڑکی مجھ سے پڑھائی کے سلسلے میں مدد مانگے تو میں بلا تردد کسی صلے کے بغیر اُس کی مدد کروں گی۔''

''مگر آپ جینا کے لیے علیحدہ سے نوٹس کیوں بنا رہی ہیں۔ اپنے نوٹس ہی اُسے کاپی کروا کر دیں۔ اس طرح تو آپ کو ڈبل محنت کرنا پڑے گی۔''

''اپنے نوٹس تو میں کسی قیمت پر کسی کو نہیں دے سکتی۔ وہ میرا قیمتی سرمایہ ہیں۔ ویسے بھی ٹیچرز چیٹنگ کا الزام عائد کر دیں گی۔''

''تو اُس پر ہی کریں گی نا...... آپ تو اتنی لائق ہیں...... سب ٹیچرز کو پتہ ہے آپ چیٹنگ نہیں کر سکتیں۔''

''ہاں...... لیکن چیٹنگ کروانے کا الزام تو آ سکتا ہے نا...... میں مفت کی بدنامی مول نہیں لے سکتی۔ میری عزت ہے کالج میں۔'' وہ دوبارہ سے تیزی سے نوٹس بنانے میں مصروف ہوگئی۔ تھوڑی

دیر بعد رُک کر کچھ سوچنے لگی۔

''سارا.... میں غلط تو نہیں کر رہی نا...... جینا سے پیسے لے کر...... جبکہ ہمیں پیسوں کی سخت ضرورت بھی ہے۔''

''نہیں آپی...... مجھے آپ پر پورا اعتماد ہے۔ آپ اتنی اچھی ہیں کہ غلط کام نہیں کر سکتیں غلط تو جینا ہے جو کالج میں پڑھنے جاتی ہیں اور وہاں گپیں مار کر اور عیاشی کر کے واپس آجاتی ہیں اور پیسے دے کر ڈگری بنا رہی ہیں۔ شرم آنی چاہیے اُن کو۔''

''بہر حال وہ بڑی ہے تم سے...... تمہیں اُس کے بارے میں ایسے الفاظ نہیں کہنے چاہئیں۔ آئندہ احتیاط کرنا۔'' وہ سنجیدگی سے بولی۔

''ہمیں کیا...... اُس کا عمل اُس کے ساتھ ہے۔ اُسے اپنے اعمال کا حساب دینا ہے اور ہمیں اپنے اعمال کا......بس مجھے ڈر ہے امی کو پتہ چل گیا تو انہیں تکلیف ہوگی۔ وہ مجھے برا تو نہیں سمجھیں گی نا؟''

''تو اُن کو بتائے گا کون...... میں تو نہیں بتاؤں گی...... نہ ہی آپ بتائیں گی۔ ویسے بھی آپ اُن کی لاڈلی بیٹی ہیں۔ اُن کا غرور ہیں...... وہ آپ کو برا کیسے سمجھ سکتی ہیں۔''

''بے کار باتیں نہ کرو...... ماؤں کے لیے سب بچے برابر ہوتے ہیں انہیں تم بھی اتنی ہی عزیز ہو جتنی کہ میں...... اور شہری......''

''اوہ آپی...... آپ کتنی اچھی ہیں نا...... سارا بے اختیار زارا سے لپٹ گئی۔ آپ ہمیشہ صحیح وقت پر صحیح بات کہتی ہیں...... اور ہمارے لیے اتنی محنت کرتی ہیں۔''

''تم میری بہن ہو......'' زارا نے سنجیدگی سے اُسے تھپکی دی۔

''ہم فیملی ہیں اور فیملی کے لوگ ایک دوسرے کے لیے ایسا ہی کرتے ہیں۔ اب تم سنجیدگی سے پڑھو۔ مجھے اپنا کام کرنے دو۔''

☆......☆......☆

عثمانی کی کلاس ہو اور کوئی توجہ نہ دے، یہ ممکن نہیں تھا۔ وہ سخت اور با اصول تھے اور کسی صورت یہ بات پسند نہیں کرتے تھے کہ اُن کے لیکچر کے دوران کوئی آپس میں بات کرے۔ یا اُن کے منہ سے نکلی ہوئی باتوں پر توجہ نہ دے۔ لیکن آج دوبارہ ایسا ہوا کہ انہوں نے جینا کو وارننگ دی۔ وہ سر جھکائے اپنی سوچوں میں گم سم بیٹھی تھی جیسے کلاس میں موجود ہی نہ ہو۔ فضہ کا دل لمحہ بھر کے لیے دھڑکا...... جینا کسی کی اتنی پرواہ نہیں کرتی تھی اور اکثر پلٹ کر جواب بھی دے دیا کرتی تھی۔

''سر میں سن رہی ہوں...... یا...... سر میں نے لیکچر کا ایک لفظ مس نہیں کیا۔''

''سر یہ آپ کی غلط فہمی ہے...... ورنہ میری پوری توجہ لیکچر پر ہے۔''

لیکن آج دونوں بار وہ چونک کر ہوش میں آئی۔ سر کی طرف دیکھا اور پھر الرٹ ہو کر بیٹھنے کی کوشش کی۔ لیکن پھر اُسے پتہ نہ چلا وہ دوبارہ سوچ نگر کے تالاب میں غوطے کھانے لگی۔

''مس جینا...... از دیئر اینی پرابلم......'' جینا فوراً کھڑی ہوگئی۔

''آئی ایم سوری سر...... آئم ناٹ فیلنگ ویل...... پلیز ایکسکیوز می۔'' اُس کا رنگ زرد ہو رہا تھا۔ وہ تیز قدموں سے چلتی کلاس سے نکل گئی۔ سب لڑکیاں دم بخود اُسے جاتے دیکھنے لگی تھیں۔ سر عثمانی بھی کچھ حیران ہوئے۔ فضہ، ٹینا اور دانیہ خوفزدہ نظروں سے اُن کی طرف دیکھ رہی تھیں کہ جانے اب وہ کیا نہیں...... کہیں غصے میں ساری کلاس پر نہ برس پڑیں۔

لیکن بھلا ہو بیل کا...... عین اُس وقت اُس کی

آواز مژدہ جانِ فزا کی طرب سب کے کانوں میں گونجی سر کے باہر نکلتے ہی فضہ جلدی سے اٹھی۔

''تم لوگ کینٹین جا کر ریفریشمنٹ خریدو۔ میں جینا کو دیکھتی ہوں۔''

''ہم بھی ساتھ نہ چلیں۔'' ٹینا بولی تو فضہ انکار میں سر ہلا کر جلدی سے گراؤنڈ کی طرف بھاگی اور چاروں طرف متلاشی نظروں سے دیکھا۔ وہ ایک بینچ پر سر ہاتھوں میں تھامے بیٹھی تھی۔

''جینا...... جینا...... کیا ہوا؟''

''ایسے ہی طبیعت خراب ہے۔ سر میں درد ہے اور فریش فیل نہیں کر رہی۔'' وہ چپ چپ سی تھی۔ لیکن آنکھوں کی نمی فضہ سے چھپی نہ رہ سکی۔

'' لگتا ہے تمہارے مسٹر ہینڈسم کا فون نہیں آیا؟''

''نہیں......''

''ابھی تک نہیں......'' فضہ حیران رہ گئی۔

''لگتا ہے کوئی مسئلہ ہو گیا ہے۔ ورنہ ایسا تو نہیں ہو سکتا کہ ایک مہینہ گزر جانے کے بعد بھی ابھی تک موبائل نہ خریدا ہو اُس نے...... پلیز تم فکر مند نہ ہو...... دیکھو وہ تم سے محبت کرتا ہے۔ اُس نے تمہیں پرپوز بھی کیا ہے۔ وہ اپنے والدین کو تمہارے متعلق بتا کر تمہارے گھر بھی لانا چاہتا ہے۔ سوچو ذرا اُس روز تم کتنی خوش تھیں۔ جب میں تمہارے گھر آئی تھی۔ اور آج تم جانے کیا سوچ رہی ہو؟''

''بتاؤں کیا سوچ رہی ہوں......'' اُس کا لہجہ پھیکا اور آنسوؤں سے بھیگا تھا۔ فضہ کے دل کو کچھ ہونے لگا۔ اُس نے سوالیہ نظروں سے جینا کی طرف دیکھا۔

''شاید اُسے مجھ سے محبت ہی نہیں ہے۔ شاید اُس نے دھوکہ دیا ہے مجھے...... یہ سب شاید وقت گزاری کے سوا کچھ نہیں تھا۔''

''اوہ جینا......'' فضہ نے پیار سے اُس کا ہاتھ تھام لیا۔

''جس سے محبت کرتے ہیں اُس پر اعتبار کرتے ہیں۔ محبت کا رشتہ اعتماد کا رشتہ ہے۔ تم اتنی مایوسی کی باتیں کیوں کر رہی ہو؟''

''اس لیے فضہ کہ پورا مہینہ...... پورے تیس روز میں نے ہر رات ہر دن اُس کے فون کا انتظار کیا ہے اور ہر روز میرا دل بے قرار ہوا ہے۔ بلکہ ہر روز میرا دل ٹوٹا ہے۔ اُس نے کوئی اتہ پتہ کوئی نشان بھی تو نہیں چھوڑا کہ میں کسی طرح اُس کا پتہ کر سکوں۔ کوئی اپنے چاہنے والوں کے ساتھ ایسا بھی کرتا ہے...... تم ہی بتاؤ...... میں اُسے دھوکے باز نہ سمجھوں تو کیا سمجھوں؟''

''تم یہ بھی تو سوچ سکتی ہو کہ شاید اُس کے ساتھ کوئی حادثہ پیش آ گیا ہو۔ ایسا حادثہ کہ وہ تمہیں کسی طرح اطلاع نہ دے سکتا ہو...... تم اُس کے لیے دعا کر سکتی ہو کہ وہ جہاں بھی ہو خیریت سے ہو۔ اور اس قابل ہو سکے کہ تمہیں اپنی خیریت کی اطلاع دے سکے۔''

''شاید تم ٹھیک کہہ رہی ہو فضہ...... لیکن مجھے لگتا ہے اب مجھ سے اور صبر نہیں ہو سکتا۔ میں اب اور انتظار نہیں کر سکتی۔ تم نہیں جانتیں فضہ...... تم کچھ نہیں جانتیں...... اگر کچھ روز اور اسی طرح گزر گئے تو مجھے لگتا ہے میں پاگل ہو جاؤں گی۔'' فضہ نے ایک لمحہ کو پریشانی سے جینا کی طرف دیکھا وہ بے انتہا نروس لگ رہی تھی۔

''میرا ایک مشورہ ہے تمہارے لیے...... امتحان قریب آنے والے ہیں...... زارا نے تمہیں نوٹس بھی بنا دیے ہیں...... تم چند روز چھٹی کر لو...... گھر پر آرام کرو...... دماغ کو کلیئر کر کے پڑھائی کی طرف توجہ دو...... اس طرح تمہارا دھیان بھی بٹے گا اور امتحان

کی تیاری بھی ہو جائے گی۔''
''لیکن فضہ میرا تو کتاب کی طرف دیکھنے کو دل ہی نہیں چاہتا..... میرا کسی کام کو دل نہیں چاہتا یوں بھی ابھی امتحان خاصے دور ہیں اور میں نے کبھی پہلے پڑھا ہے اتنی جلدی .....؟ بس آخری دنوں میں زارا کے نوٹس سے تھوڑا بہت پڑھ کر پاس ہو جاتی ہوں۔ آج کل ڈیڈی بھی گھر پر نہیں ہیں..... چھٹیاں کیسے کر سکتی ہوں۔ ممی میری صورت دیکھیں گی تو فوراً جان لیں گی کہ کوئی نہ کوئی بات ہے۔ پھر اُن کے سوال ..... میرے اعصاب پر سوار ہو جاتے ہیں۔ میں کچھ بھی برداشت نہیں کر پاتی..... اس ایک ماہ میں تین بار رانی کی پٹائی کر چکی ہوں۔ اوہ فضہ مجھے تو خود سے ڈر لگنے لگا ہے.....'' وہ نخوت اور طنطنے سے بھرپور لڑکی کسی بچے کی مانند خوفزدہ نظر آ رہی تھی اور فضہ اُسے دیکھ کر حیران ہو رہی تھی۔

''محبت کس طرح کسی کو بدل کر رکھ دیتی ہے
کمزور کر دیتی ہے
اور کبھی کبھی خوفزدہ بھی..... مایوس اور دلگرفتہ

''دیکھو جینا..... یہ جو تمہارا مسٹر ہینڈسم ہے نا..... تمہارے ساتھ بالکل اچھا نہیں کر رہا..... میرا مطلب ہے اگر وہ دیدہ و دانستہ اس طرح کر رہا ہے اور اُسے تمہاری پرواہ نہیں ہے تو تمہیں بھی اُس کی پرواہ نہیں ہونی چاہیے۔ تمہیں چاہیے اُسے بھول جاؤ..... نکال دو دل سے بھی اور زندگی سے بھی..... تو نہیں اور سہی اور نہیں اور سہی۔''
''کاش ایسا ہو سکتا۔'' وہ جیسے خود سے بولی۔
''لیکن..... لیکن تم کچھ نہیں جانتیں جینا..... تم کچھ بھی تو نہیں جانتیں۔''
''کیا نہیں جانتی؟'' فضہ نے آنکھیں پھاڑ کر اُسے دیکھا۔
''کچھ نہیں.....'' وہ ایکدم چونک کر سنبھلی۔

''میرے لیے اُسے دل سے نکال دینا مشکل ہی نہیں ناممکن ہے جینا..... تم نہیں سمجھو گی۔ تم نے محبت نہیں کی نا۔''
''ہاں یہ تو ہے..... لیکن اگر یہی محبت ہے تو میں باز آئی ایسی محبت سے، خدا کا شکر ہے میں ان چکروں میں نہیں پڑتی۔''
تبھی اُس کی سہلیاں ہاتھوں میں مختلف چیزیں پکڑے قریب آ گئیں۔
''جینا کیا ہوا..... طبیعت تو ٹھیک ہے نا.....'' ٹینا نے پریشانی سے دیکھا۔
''ہائے کیسا زرد چہرہ ہو رہا ہے..... لگتا ہے صبح ناشتہ نہیں کیا تم نے.....'' رانیہ بھی فکرمند تھی سب چیزیں بینچ پر رکھ دی گئیں۔
''چلو جلدی سے یہ رول اور چٹنی لو اور کھاؤ تاکہ ذرا جان آئے۔'' آسیہ نے ایک پلیٹ میں رول رکھ کر اُس کی طرف بڑھایا۔ لیکن جینا نے نظر انداز کر دیا۔
''مجھے بالکل بھوک نہیں ہے آسیہ..... میرا خیال ہے میں گھر جاؤں گی۔''
''ارے روز روز تو ایسا نہیں ہو سکتا۔ اس طرح تو تمہارا حرج ہو گا اور سر بھی خفا ہوں گے۔ مسز فوزیہ بھی برا مانیں گی۔'' زارا نے ہمدردی سے اُسے سمجھانا چاہا۔
''آئی ڈونٹ کیئر زارا..... اور تم اپنا مشورہ اپنے پاس رکھو۔ مجھے کسی کے مشورے کی ضرورت نہیں ہے۔ نہ میں ان ٹیچرز کی پرواہ کرتی ہوں..... اور نہ ہی کسی اور کی..... سب جائیں بھاڑ میں۔'' زارا کا چہرہ توہین کے احساس سے سرخ ہو گیا۔ مگر اُس نے عقلمندی سے خود پر قابو پایا۔
''تمہیں زیادہ رُوڈ ہونے کی ضرورت نہیں جینا.....'' وہ بے حد متانت اور وقار سے بولی۔

''میں تو تمہاری ہمدردی میں کہہ رہی ہوں...... ورنہ مجھے تمہیں مشورہ دینے کی نہ ضرورت ہے اور نہ خواہش۔'' اُس نے سنجیدگی سے اپنا سرا ونچا کیا۔ اور پُر وقار انداز میں چلتی ہوئی وہاں سے غائب ہوگئی۔

''ہونہہ...... سمجھتی جانے کیا ہے خود کو......'' جینا زہر آلود لہجے میں بولی۔

''خود کو بہت لائق فائق سمجھتی ہے اور چلتی ایسے ہے جیسے کہیں کی شہزادی ہو۔''

فضہ حالات کو بگڑتے دیکھ کر جلدی سے اٹھی۔ اُسے پتہ تھا کہ ہینڈسم کا فون نہ آنے کی وجہ سے وہ بے چین ہو رہی ہے۔ ورنہ وہ ذرا اسے اس لہجے میں بات نہ کرتی۔ اور اس سے پہلے کہ دوسری دوستوں سے بھی یہی لہجہ اختیار کرے اُسے گھر لے جانا بہتر ہوگا۔

''چلو اٹھو جینا...... ہم گھر چل رہے ہیں...... تمہاری طبیعت اچھی نہیں ہے۔ گھر چل کر آرام کرنا بہت ضروری ہے۔ میں تمہارے ساتھ چل رہی ہوں۔''

وہ آنکھوں ہی آنکھوں میں باقی لڑکیوں کو خدا حافظ کہہ کر اُسے لے گئی۔ سب نے معنی خیز نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھا۔

''اسے کیا ہوا آج؟'' ٹینا اُلجھی اُلجھی تھی۔

''آج سے نہیں...... میں تو کئی روز سے دیکھ رہی ہوں...... اپنے آپ میں نظر نہیں آتی۔''

''کچھ تو گڑبڑ لگتی ہے مجھے تو......'' آسیہ سموسے سے شغل کرتے ہوئے بولی۔

''کیسی گڑبڑ؟'' ٹینا نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے آسیہ سے پوچھا تو وہ گانے لگی۔

''کوئی تو بات ضرور ہے...... کوئی تو راز ضرور ہے۔''

''بس کرو آسیہ......'' رانیہ زچ ہوکر بولی۔

''ہماری دوست کسی مشکل میں ہے اور تمہیں گانے کی سوجھ رہی ہے۔''

''اور ساتھ ساتھ کھانے کی بھی سوجھ رہی ہے۔'' ٹینا نے ٹکڑا جوڑا۔

''لگتا ہے یہ کوئی عشق و عاشقی کا چکر ہے......'' رانیہ معنی خیز انداز میں بولی۔

''تم نے سنا نہیں تھا اُس دن کہ کسی شہزادے سے محبت ہوگئی ہے اُسے۔''

''اوہ مائی گاڈ...... تو وہ سچ تھا۔'' ٹینا کو ذرا دیر سے سمجھ آتی تھی۔

''چھوٹی سی عمر میں لگ گیا روگ...... کہتے ہیں لوگ...... میں مر جاؤں گی۔'' آسیہ گانے سے باز نہ رہ سکی۔

''خدا نہ کرے آسیہ......'' رانیہ نے گھور کر سنجیدگی سے اُسے دیکھا۔

''پلیز کچھ سوچ سمجھ کر بولا کرو...... آخر کو جینا دوست ہے ہماری۔''

''ہاں...... ٹھیک کہہ رہی ہو...... مغرور...... ضدی اور خودسر...... مگر ہے تو دوست۔'' آسیہ سنجیدہ ہوئی تو سب اپنی اپنی جگہ جینا کے بارے میں سوچنے لگیں۔

☆......☆......☆

میز پر رات کا کھانا چن دیا گیا تھا۔ ملازمین مودب حکم کے انتظار میں کھڑے تھے۔ اماں آج جواد خاقان کی جگہ ہیڈ آف دا ٹیبل بیٹھی تھیں اور ساتھ مہتاب خاقان جینا کا انتظار کر رہی تھیں۔ آخر انہوں نے رانی سے پوچھ لیا۔

''رانی جینا کو ڈنر سرو ہونے کی اطلاع دے دی تھی؟''

''جی بیگم صاحبہ...... مگر انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ کمرے میں اندھیرا ہے۔'' رانی ذرا خوف

زدہ انداز میں بولی۔ شاید اُسے خطرہ تھا کہیں بیگم صاحبہ اُسے دوبارہ چھوٹی بیگم صاحبہ کو بلانے نہ بھیج دیں۔

''اماں......؟'' مہتاب نے بے بسی سے اماں کی طرف دیکھا۔

''تم ایک بار جا کر کوشش کرلو...... کہیں طبیعت خراب نہ ہو۔'' مہتاب بے قراری سے اٹھیں۔ جواد بھی ملک میں نہیں تھے۔ اور جینا کے سرد رویے کے باوجود انہیں ہی یہ ذمہ داری اٹھانی تھی۔ ویسے بھی وہ محبت سے مجبور تھیں۔ بیٹی کچھی کچھی رہتی تھی۔ مگر وہ تو ماں تھیں اور یہ خدشہ کہ کہیں وہ بیمار نہ ہو اُن کے قدموں کو اور تیز کر رہا تھا۔ انہوں نے دروازہ ناک کیا۔ جواب نہ ملا تو آہستہ سے کھول کر اندر آ گئیں۔ پورا کمرہ اندھیرے میں ڈوبا تھا۔

''جینا......'' انہوں نے آہستہ سے آواز دی۔ جینا جاگ رہی تھی۔ بلکہ آنسو بہا رہی تھی۔ لیکن ماں کی آواز سن کر بے حس و حرکت لیٹی رہی تا کہ وہ یہی سمجھیں کہ وہ سو رہی ہے۔ وہ اس وقت کسی مداخلت کی روادار نہیں ہو سکتی تھی۔ اور نہ چاہتی تھی کہ اُس کے آنسو کوئی دیکھے۔ خاص طور پر ممی تو بالکل نہیں۔

''جینا...... بیٹے طبیعت تو ٹھیک ہے نا...... سب ڈنر پر انتظار کر رہے ہیں۔'' جینا نے کوئی حرکت نہیں کی تو وہ مایوس لوٹ گئیں۔

''اماں اس وقت تو سو رہی ہے بعد میں کھانا بھجوا دیں گے۔''

انہوں نے کہا اور بیٹھ گئیں۔ مگر جانے کیوں چند لقموں کے علاوہ کچھ بھی حلق سے نہ اترا۔ اُن کی چھٹی حس بار بار کسی غلط بات کی نشاندہی کر رہی تھی۔ کتنے دنوں سے وہ اُسے کھویا کھویا اور گم صم دیکھ رہی تھیں۔ لیکن اُس سے کچھ پوچھنا اُس کے عتاب کو دعوت دینا تھا۔ کھانے کے بعد وہ اماں کے کمرے میں آ گئیں۔

''اماں...... آپ نے محسوس کیا جینا اپنے آپ میں نہیں ہے۔ خاموش خاموش سی ہے۔ زیادہ تر کمرے میں بند رہتی ہے۔ کھانا پینا بھی کم کر دیا ہے۔ میں فکر مند ہوں۔''

''فکر کی کوئی بات نہیں ہے...... اصل میں جواد سے جدائی اُس سے برداشت نہیں ہوتی زیادہ دن اسی لیے گم سم سی ہو جاتی ہے۔ محبت تو بہت کرتی ہے باپ سے...... تھوڑے زیادہ دن ہو جائیں تو پریشان ہو جاتی ہے۔ تم فکر نہ کرو...... دیکھنا جواد آئے گا تو کیسی مینا کی طرح چہکنے لگے گی۔ قہقہے بکھیرے گی۔ تتلی بن کر اڑنے لگی گی تم جانتی تو ہو......''

اماں نے اُسے تسلی دی تو تھوڑا قرار آیا...... مگر دل سے پریشانی رخصت نہ ہو سکی۔ رات دیر تک بے چینی سے ٹہلتی رہیں۔ ٹھیک ہے اُن کے تعلقات عام ماں بیٹیوں سے جدا تھے...... وہ انہیں اہمیت نہیں دیتی تھی۔ سرد مہری کا برتاؤ کرتی تھی۔ مگر تھی تو اُن کے جسم کا حصہ...... اُن کے دل کا ٹکڑا...... اُس کے لیے پریشان ہونا وہ اپنا حق سمجھتی تھیں۔ اور سچی بات تو یہ ہے کہ آج انہیں قرار نہیں آ رہا تھا۔ رات کا ایک بج گیا۔ لیکن وہ بستر پر کروٹیں بدلتی رہیں۔ آنکھیں بار بار بھیگ جاتیں...... دل چاہ رہا تھا کہ جا کر ایک بار دیکھ آئیں۔ اپنی تسلی کر لیں...... رہ نہ سکیں تو چپل پہن کر چل دیں۔ کمرے کے باہر پہنچ کر ٹھٹک گئیں اندر سے اُس کی سسکیوں کی آواز آ رہی تھی۔ کچھ سوچے سمجھے بغیر بے اختیار دروازہ کھولا۔ خوش قسمتی سے لاک نہیں تھا۔ اُسے بستر پر گھٹنوں میں منہ دیے بے قراری سے روتے دیکھ کر دل پر چوٹ پڑی۔ بے اختیار آگے بڑھ کر اُسے بازوؤں میں لے لیا۔

''کیا بات ہے میری جان کیوں رو رہی ہو؟''

اُس نے بے اختیار سر اٹھایا۔ عجیب سی نظروں سے

انہیں دیکھا۔ آنسوؤں سے بھیگے گال ہاتھ کی پشت سے رگڑ کر صاف کیے۔

"آپ کو کیا؟ آپ کیوں آئی ہیں یہاں؟" گستاخی سے بولی تو مہتاب شرمندہ ہوئیں۔

"رات کو تم نے کھانا بھی نہیں کھایا...... میں نے سوچا طبیعت خراب نہ ہو اس لیے......"

"ہونہہ...... میری طبیعت سے آپ کو کیا؟ آپ کو فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ میں ٹھیک ہوں۔" کچھ خیال آیا تو آواز کی تندی کم ہوگئی۔ تھوڑی سی نرمی آگئی۔

"اگر ٹھیک ہو تو رو کیوں رہی ہو؟"

"اس لیے کہ مجھے ڈیڈی یاد آ رہے ہیں......" وہ ایک دم چیخ پڑی۔

"میرا دل اُن کے لیے اُداس ہے میرا کچھ کرنے کو دل نہیں چاہ رہا...... میرا کچھ کھانے کو دل نہیں چاہتا...... میرا کسی سے بات کرنے کا دل نہیں چاہتا...... کوئی اچھا نہیں لگتا۔" وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ مہتاب کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں لے لیا۔ اُس نے آگے بڑھ کر زبردستی اُسے اپنے ساتھ لگا لیا۔ اور اُس کے بالوں میں ہاتھ پھیرنے لگیں۔ تھوڑی سی مزاحمت کے بعد جینا نے خود کو ڈھیلا چھوڑ دیا اور ہچکیوں اور سسکیوں سے رونے لگی۔ کچھ وقت گزرا۔ دل کا بوجھ ہلکا ہوا طوفان ذرا تھما تو اُسے احساس ہوا کہ وہ ممی کے ساتھ لگی ہے۔ وہ جلدی سے پرے ہوگئی۔

"میں ٹھیک ہوں...... آپ جائیں پلیز......" جانے کیوں دوبارہ ہلکی سی تلخی آواز میں آگئی تھی۔ مہتاب کھڑی ہو کر چند لمحے آزردگی سے اُسے دیکھتی رہیں اور پھر بوجھل قدموں سے آہستہ آہستہ باہر نکل گئیں۔ اپنے کمرے میں آکر دل میں درد چھپائے کھڑکی کے پاس پڑی راکنگ چیئر پر بیٹھ کر خالی خالی نظروں سے سامنے سائیڈ ٹیبل پر پڑی جینا کی کھلکھلاتی تصویر کو دیکھے گئیں۔ اُن کا کمرہ سفید رنگت کی پاکیزگی سمیٹے ہوئے تھا۔ کھڑکیوں پر سفید ریشمی پردے کھلی کھڑکی سے آنے والی ہلکی ہلکی ہوا سے لہرا رہے تھے۔ فرش پر سفید بے داغ دبیز قالین تھا۔ وسط میں شاہانہ کنگ سائز بیڈ تھا جس پر سفید کاٹن کی بیڈ شیٹس بچھی تھیں۔ دونوں تکیوں پر سفید فرل اور خوبصورت کڑھائی والے غلاف تھے۔ اور اُسی کے ساتھ میل کھاتی سفید ریشم کی خوبصورت نرم و ملائم رضائی تھی جس کے تین اطراف پر بڑی خوبصورت لیس کی جھالریں لگی تھیں۔ دوسرے سائیڈ ٹیبل پر کرسٹل کے قیمتی بڑے سے گلدان میں سفید گلاب کے تازہ پھول تھے جو مالی روزانہ اُن کی ہدایت پر صبح صبح ہی گلدستے کی صورت میں انہیں پیش کرتا تھا۔ چھت پر خوبصورت نقش و نگار بنے تھے اور عین وسط میں کرسٹل کا فانوس تھا۔ جو روشن ہوئے بغیر بھی کمرے میں پھیلی ہلکی دودھیا روشنی سے جگمگا رہا تھا۔ لیکن مہتاب کے دل میں تو اندھیروں کا بسیرا تھا۔ جنہوں نے طویل عرصے سے وہاں اپنا گھر بنا رکھا تھا۔ اب تو وہ ان اندھیروں کی اتنی عادی ہوگئی تھیں کہ روشنی یا امید کی ننھی سی کرن سے بھی خوفزدہ ہوجاتی تھیں جیسے اس وقت تھیں۔ جینا نے چند نازک اور کمزور لمحوں میں اُن کے ساتھ لگ کر چند آنسو بہا کر جو ننھا سا جگنو اُن کے ہاتھ میں تھمایا تھا۔ وہ انہیں بے قرار کرنے کے ساتھ ساتھ خوفزدہ بھی کر رہا تھا۔

کیا ایسا ہوسکتا ہے؟
کیا زندگی میں بھی
اُن کی بیٹی
اُن کے دل کا ٹکڑا
اُن کی زندگی

اُن کے قریب آ سکتی ہے۔ اُسے اپنے سینے سے لگانے کی حسرت اُن کے دل میں کیسے پل پل کر جوان ہوئی تھی۔ لہو کے ساتھ دوڑ رہی تھی۔ دھڑکن بن کر دل میں سمائی تھی۔

اور آج...... جب اُس بیٹی کی آنکھوں میں بے قراری کے آنسو دیکھے تو دل پر کیسی چوٹ لگی تھی۔ دل سینے میں بے قابو ہوا جا رہا تھا' تڑپ رہا تھا۔ وہ بے قراری سے اُٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگیں۔ ہر اُٹھتے قدم میں ہزاروں ناکام تمناؤں کے الاؤ بھڑک رہے تھے۔ اپنے ریشمی سفید گاؤن کی ڈوریاں باندھتے ہوئے انہوں نے سوچا۔

آخر پچھلے بیس سالوں میں

انہوں نے کیا پایا؟

صرف ایک خوشی...... ماں بننے کی خوشی......

اپنے خون سے...... ایک بے حد خوبصورت تخلیق دنیا میں لانے کی خوشی......

صرف ایک خوشی

اور

اگر کھونے کا حساب لگانے بیٹھیں تو خساروں کے اتنے زیادہ انبار ہیں کہ ایک بلند قامت پہاڑ وجود میں آ سکتا ہے۔

اُس پہلی رات کے بعد جب جواد نے سختی سے اُسے بازوؤں سے تھاما تھا اور مہتاب نے اُس سے بھی زیادہ سختی سے اُن کے بازوؤں کو جھٹک کر اپنے قدم اُن کے بلند قامت وجود سے پرے ہٹائے تھے۔ مہتاب کے اس طرح اُن کے ہاتھ جھٹکنے نے اُن کے اندر جیسے بجلیاں سی بھر دی تھیں۔ مردانہ غرور اور انتقام کے الاؤ بھڑکا دیے تھے۔ انہوں نے اپنی وحشت اور دیوانگی سے اپنے اندر کے الاؤ تو ٹھنڈے کر لیے تھے۔ لیکن مہتاب کو عمر بھر اُن میں جلنے کے لیے تنہا چھوڑ دیا تھا۔ وہ ایک طویل عرصے تک اُس میں جلتی رہی۔ اُس الاؤ کو ٹھنڈا کرنے کا ایک موقع اُسے قدرت نے فراہم کیا تھا۔ وہ جینا کی پیدائش کا روح پرور واقعہ تھا۔ وہ اُسے اپنی تمام محرومیوں کا مداوا سمجھتی تھی۔ اپنی پیاسی روح کی پیاس بجھانے کا ذریعہ سمجھتی تھی۔ اُس نے سوچا تھا اب اُسے دنیا کی کوئی پرواہ نہیں وہ اپنی ذات کو جینا کی ذات میں گم کر دے گی اور باقی ساری دنیا کو بھول جائے گی۔ تقدیر کے گھاؤ...... جواد کی بے رحمی اور نفرت سب فراموش کر دے گی۔ مگر جواد کی بے دردی نے اُس کے ہاتھوں سے یہ موقع یوں چھین لیا جیسے مٹھی سے ریت پھسل جاتی ہے اور وہ حیران پریشان دیکھتی رہ گئی۔ بے بسی سے ہاتھ ملتی رہ گئی۔ جینا کو صرف دودھ پلانے کے لیے اُس کے پاس لایا جاتا۔ تو وہ اُسی وقت کو غنیمت جان کر اپنی روح اور آنکھوں کی پیاس بجھاتی۔ اُس کے ننھے سے معصوم چہرے پر بوسوں کی بارش کر دیتی۔ وہ ننھی سی جان گھبرا کر بے اختیار رونے لگتی تو وہ خوفزدہ ہو کر اُسے اپنے سینے کی گرمی فراہم کر کے خاموش کرواتی مبادا کہ جواد اُس کی آواز سن کر اُسے چھین کر لے نہ جائیں۔ نظروں سے ہی پروانہ وار اُس پر نثار ہوتی رہتی۔ اور جب دو سال بعد جواد نے اُس کا دودھ چھڑوا دیا تو محبت کی برسات کے وہ نرم و گرم لمحے بھی اپنی موت آپ مر گئے۔ لیکن مہتاب کی بے قراریاں بڑھتی گئیں۔ وہ حیران ہو کر سوچتی کہ اُس کی خاموش محبت بھری نظریں...... اُس کے سینے کی آفاقی محبت بھری گرمی نے ان دو سالوں میں جینا پر اثر کیوں نہیں کیا......

اُسے اُس کی ذات میں محصور کیوں نہیں کیا۔ وہ کیوں بھاگ بھاگ کر واپس اُس کے پاس نہیں آنا چاہتی۔

بچے تو بڑوں سے زیادہ محبت کی پہچان رکھتے ہیں۔ اگر وہ اُسے اپنی آیا بھی سمجھتی تھی تو اُس محبت کو تو

محسوس کرسکتی تھی۔ اور اُسے یاد ہے چھوٹی عمر میں جب وہ ڈھائی سال کی تھی تو اُس کے بلانے پر اُس کے پاس آجاتی تھی۔ جب بھی جواد گھر نہیں ہوتے تھے۔ وہ اکثر کوشش کرتی تھی کہ اپنی پیاسی ممتا کو سیراب کرنے کے لیے کچھ لمحے چرالے..... اُسے اپنے ہاتھوں سے اُس کے لیے کوئی مزیدار سی چیز تیار کر کے اُسے اپنے ساتھ ٹیبل کے ساتھ رکھی ہائی چیئر پر بٹھا کر اپنے ہاتھوں سے ننھے منے نوالے بنا کر اُس کے منہ میں ڈالتی۔ جنہیں کھا کر وہ چمکتی آنکھوں اور مسکراتے لبوں سے مہتاب کی طرف دیکھتی تو مہتاب کو محسوس ہوتا ہے کہ اُس ننھے سے دل میں بھی اُس کے لیے تھوڑی بہت محبت ہے۔ لیکن پھر ایسا ہوتا کہ کہیں سے جواد نمودار ہوتے اور اُسے قہر آلود نظروں سے دیکھتے ہوئے جینا کو گود میں اُٹھا کر لے جاتے..... وہ مڑ مڑ کر اُسے دیکھتی لیکن جواد کبھی گڑیا کبھی رائڈز اور کبھی چاکلیٹ کا لالچ دے کر اُس کے ذہن کی سلیٹ صاف کرنے کی کوشش کرتے اور بچوں کی تو یادداشت ایسی ہوتی ہے کہ پل میں پچھلی بات ذہن سے نکل جاتی ہے۔ بعد میں جب جینا سو جاتی تو وہ اُسے تنبیہہ کرنے پہنچ جاتے۔

''میں نے تمہیں منع کیا تھا جینا سے دور رہو۔''

''یہ ناممکن ہے..... وہ میری بیٹی ہے۔'' وہ متانت سے کہتیں

''وہ تمہاری بیٹی نہیں ہے۔ اس بات کو ابھی بھول جاؤ تو اچھا ہے۔ ورنہ نقصان اٹھاؤ گی سراسر خسارے میں رہو گی۔''

''محبت خساروں کی پرواہ نہیں کرتی..... بلکہ محبت تو سراسر خسارے کا سودا ہے۔ مجھ سے بہتر کون یہ بات سمجھ سکتا ہے جواد۔''

''لیکن تمہیں اُسے بھولنا ہوگا۔ میں اُس پر تمہارا سایہ بھی پڑنے نہیں دوں گا۔''

''ایسا ممکن نہیں ہے کہ میں اُسے بھول جاؤں..... میں نے اُسے جنم دیا ہے..... ہمارا جنم جنم کا ساتھ ہے..... وہ میرے جسم کا حصہ ہے..... اور جسم کا حصہ کبھی الگ نہیں ہوسکتا۔ تم کتنی بھی کوششیں کرلو جواد..... آخر میں اُسے میرے پاس ہی آنا ہے۔ میں ماں ہوں اُس کی..... محبت کرتی ہوں..... جان دینے کو تیار ہوں اُس کے لیے، کبھی تو اُسے اس بات کا احساس ہو کر رہے گا' اور میں اُس وقت کا انتظار کروں گی۔''

''ہونہہ..... جواد کے لبوں سے نکلا......

''میں یہ وقت کبھی نہیں آنے دوں گا۔''

''وقت کو کوئی قید نہیں کرسکتا جواد..... وقت اپنے میں کب کیا سمیٹ کر لاتا ہے یہ کوئی نہیں جان سکتا ہے۔ وقت کی چوٹ اچانک اور سخت ہوتی ہے۔ اس سے ڈرنا چاہیے۔ وقت ایک سا نہیں رہتا۔ آج یہ تمہارے ساتھ میں ہے۔ آج طاقت کا دائرہ اختیار تمہارے قابو میں ہے۔ کل ہوسکتا ہے میرے پاس ہو۔''

''اوہ..... جاہل عورت..... میں ہی بیوقوف ہوں جو تم سے بحث کرنے بیٹھ جاتا ہوں..... ایک لاحاصل بحث..... ورنہ تم سے بات کرنا ہی فضول ہے۔ تم سے شادی کر کے ایک عذاب میں زندگی آ گئی ہے۔ کوئی ایک خوشی کا لمحہ میسر نہیں آیا۔''

''یہ تو سراسر زیادتی ہے جواد.....'' وہ انہیں جلانے کو استہزائیہ مسکراہٹ لبوں پر لائیں۔

''کم از کم ایک خوشی تو آپ کو میری وجہ سے ملی ہے۔ وہ خوشی جو پوری کی پوری آپ خود تک محدود رکھنا چاہتے ہیں۔ بھول گئے..... میری وجہ سے آپ کو جینا ملی ہے۔'' جواد نے خونخوار نظروں سے اُسے دیکھا۔

'یہ بھی میری بدقسمتی ہے کہ جینا کی ماں تم ہو......

ورنہ..... ورنہ.....'' وہ کچھ کہتے کہتے رُک گئے۔

''تو آپ شوق سے کسی اور کو اُس کی ماں بنادیں۔'' مہتاب نے اُن کے زخموں پر نمک چھڑکا..... کیونکہ وہ جانتی تھی ایسا کرنا اب جواد کے لیے ممکن نہیں رہا۔ جواد اپنے پیچھے زور سے دروازہ بند کر کے گئے تو اُس کے لبوں سے مسکراہٹ رخصت ہوگئی۔ دل میں کسک سی ہونے لگی۔ اُسے آج بھی یاد تھا شادی کے شروع دنوں میں جواد نے اُسے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ وہ جلد ہی دوسری شادی کریں گے اور اُس پر سوکن کا عذاب لائیں گے تو صحیح معنوں میں اُن کے دل کو چین نصیب ہوگا۔'' مہتاب کا دل اندر سے کٹ رہا تھا۔ لیکن اُس نے بات کو ہنسی میں اڑانے کی کوشش کی تھی۔

''ضرور کریں دوسری شادی..... لیکن پھر تو آپ کو میری طرف بھی توجہ دینی پڑے گی۔''

''وہ کیوں؟'' وہ حیران ہوئے۔

''آپ مسلمان ہیں..... اتنا تو جانتے ہوں گے کہ دوسری شادی اس صورت میں کرنے کی اجازت ہے جب آپ دونوں بیویوں سے انصاف کر سکیں۔ انہیں ایک جیسا وقت دیں۔ اُن کے ساتھ ایک جیسا سلوک کریں۔'' مہتاب کے لبوں پر وہی دل جلانے والی مسکراہٹ تھی جو اُن کا پارہ آسمان تک پہنچا دیتی تھی۔ اُن کی آنکھیں غصے سے سرخ ہوگئی تھیں۔

''اوہ..... تو تم آج تک اس خوش فہمی میں ہو کہ شاید اس طرح تمہیں محبت کی بھیک مل جائے تو مہتاب بیگم اس غلط فہمی میں نہ رہنا۔ میں کون سا دین کے بتائے ہوئے ہر قانون اور حکم پر عمل کرتا ہوں..... کبھی نماز پڑھتے دیکھا ہے مجھے..... کبھی روزہ رکھا میں نے..... جب اتنے گناہ کیے تو ایک اور سہی..... بس ایک بات بٹھالو اپنے دل میں..... کہ میرے دل سے اپنے لیے محبت کی توقع کبھی نہ کرنا۔'' وہ یہ کہہ کر بے نیازی سے چلے گئے تھے۔ اور مہتاب اُن کی ان تکبر اور غرور سے بھرپور باتوں سے اندر ہی اندر لرز کر رہ گئی تھیں۔ لیکن خدا کی بے آواز لاٹھی نے اگلے ہی ماہ مہتاب کے امید سے ہونے کی خبر سے انہیں ناقابلِ برداشت ضرب لگائی تھی۔ لیکن ابھی شاید اُن کے حواس پر اندھے بہرے اور گونگے ہونے کا پردہ پڑا تھا..... اور یہ پردہ کوئی اس سے بھی زیادہ سخت ضرب چاہتا تھا۔

جینا کو دیکھ لینے کے بعد وہ اُس کی محبت میں اس شدت سے گرفتار ہوئے کہ اُس پر سوتیلی ماں لانے کا تصور بھی اُن کے لیے محال تھا۔ وہ چاہتے تو یہ بھی کر سکتے تھے کہ جینا کو اپنی حقیقی ماں کی گود میں پرورش پانے دیتے اور پھر بھی مہتاب پر سوکن لے آتے۔ لیکن مہتاب کو کسی بات سے سکون اور خوشی مل جائے یہ انہیں کہاں گوارا تھا۔ اپنی خوشی سے زیادہ یہ بات اُن کے لیے زیادہ اہم تھی کہ مہتاب ناخوش رہے، تڑپتی رہے، کانٹوں پر لوٹتی رہے..... انہوں نے یہ کبھی نہ سوچا تھا کہ مہتاب کو تکلیف دینا اُن کے لیے اتنا اہم کیوں ہے..... آخر وہ اُسے کسی بے کار شے کی مانند نظر انداز کر کے اپنی دنیا میں مگن کیوں نہیں ہو سکتے..... اگر وہ سوچتے تو شاید کبھی اس بات کا جواب انہیں مل جاتا جو انہیں حیران کر دیتا۔

☆.....☆.....☆

زارا کالج سے آئی تو الماس بوا نے دروازہ کھولا..... وہ اس وقت انہیں دیکھ کر حیران ہوگئی۔

''ارے الماس بوا..... آج آپ ابھی تک یہاں ہیں..... کیا دیر سے آئی تھیں؟''

''نہیں تو بٹیا..... آج بیگم صاحبہ کو کام کچھ زیادہ تھا تو مجھے روک لیا۔''

''کیسا کام؟ اور امی ہیں کہاں؟'' اُس نے اندر آ کر لاؤنج میں جھانکا کچن کے بعد امی کے کمرے

میں بھی دیکھا۔ کہیں نظر نہ آئیں تو بوا سے پوچھا۔
''سب پچھلے صحن میں ہیں..... سارا اور چھوٹے میاں بھی وہیں ہیں۔''
''پچھلے صحن میں..... وہاں کیوں بوا؟'' زارا حیران ہوئی۔
''خود ہی دیکھ لیں جا کر.....'' بوا مسکرائیں۔
''میں نے چاول دم دیے ہیں..... بڑے صاحب بھی آنے والے ہیں۔ بیگم صاحبہ نے کہا تھا کچن سے ہلنا نہیں۔''
''اچھا میں دیکھتی ہوں۔'' زارا نے کتابیں اپنے کمرے میں رکھیں اور امی کے کمرے سے ہوتی ہوئی پچھلا دروازہ کھول کر صحن میں آ گئی۔ وہاں تو منظر ہی عجیب تھا۔ لان میں جگہ جگہ چٹائیوں پر بے شمار کپڑے بکھرے پڑے تھے۔ سارا اور شہریار ذوق وشوق سے ایک ایک چیز اُٹھا کر دیکھ رہے تھے۔ امی کرسی پر بیٹھی چیزوں کی نگرانی کر رہی تھیں۔ ہر سال وہ دادی جان کے قیمتی کپڑوں کو دھوپ لگواتی تھیں۔
''السلام علیکم امی جان! یہ کیا ہو رہا ہے؟''
''جیتی رہو بیٹی..... آج دھوپ ذرا تیز ہے تو میں نے سوچا..... تمہاری دادی جان کے قیمتی کپڑوں کو دھوپ لگوا لوں..... کہیں کیڑا وغیرہ لگ گیا تو سب تباہ ہو جائیں گے۔''
''تو امی جان..... یہ کام الماس بوا سے لینا تھا..... آپ تھک جائیں گی۔''
''نہیں بیٹا..... یہ تمہاری دادی جان کا وہ خزانہ ہے جو تقسیم کے وقت بھی وہ ساتھ لانا نہیں بھولیں۔ کہتی تھیں یہ چیزیں خاندانی نوادرات میں شمار ہوتی ہیں۔ اور یہ میں اپنے پوتے پوتیوں کے لیے سنبھال کر رکھوں گی۔ الماس بوا کو یہاں ساتھ لگا کر میں کوئی ایسا رسک نہیں لے سکتی جس سے تمہاری دادی جان کی روح کو قبر میں تکلیف ہو۔''

''اوہ امی جان..... آپ کیسی باتیں کرتی ہیں۔ دادی جان کی روح تو اللہ میاں کے پاس ہو گی..... اور روحوں کو ان کاموں کا دھیان رکھنے کی فرصت کہاں ہوتی ہے..... اُن کے لیے تو اللہ میاں نے اس سے زیادہ بڑے کام رکھے ہوں گے۔''
''ارے آپی..... ان باتوں کو چھوڑو..... اور ذرا اِدھر تو آؤ..... ورنہ تمہارے لیے یہاں کچھ نہیں بچے گا۔ ایسے ایسے خوبصورت اور کلاسک کپڑے ہیں کہ دیکھ کر سانس ہی رُک جائے۔''
''پھر تو تم ہی دیکھو سارا..... تم ہمیں زندہ سلامت چاہیے ہو۔''
''اُس کی فکر نہ کریں..... ان کو دیکھ کر سانس رکتی بھی ہے تو سمجھیں سانس میں سانس بھی آتی ہے۔ اگر کہیں میں بے ہوش ہونے لگوں تو یہ کمخواب کا قیمتی غرارہ مجھے سنگھا دینا..... دیکھنا فوراً ہوش میں آ جاؤں گی۔''
''کمال کرتی ہو تم سارا.....'' زارا آگے بڑھی۔
''اصلی ریشم کے فرشی غرارے..... اطلس و کمخواب کی شیروانیاں..... بنارسی بے انتہا خوبصورت ساڑھیاں..... آنکھ کا نشہ..... ڈھاکہ کی ململ..... بھوپالی لباس..... حیدرآبادی لباس..... کئی قسم کے فیشن کے غرارے..... نفیس ریشم سے کڑھائی کیے ہوئے کرتے اور چوڑی دار پاجامے..... قیمتی بنارسی شلوار قمیض کے سوٹ..... شاندار دوپٹے..... جن کے کناروں پر انتہائی باریک ریشمی دھاگے سے کام کیا گیا تھا۔
''جناب مابدولت نے تو اپنے لیے لباس چن لیے ہیں..... یہ کمخواب کا غرارہ..... اور یہ گلابی ریشمی فرشی غرارہ..... اس پر تو میری نظر کب سے تھی۔ اس کے علاوہ یہ بھوپالی لباس اُف آپی اتنا خوبصورت ہے کہ میں اس سے دستبردار ہو ہی نہیں سکتی۔ ہاتھ لگا

کے دیکھیے ذرا کپڑا کس قدر نفیس ہے۔ اتنے ڈھیروں سال گزر گئے ابھی تک ویسا ہی ہے جیسے بالکل نیا ہو کل ہی خریدا ہو۔ آپ بھی اپنے لیے پسند کر لیجیے۔'' سارا کا اشتیاق اور ایکسائٹمنٹ کم ہونے میں نہیں آ رہی تھی۔ زارا نے سنجیدگی سے اُسے دیکھا۔ اشتیاق تو اُسے بھی تھا۔ چیزیں ہی اتنی خوبصورت تھیں۔ لیکن اُس نے امی کی طرف دیکھا۔

''امی اور کتنی دیر تک دھوپ لگوانی ہے۔''

''بس بیٹا میں سوچ رہی تھی تم آ جاؤ اور دیکھ لو تو اٹھوا لوں...... اب تم دیکھو تو الماس بوا سے کہوں گی اُٹھا کر اندر لے جائیں۔''

''امی...... الماس بوا کو رہنے دیں۔ میں اور سارا لے جاتے ہیں۔ شہری بھی ہماری مدد کرے گا۔ یہ سب کچھ ہم صوفے پر رکھ دیتے ہیں۔ میں اندر جا کر دیکھ لوں گی۔'' تینوں بہن بھائی سارے قیمتی کپڑے سمیٹ کر اندر لائے اور منقش صوفے پر رکھ دیے سب اندر آ گئے تو زارا نے دروازے کو کنڈی لگا دی۔ تبھی الماس بوا نے دروازہ کھٹکھٹایا۔

''بیگم صاحبہ...... کھانا تو تیار ہے...... چاول بھی چولہے سے اُتار دیے۔ اب اجازت دیں تو میں جاؤں...... بچے بھی اسکول سے آ گئے ہوں گے۔''

''ہاں ہاں الماس تم جاؤ اور وہ کھانا بھی ساتھ لے جاؤ جو تمہارے لیے علیحدہ رکھا ہے...... اور زارا بیٹی...... گیٹ کو بند کر آؤ۔''

زارا گیٹ بند کر کے اندر آئی تو سارا ابھی تک کپڑوں میں اُلجھی تھی۔ آنکھوں کی چمک اور بھی بڑھ گئی تھی۔ چہرہ جوش سے سرخ ہو رہا تھا۔

''امی جان...... یہ فرشی غرارہ تو بس میرا ہو گیا۔ قمیض کو تھوڑا ٹھیک کروانا پڑے گا۔ آپی کو تو یوں ہی سارے کپڑے پورے ہوں گے۔ لگتا ہے دادی جان جب اُن کی عمر کی تھیں تو بالکل ایسی ہی دبلی پتلی ہوں گی۔''

''ہاں...... بالکل چھریرا بدن تھا اُن کا اللہ بخشے ہر لباس ایک سے ایک بڑھ کر سجتا تھا اُن پر کچھ بھی پہن لیتیں لگتا اُن کے لیے ہی بنا ہے۔ بالکل زارا جیسا بدن تھا اُن کا...... میری بیٹی بالکل اپنی دادی پر گئی ہے۔ خوبصورت تمکنت سے بھرپور...... زارا بے اختیار شرما گئی۔

''تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ سارے قیمتی اور خوبصورت لباس اُن کو ہی دے دیے جائیں یہ ناانصافی ہو گی امی جان......''

''سارا......'' زارا نے تنبیہہ کے انداز میں اُسے دیکھا۔

''کیسی باتیں کر رہی ہو...... امی جان کے سامنے حدِ ادب ملحوظ رکھو۔ اور فکر نہ کرو...... سب تم ہی لے لو۔''

''اگر میں اپنے لیے ناانصافی پسند نہیں کرتی تو آپ کے لیے بھی نہیں کروں گی آپی جب آپ کی شادی ہو گی تو......''

''سارا......'' زارا امی کی طرف دیکھ کر آہستہ سے بولی۔

''میں نے کہا ہے نا......''

''ہاں...... حدِ ادب جانتی ہوں......'' سارا منہ پھلا کر بولی۔ اور دروازے سے باہر نکل گئی۔ زارا نے معذرت خواہانہ نظروں سے ماں کی طرف دیکھا۔

''امی آپ یہ سب چیزیں یہیں رہنے دیجیے۔ میں یونیفارم تبدیل کرنے جا رہی ہوں۔ اتنی دیر میں بابا جانی آ جائیں گے تو ہم مل کر کھانا کھائیں گے۔ پھر میں یہ سب کپڑے ٹھیک سے تہہ کر کے رکھ دوں گی۔'' زارا نے ماں کے گال پر بوسہ دیا اور اپنے کمرے میں آ گئی اور سیدھی واش روم میں گھس گئی۔

سارا آئینے کے سامنے کھڑی ہوکر اپنے بالوں کی لٹ کو گھما کر سیٹ کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

کپڑے بدل کر ہاتھ اور منہ صابن سے دھو کر باہر آئی تو سارا ابھی تک ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی تھی۔ اُس نے آئینے میں سے ہی زارا کو دیکھا۔ سیاہ بیس والی زرد اور پنک پھولوں والی شرٹ اور زرد شلوار دوپٹے میں دھلے دھلے ملیح چہرے کے ساتھ بہت اچھی لگ رہی تھی۔ سادگی ہی اُس کے حسن کا سب سے بڑا ہتھیار تھی۔

''آپ کا کیا خیال ہے آپی...... آپ زیادہ خوبصورت ہیں یا میں۔'' زارا نے پلٹ کر بڑی بڑی حیران آنکھوں سے اُسے دیکھا۔

''انتہائی بچکانہ سوال ہے سارا...... وہ پل میں سنجیدہ ہوگئی۔ لیکن میرا خیال ہے پھر بھی تمہیں اس کا جواب ملنا چاہیے۔ میری سمجھ کے مطابق تم زیادہ خوبصورت ہو۔''

''تو آپ نے جھوٹ بولنا بھی سیکھ لیا؟'' زارا زیرِلب مسکرائی۔

''ثابت کرنے کے لیے تو اتنا ہی کافی ہے کہ ہر کوئی یہ گواہی دینے کے لیے تیار ہوگا کہ آپ زیادہ خوبصورت ہیں۔''

زارا اپنا کام چھوڑ کر اُس کے پاس آئی اور اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر اُس کا رخ اپنی طرف موڑا۔

''پگلی......'' زارا کی آنکھوں میں دنیا جہاں کا پیار تھا۔ حسن دیکھنے والے کی نظر میں ہوتا ہے اور میری نظر میں تم بہت خوبصورت ہو...... اور دادی جان کے سارے ہی کپڑے تمہارے اوپر خوب سجیں گے۔ سو جو تمہاری شادی ہوگی تو سب کے سب تم لے لینا۔''

''اوہ آپی......'' سارے بے اختیار اُس سے لپٹ گئی پھر شرما کر بولی۔

''میرا یہ مطلب نہیں تھا...... میں نے پہلے بھی کہا تھا میں اتنی ناانصاف نہیں ہوں۔ کپڑے تو ہم دونوں میں برابر تقسیم ہوں گے۔ اُف آپی...... اتنی خوبصورت چیزیں...... دادی جان عقل مند تھیں جو اپنی نوابی زمانے کی یادگاریں ساتھ لے آئیں۔ ہم وہ زمانہ بھلے ہی نہ پاسکیں...... لیکن وہ لباس پہن کر کبھی کبھی اُس سنہری دور کا حصہ ضرور بن سکتے ہیں۔ جو ہماری پہنچ سے دور ہے۔''

''نوابی دور کسی محل میں رہنے...... لونڈیوں اور غلاموں پر حکم چلانے...... بڑے بڑے باغیچوں اور بارہ دریوں میں چہل قدمی کرنے یا مصاحبین میں گھرے رہنے کا نام نہیں ہے سارا نوابیت کا تعلق یہاں سے ہے۔'' اُس نے اپنے انگوٹھے سے دل کی طرف اشارہ کیا۔

''دل سخی ہے درد رکھتا ہے...... دوسروں کا درد سمجھتا ہے تو ہم نواب ہیں۔ اور اگر نہیں تو ہم نواب ہوتے ہوئے بھی فقیر ہیں...... اور یقین کرو میں نے ایسے ایسے قناعت پسند فقیرانہ مزاج رکھنے والے لوگ بھی دیکھے ہیں جن کے دل نوابوں سے بڑھ کے ہیں۔ اور ہم تو وارث ہیں اُس تہذیب کے...... اُن روایات کے جو ہمارے آباؤ اجداد ہمارے لیے چھوڑ گئے ہیں۔ اگر ہم اُن کی حفاظت کرلیں تو سمجھو ہم نے اُس سلسلے سے جڑے ہونے کا حق ادا کردیا۔'' اُس کے ساتھ ساتھ سارا کی آنکھیں بھی نم ہوگئیں۔

تبھی امی جان اور شہری اندر آگئے۔

''تم دونوں اب برتن لگا دو بیٹا...... تمہارے بابا آنے والے ہوں گے۔''

''ہاں امی بھوک تو ہمیں بھی بہت لگی ہے'' شہری معصومیت سے بولا۔

''آج کیا بنایا ہے امی......؟'' وہ سب ساتھ

ساتھ باہر نکلے تو زارا نے پوچھا۔

''نرگسی کوفتے...... اور قبولی پلاؤ......''

''آہا...... مزہ آ جائے گا...... لیکن یہ قبولی پلاؤ کیا ہوا...... پلاؤ کو آخر قبول کس نے کیا ہے؟''

''نرگسی کوفتوں نے......'' شہری کھلکھلایا۔

''ارے واہ چھوٹے نواب...... تم تو کافی عقلمند ہو گئے ہو...... پتہ ہے جب سے تم نے توجہ سے پڑھائی شروع کی ہے۔ تمہاری سمجھ میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے......'' سارا کے چہرے پر شرارت ہی شرارت تھی۔ برتن لگاتے لگاتے تینوں بہن بھائیوں کی نوک جھوک سے صفیہ بیگم محظوظ ہو رہی تھیں۔

''امی...... برتن تو لگ گئے۔ بابا جانی کے آنے تک لاؤنج میں بیٹھ جاتے ہیں۔'' زارا نے کہا تو سب لاؤنج میں آ بیٹھے۔

''امی میں سوچ رہی تھی۔ تھوڑے دنوں میں میرے فائنل شروع ہونے والے ہیں۔ ایگزامز ختم ہوں گے تو کرنے کو کچھ نہیں ہو گا۔ میں ٹیوشن پڑھانا نہ شروع کر دوں فارغ وقت میں۔'' صفیہ بیگم نے چونک کر اُسے دیکھا۔

''یہ خیال کیسے آ گیا تمہارے دل میں؟'' انہوں نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''بس ایسے ہی امی...... فارغ بیٹھنے سے بہتر ہے کہ......''

''فراغت کے تو بہت سے حل سوچے جا سکتے ہیں بیٹا...... لیکن میں ایک بات سوچ رہی تھی۔''

''وہ کیا امی......؟'' وہ بے قراری سے بولی۔

ماں کے چہرے پر ہلکی سی ناگواری بھی اُسے گراں گزر رہی تھی۔

''بیٹے کیا تمہیں کسی موقع پر کسی چیز میں کوئی کمی محسوس ہوتی ہے۔ کیا ہم تمہاری ہر ضرورت پوری کرنے میں ناکام رہے ہیں؟''

''بخدا یہ بات نہیں ہے امی جان......'' اُس کی آنکھوں میں بے اختیار آنسو آ گئے جانے اُسے کیوں لگ رہا تھا کہ اُس کی اس بات سے ماں کے دل کو ٹھیس لگی ہے۔ وہ جلدی سے دوزانو ہو کر اُن کے سامنے بیٹھ گئی۔

''آپ میری بات کو سمجھ نہیں ہیں امی...... مجھے کبھی کوئی کمی محسوس نہیں ہوئی۔ آپ نے ہمیں پھولوں کی طرح رکھا ہے۔ ہماری ہر چھوٹی سے چھوٹی ضرورت پوری کی ہے۔ لیکن کیا ہمارا فرض نہیں کہ اب ہم آپ کا ہاتھ بٹائیں۔ میں نے سوچا بابا جانی کالج میں لیکچرار ہیں۔ اتنی زیادہ تنخواہ تو نہیں ہے اُن کی...... اور ہماری ضروریات تو بڑھتی جائیں گی۔ پھر شہری بڑا ہو رہا ہے۔ اُس کو اعلیٰ تعلیم دینی ہے۔ بابا جانی کو مہمان نوازی کا حد سے زیادہ شوق ہے...... اور آپ ہر وقت کی چائے اور اُس کے ساتھ لوازمات بھجوانے پر غصہ کرتی ہیں تو اگر میری وجہ سے تھوڑی سی ہیلپ ہو جائے تو اس میں کیا برائی ہے؟''

''پگلی بیٹی......'' انہوں نے محبت سے اُس کا سر اپنے سینے سے لگا لیا۔

''میں تمہارے جذبے اور محبت کی قدر کرتی ہوں بیٹی...... لیکن تمہارے بابا جانی کے دوستوں اور چائے وغیرہ کے معاملات پر جو نوک جھونک ہمارے درمیان ہوتی ہے...... وہ مصنوعی ہے وہ میاں بیوی کی بے ضرر سی بحث ہے جو اُن کے تعلقات کو بہتر بناتی ہے۔ ورنہ خدا کے فضل سے کوئی کمی نہیں ہے۔ اُن کی تنخواہ کم ہے تو کیا ہوا...... اور رہا شہری اور ہماری دوسری ذمہ داریاں تو اُس کے لیے میری پیاری بیٹی کو فکر کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ خدا کے فضل سے اُس کا سب انتظام موجود ہے۔ ہم نے سب کے لیے علیحدہ علیحدہ رقم بینک میں جمع کر رکھی ہے۔ بلکہ تمہارے دادا جان نے سب

انتظام اپنے جانے سے پہلے ہی کر دیا تھا۔ پھر تمہاری دادی جان کے قیمتی جڑاؤ زیورات بھی ہیں اس لیے میری ہمدرد بیٹی کو فکر کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں ہے۔ بس اپنی پڑھائی پر توجہ دو...... اور ہماری ہمدردی میں کہیں کوئی غلطی نہ کر بیٹھنا۔'' زارا کا رنگ فق ہو گیا۔

تبھی شہری جو باہر نکل گیا تھا بھاگتا ہوا اندر آیا۔

''بابا جانی آ گئے...... جلدی باہر آیئے سخت بھوک لگی ہے۔''

سب اطمینانِ قلب سے مسکراتے ہوئے اُٹھ گئے۔ لیکن زارا کچھ مضطرب، کچھ بے چین سی تھی۔

☆......☆......☆

عالی سپر اسٹور سے اپنے لیے جینز کا انتخاب کرنے کے لیے ریک پر لٹکی جینز بڑے غور سے اور تنقیدی نظروں سے دیکھ رہا تھا کہ اُسے یوں لگا اُس کی روح میں بہار کا کوئی تازہ جھونکا سما گیا ہو اور اُسے نرمی سے چھو کر گزر گیا ہو۔ اُس نے چونک کر اپنے ساتھ کھڑی ہستی کو دیکھا تو آنکھوں میں بے پناہ چمک پیدا ہوئی۔ دل میں اُن چھوئے خوبصورت گُل رنگ جذبات نے ہلچل مچا دی۔ وہ سب چھوڑ کر اُس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

''ارے تم...... میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تم سے اچانک یہاں ملاقات ہو جائے گی۔ تم یہاں کیسے؟'' وہ ایکدم ہی آپ سے تم پر اتر آیا۔

لڑکی بے اختیار مسکرائی۔ ایسے میں اُس کے گالوں میں پڑتے ڈمپل اور اُس کے چہرے کا ایکدم گلابی ہو جانا عالی کو مسحور کر گیا۔

''جیسے آپ یہاں...... ویسے میں بھی۔'' وہ ذرا شوخی سے مسکرائی۔ ایسے میں اُس کی بڑی بڑی آنکھیں بھی مسکرا اٹھیں۔ گلابی رنگ کے کرتے اور پاجامے میں وہ بہت دلکش لگ رہی تھی۔ گلابی شیفون کے دوپٹے پر چاروں طرف سوٹ کے رنگ سے ذرا گہرا رنگ بہت اچھا لگ رہا تھا۔ وہ رخ موڑ کر ایک جینز ریک سے اُتار کر دیکھنے لگی۔ عالی ایکدم اُس کے سامنے آ گیا۔

''میرا مطلب ہے تم تو پاکستان میں رہتی ہو...... پھر؟''

''تو پاکستان میں رہنے والے کیا کبھی یہاں نہیں آ سکتے......'' وہ بے ساختہ معصومیت سے بولی اور بڑی مشکل سے اپنی مسکراہٹ لبوں کو دانتوں تلے دبا کر روکنے کی کوشش کی۔ اُس کی اس ادا نے عالی کے دل میں ہزاروں کلیاں کھلا دیں۔ بڑی مشکل سے دل تھام کر قابو میں کرنا پڑا۔

''تم یہاں آئیں اور مجھے اطلاع بھی نہیں دی؟'' عالی کے لہجے میں شکوہ تھا۔

''آپ نے میرے پاس کوئی نمبر ہی نہیں چھوڑا......'' وہ ادائے بے نیازی سے لہرا کر مڑی اور پھر مڑ کر مسکرا کر اُسے دیکھا۔

''انکل کے پاس تو ہمارا نمبر ہے نا...... تم اُن سے لے سکتی تھیں۔''

''توبہ کریں۔'' اُس نے شوخی سے کانوں کو ہاتھ لگایا۔

''ڈیڈی سے آپ کا نمبر مانگتی کیا آپ نے مجھے اتنا بے شرم سمجھ رکھا ہے؟'' اُس نے اپنی بڑی بڑی آنکھیں پھیلا کر اُسے دیکھا...... اور پھر جینز کا جائزہ لینے میں مصروف ہو گئی۔

''کمال ہے......'' عالی کنفیوژ تھا۔

''انکل نے بھی اطلاع نہیں دی۔''

''یہ تو آپ ڈیڈی سے پوچھیے۔'' وہ کمال بے نیازی سے بولی۔ عالی کے خوبصورت جذبوں کو ٹھیس لگی۔ وہ جو دن رات اُسی کے بارے میں سوچتا ہے۔ اُس کی کتنی راتیں اُس کی وجہ سے رت جگوں کا شکار رہی تھیں۔ وہ جو خواب بھی دیکھتا تھا تو اُسی

دشمنِ جاں کے..... اور اُسے جیسے اُس کی اتنی سی پرواہ بھی نہیں تھی کہ وہ اُس کے ملک میں..... اُس کے شہر میں آتی تو اطلاع ہی دے دیتی۔ کیا وہ اُس سے ملنا نہیں چاہتی..... کیا اُس کا دل وہ تمام جذبات شیئر نہیں کرتا جس کا عالی پہلی ملاقات سے ہی شکار ہو گیا تھا۔ کیا وہ اُس کے جذبات سے بالکل انجان ہے۔ اُس کا دل ایکدم ہر چیز سے اُچاٹ ہو گیا۔ بڑی مشکل سے وقت نکالا تھا خریداری کے لیے..... وقت اتنا کم تھا کہ اسپتال سے سیدھا اِدھر آ گیا تھا۔ اُسے کچھ نئے کپڑوں کی ازحد ضرورت تھی۔ اس لیے گھر بھی نہیں گیا تھا۔ ورنہ فری اور زیبی کے بغیر شاپنگ کا مزا ہی نہیں آتا تھا۔ لیکن یہاں آ کر دل پر ایک بوجھ سا آن پڑا تھا۔ وہ جسے اپنی زندگی اپنا دین وایمان سمجھ بیٹھا تھا۔ اُس کے دل کے لیے اتنی سی گنجائش بھی نہیں تھی کہ اُسے اپنے آنے کی اطلاع ہی دے دیتی۔ اطلاع دینا تو ایک طرف اگر آج یہاں اچانک ملاقات نہ ہو جاتی تو شاید وہ ملے بغیر ہی چلی جاتی۔ اُس کے نوخیز جذبات کی توہین عالی سے برداشت نہ ہو سکی۔ وہ من من بھر کے قدم لیے اُس کی طرف بڑھا۔

''مجھے بہت افسوس ہے محترمہ میں نے آپ کا قیمتی وقت ضائع کیا۔'' بیگانگی ظاہر کرنے کے لیے وہ پھر تم سے آپ پر آ گیا۔ اُس کی آنکھوں میں گہری سنجیدگی اور چہرے پر اَن دیکھا ملال تھا۔ جس نے اُس کی شخصیت کو ایک وقار عطا کیا تھا۔

''میں بے حد معذرت خواہ ہوں۔ آپ شوق سے اور توجہ سے اپنی شاپنگ مکمل کیجیے میں اب آپ کو ڈسٹرب نہیں کروں گا..... چلتا ہوں۔'' وہ ایکدم مڑا اور بوجھل قدموں سے واپسی کے راستے کی طرف بڑھا۔ تبھی اُسے اپنے پیچھے بھاگتے قدموں کی آواز آئی اور دوسرے ہی لمحے ایک نازک ہاتھ اُس کے کندھے پر تھا۔ عالی کے قدم وہیں رُک گئے وہ گھوم کر عین اُس کے سامنے آ گئی۔ لبوں پر مسکراہٹ اور آنکھوں میں شرارت کی چمک لیے۔

''ناراض ہو گئے؟'' وہ ادائے محبوبی سے بولی تو عالی کو دل تھامنا پڑا۔ مگر سنجیدہ رہا۔

''تو اس کا مطلب ہے آپ مجھے چائے کی آفر نہیں کریں گے؟'' عالی پھر بھی خاموش رہا..... تو اُس نے مصنوعی ٹھنڈی سانس بھری۔

''اس کا یہ بھی مطلب ہے کہ آپ مجھے اپنے گھر بھی نہیں لے جائیں گے..... اور اس حالت میں اپنے والدین سے ملوانے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔'' وہ مصنوعی افسوس سے کہہ رہی تھی جبکہ لبوں سے مسکراہٹ پھوٹی پڑ رہی تھی۔ عالی کے بے چین دل کو قرار آ گیا۔ لیکن وہ اُسے تھوڑا اور تنگ کرنا چاہتا تھا۔

''یہ تو ٹھیک سوچا تم نے.....'' دل ہلکا ہوا تو پھر آپ سے تم پر آ گیا۔

''تمہیں گھر لے جا کر اپنے والدین سے ملواؤں..... یعنی اپنا امیج خراب کروں..... شریف آدمی ہوں بھئی.....'' وہ ایکدم بجھ گئی۔

''لیکن آپ کے ڈیڈی میرے ڈیڈی کے دوست ہیں اور اپنے ڈیڈی کے کہنے پر تو آپ مجھ سے ملنے پاکستان آئے تھے۔ پھر انہیں کیوں اعتراض ہو گا؟'' وہ آنکھوں میں بے یقینی اور حیرانی لیے بولی تو عالی کے دل پر سکون کی پھوار سی گرنے لگی۔ یہ بے یقینی اور حیرانی اور شفاف چمکتی آنکھیں دل میں کھب گئیں۔

''ڈیڈی نے کہا تھا تو آپ سے مل لیا۔ لیکن اب ڈیڈی نے یہ تو نہیں کہا کہ اُسے اپنے گھر بھی لے آؤ۔ اور میں تو بھئی اپنے ڈیڈی کی مرضی کے بغیر ایک قدم نہیں اٹھا سکتا۔'' عالی نے پورا جملہ ادا کر کے

رخ موڑا اور کنکھیوں سے اُس کے مایوس چہرے کی طرف دیکھا۔ اُس کی وہ خوبصورت آنکھیں بھیگنے لگی تھیں جنہیں دیکھے بغیر وہ رات کو سو نہیں سکتا تھا۔ اُس نے فوراً ہتھیار ڈال دیے۔

''ہاں اگر آپ کی بہت زیادہ خواہش ہے تو قریبی ریستوران میں چائے کی آفر ضرور کر سکتا ہوں۔''

لڑکی نے ایک لمحہ کو اپنی بھیگی آنکھوں سے اُسے دیکھا۔ عالی اُن میں ڈوب ڈوب گیا۔ ابھرنے کی کوشش میں بے اختیار نظریں ہٹانی پڑیں۔

''پھر کیا خیال ہے؟''

''آپ کا بہت شکریہ......'' وہ دھیرے سے بولی۔

''پھر کبھی سہی۔'' وہ بہت اُداس خاموش اور افسردہ لگ رہی تھی۔ وہ مڑی تو بے اختیار عالی نے اُس کا بازو تھام لیا۔

''پلیز میرا بازو چھوڑ دیجیے۔ میں اپنا امیج خراب نہیں کرنا چاہتی اور وہ بھی دیارِ غیر میں کسی پاکستانی کے ہاتھوں۔'' وہ بازو چھڑا کر تیز تیز قدموں سے تقریباً دوڑنے لگی۔ عالی اُس کے پیچھے بھاگا...... اور......

اور اپنے بستر سے نیچے آ گرا۔ آنکھ کھلی تو حیرت سے اِدھر اُدھر دیکھا۔ وہ اپنے کمرے میں تھا اور سوتے سوتے اُس کے پیچھے بھاگنے کے چکر میں بستر سے نیچے آن گرا تھا۔ وہ جلدی سے اُٹھ کر بستر پر بیٹھ گیا۔ اور بیڈ سائیڈ دراز کھول کر اُس کی تصویر نکال لی۔ اور آنکھوں میں شوق کا ایک جہان لیے اُس پیارے چہرے کو دیکھنے لگا۔

''تم...... پیاری لڑکی...... تم نے میری زندگی بدل کر رکھ دی ہے۔ ایک ملاقات...... صرف ایک ملاقات ہوئی اور تم میری زندگی بن گئیں...... اب میرے رت جگوں کی مجرم بھی تم ہو...... اور میری محبت کا مرکز بھی تم ہو...... میرے دل کی خوبصورت مکین...... جانے کب وہ وقت آئے گا کہ تم اس کمرے کی مکین بھی بن جاؤ...... اور تمہاری یہ نشانی......'' اُس نے تصویر وہاں رکھ کر بیڈ پر ٹٹول کر کچھ ڈھونڈنے کی کوشش کی۔ تکیے جھاڑے' کمفرٹر جھاڑا۔ نیچے قالین پہ دیکھا۔ لیکن وہ کہیں نہیں تھی۔ آدھے گھنٹے کی لگاتار کوشش کے بعد بھی وہ اُس چیز کو نہ پا سکا تو کھڑا ہو گیا۔

''یہ ضرور اُن شیطانوں کی شرارت ہے۔'' وہ فوراً کمرے کے دروازے تک آیا۔

''فری زیبی کہاں ہو...... ذرا اِدھر تو آؤ۔'' دونوں لاؤنج میں قالین پر بیٹھے کوئی بورڈ گیم کھیل رہے تھے۔ معنی خیز نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھا اور اُٹھ کر بھائی کے پاس آ گئے۔

''تم دونوں میں سے کوئی میرے کمرے میں آیا تھا؟''

''ہم دونوں آئے تھے عالی بھائی۔''

''کیوں آئے تھے؟''

''ہم دیکھنے آئے تھے آپ ابھی اٹھے یا نہیں۔''

''کوئی چیز تو نہیں چھیڑی؟''

''کون سی چیز عالی بھائی......'' فری کی آنکھوں میں معمول سے زیادہ چمک تھی تو زیبی کے لبوں پر دبی دبی مسکراہٹ' جانے کیوں عالی ڈائریکٹ نہ پوچھ سکا۔

''آپ کی کوئی چیز گم ہو گئی ہے کیا؟''

''ہاں......'' وہ کھوئے کھوئے انداز میں بولا۔

''اگر آپ چیز کے بارے میں بتاتے تو شاید ہم کچھ کہہ سکتے۔ لیکن...... اب ہم جائیں کھیلنے؟''

''ہاں جاؤ'' وہ غائب دماغی کے عالم میں اندر آ گیا۔ اور بیڈ پر بیٹھ کر پھر تصویر نکال لی۔

''تم جانتی ہو تم نے مجھے کہیں کا نہیں رہنے دیا..... اب بتاؤ..... میں تمہاری واحد نشانی کو کہاں سے ڈھونڈوں۔ نشانی بھی وہ جو تمہارے خواب و خیال میں بھی نہیں ہوگا کہ میرے پاس ہے تم نے اُسے کتنا ڈھونڈا ہوگا اور پھر سوچ کر چھوڑ دیا ہوگا کہ چھوڑو کہیں گر گئی ہوگی اور تمہیں ڈھونڈنے کی ضرورت بھی کیا ہے۔ تمہارے پاس تو ایسی اتنی چیزیں ہوں گی کہ تم شمار نہیں کر سکتی ہوگی۔ تم تو اُسے بھول بھی چکی ہوگی۔ لیکن تم کیا جانو میرے لیے یہ کس قدر قیمتی ہے۔ جب جب یہ میرے ہاتھ میں آتی ہے تو میرے جسم کا انگ انگ جاگ اٹھتا ہے۔ ایک کرنٹ ہے جو پورے جسم میں دوڑ جاتا ہے۔ یہ خیال کہ اس نے کبھی تمہارے لمس سے استفادہ کیا ہوگا..... عالی نے تصویر واپس دراز میں رکھی تھی کہ دروازہ ناک ہوا اور فری اور زیبی اندر آ گئے۔ فری کی مٹھی میں کچھ بند تھا۔ اُس نے عین اُس کے سامنے آ کر مٹھی کھول دی اور شرارت سے بھائی کی طرف دیکھا۔

''یہی ڈھونڈ رہے تھے بھائی؟'' عالی نے آہستہ سے اُس کے ہاتھ سے اپنی قیمتی چیز اٹھالی۔

''یہ کیا ہے عالی بھائی؟''

''یہ پائل ہے۔''

''پائل؟ کس کی ہے؟''

''ارے بیوقوف ہماری بھابی کی ہوگی..... اور کس کی ہوگی؟'' زیبی نے مدبرانہ انداز میں کہا۔ تو فری بھڑک اٹھی۔

''تم نے مجھے بیوقوف کہا..... یہ مت بھولو کہ میں بڑی ہوں تم سے.....''

''صرف پانچ منٹ۔''

''پانچ منٹ یا پانچ سال..... بڑی تو ہوں نا..... عزت کیا کرو میری۔''

''ہا..... ہا'' زیبی کہتا ہوا باہر کو بھاگا۔ فری بھی اُسے پکڑنے کو اُس کے پیچھے بھاگی..... تو عالی نے مسکراتے ہوئے پازیب کو نرمی سے اپنی انگلیوں میں ڈال کر کسی ریشمی چیز کی طرح محسوس کیا۔ پنک اور سبز گلاب کی کلیوں اور پتیوں سے بنی نازک سی خوبصورت پازیب اُس واحد ملاقات کے دوران اُس کے پاؤں سے پھسل کر گری تھی۔ شاید اُس کا ہک ڈھیلا ہو گیا تھا۔ لیکن اُس کے جانے کے بعد عالی نے کسی قیمتی خزانے کی طرح اُسے اٹھا کر اپنی جیب میں ڈال لیا تھا۔ اُس پازیب کی وجہ سے اُسے ہر دم محسوس ہوتا تھا کہ وہ ہر وقت اُس کے قریب ہے۔ پھر اُس کا اِدھر اُدھر ہونا وہ کیسے برداشت کر سکتا تھا۔

''بھائی شام کی چائے لاؤنج میں لگ چکی ہے..... فوراً آ جائیے.....'' زیبی نے سر دروازے سے اندر گھسا کر کہا اور واپس بھاگ گیا۔ عالی باہر آیا تو ڈیڈی اور امی دونوں موجود تھے۔

''کیسے ہو برخوردار..... کچھ آرام کیا۔''

''یس ڈیڈی..... بالکل فریش ہو گیا ہوں.....'' عالی کے تصور میں وہ دلنشین خواب لہرا گیا عذرا بیگم نے چائے کا کپ پہلے جہانگیر اور پھر عالمگیر کے سامنے رکھا۔

''عالی ساتھ کیا لوگے..... بسکٹ یا رولز.....''

''امی کچھ نہیں..... بس خالی چائے لوں گا..... ورنہ رات کے کھانے کا مزہ نہیں آئے گا۔''

''رات کا کھانا تو تھوڑا لیٹ ہو جائے گا..... تمہارے ڈیڈی شاہد خان کے گھر برج پارٹی پر جا رہے ہیں..... تھوڑی دیر تو ہو جائے گی۔''

''ڈیڈی کی برج پارٹیاں کچھ زیادہ نہیں ہوتی جا رہی ہیں امی.....'' عالی نے شرارت سے عذرا بیگم کی طرف دیکھا..... جہانگیر عالی کی طرف دیکھ کر

مسکرائے۔
''اُدھر بھی یہی حال ہے بیٹا..... اُن کی میٹنگز بھی بڑھ رہی ہیں باقاعدگی سے۔''
''اچھا امی..... ڈیڈی ٹھیک کہہ رہے ہیں..... پھر فری اور زیبی کو تنہائی محسوس نہیں ہوتی؟'' اُسے فوراً اپنے چھوٹے بہن بھائیوں کا خیال آ گیا۔ جن سے وہ بے انتہا محبت کرتا تھا۔ عذرا بیگم نے چونک کر عالی کی طرف دیکھا۔
''بیٹا..... تم کیوں فکر کرتے ہو..... میری میٹنگز صرف ان دونوں کے اسکول ٹائمز تک محدود ہیں..... میں اُن کے آنے سے پہلے گھر آ جاتی ہوں۔''
''ویسے بھی اب دونوں اتنے چھوٹے نہیں رہے..... ہر قسم کے حالات سے ڈیل کرنا آنا چاہیے۔'' جہانگیر سنجیدگی سے بولے تو عالی کو شرارت سوجھی۔
''آپ کو پتہ ہے امی انکل شاہد خان کے گھر عورتیں بھی برج کھیلنے آتی ہیں۔''
''ہاں جانتی ہوں بیٹا.....'' انہوں نے اپنا کپ خالی کر کے میز پر رکھا۔
''تو بچ کے رہیے..... ذرا احتیاط کیجیے..... آپ تو جانتی ہیں میرے ڈیڈی کتنے ہینڈسم ہیں..... اگر کسی طرح دار خاتون کا دل اُن پر آ گیا تو پچھتائیں گی۔''
''ایسا نہیں ہوگا.....'' عذرا خاتون بیٹے کی شرارت پر بے اختیار مسکرائیں۔
''کیوں ڈیڈی..... کیا ایسا ہو سکتا ہے؟''
''میں کیا کہہ سکتا ہوں.....'' جہانگیر نے شرارت میں بیٹے کا ساتھ دیا۔ اب دوسری خواتین کا حال تو میں نہیں جان سکتا..... ہو سکتا ہے یہ حادثہ ہو چکا ہو اور مجھے خبر ہی نہ ہو..... اب تم نے کہا تو مجھے الرٹ رہنا پڑے گا۔''
''اوہ گاڈ..... پلیز امی کچھ کیجیے نا..... ڈیڈی ہاتھ سے نکلتے جا رہے ہیں۔''
''عالی.....'' عذرا بیگم نے تنبیہاً اُسے دیکھا۔
''خاموش ہو جاؤ..... فری زیبی کیا سوچیں گے؟''
''فری زیبی یہاں کہاں امی..... وہ تو بیک یارڈ میں ہیں..... آپ کا بیٹا اتنا بیوقوف نہیں ہے..... ویسے میری بات پر غور ضرور کیجیے گا۔''
''تم اپنی خیر مناؤ..... اور ہمیں بتاؤ انکل جواد سے ملنے کب جائیں پاکستان..... اب تو بی اے کے امتحان ہو چکے ہوں گے۔ ایک بار ہمیں پاکستان جانا چاہیے۔ تاکہ بات آگے بڑھے۔''
''ہاں میں بھی یہی سوچ رہا تھا..... اب تو جواد آسٹریلیا سے آنے والا ہوگا۔''
''پھر پروگرام بنائیں گے..... تمہارا کیا خیال ہے عالی.....'' عالی نے چند لمحے سوچا..... اور پھر ڈیڈی کی طرف دیکھا۔
''میرا خیال ہے ڈیڈی اگلے ماہ پروگرام بن سکتا ہے۔ مائیک نے چھٹی پر جانا تھا تو میں نے اس کی ڈیوٹی سنبھالی تھی۔ اب شاید وہ میرے لیے ایسا کر لے..... میں بات کروں گا اُس سے پھر پروگرام بنائیں گے۔''
''اچھا میں پھر چلتا ہوں..... سب لوگ پہنچ چکے ہوں گے۔'' ڈیڈی کھڑے ہو گئے تو عالی ماں کے کان میں بولا۔
''امی خیال رکھیے گا..... پھر نہ کہیے گا کہ میں نے وارن نہیں کیا۔'' عذرا بیگم نے جلدی سے اُس کا کان پکڑ لیا۔
''جینا یہاں آ جائے تو اُس سے کہنا یہ سب باتیں۔''

''یعنی جینا سے کہوں کہ ڈیڈی پر نظر رکھے۔'' وہ معصومیت سے بولا تو عذرا بیگم نے ہنستے ہوئے اُس کا کان چھوڑ دیا۔

☆......☆......☆

اُس روز اتوار تھا۔ سب گھر میں موجود تھے۔ ناشتے کے بعد جواد اور جینا کی روٹین تھی کہ وہ باہر لان میں کھیلا کرتے تھے۔ اسی لیے مہتاب بے خوف اپنا ڈیزائن کیا ہوا لباس پہن کر پُر شوق انداز میں باہر آئی۔ اُسے معلوم تھا اماں اس وقت لاؤنج میں اکیلی اخبار پڑھ رہی ہوں گی۔ انہیں اچھی طرح پڑھنا تو نہیں آتا تھا...... لیکن جس نے بھی قرآن پاک پڑھا ہو وہ تھوڑی سی مزید کوشش سے اردو پڑھنا تھوڑا بہت سیکھ ہی لیتا ہے۔

''اماں...... دیکھیں...... میں نے یہ لباس خود ڈیزائن کیا ہے اور خود ہی سیا ہے۔'' وہ بلیک اور رسٹ بہت خوبصورت سا ڈریس پہن کر باہر آئی۔ اور پھر ساکت سی کھڑی ہوگئی۔ رنگ ، ایک دم زرد سا ہوگیا۔ انگلش اخبار کے بزنس کے صفحے سے لطف اندوز ہوتے جواد نے ایکدم سر اُٹھا کر دیکھا۔ ایک لمحہ کو چونکے۔ آنکھوں میں عجیب سا تاثر پیدا ہوا۔ اور پھر وہ دوبارہ اخبار کے صفحے کی طرف یوں متوجہ ہوئے جیسے ابھی کچھ بھی نہ ہوا ہو...... جینا کی معصوم آنکھوں میں بھی لمحہ بھر کو ستائش ابھری۔

''بیوٹی فل ڈریس۔'' مہتاب کے دل کی کلی کھل گئی۔ اماں نے چشمہ پہن کر اُسے دیکھا اور حیران رہ گئیں۔

''یہ واقعی تم نے خود سیا ہے ماہا؟''

''ماہا......؟'' جواد نے اخبار ہٹا کر دھرایا۔

''یہ ماہا کون ہے اماں۔'' وہ حیرت سے بولے۔

''میری بیٹی...... میری مہتاب ماہا ہے۔ میں نے اِس کا نام رکھا ہے...... تمہیں پسند آیا؟''

''اور وہ تابو کا کیا کیا آپ نے۔'' اُس کا انداز انتہائی تمسخرانہ تھا۔

''تو چھوڑ اِن باتوں کو......'' اماں نے اُن کا انداز نظر انداز کر دیا۔

''دیکھا کتنا خوبصورت ہے۔'' انہوں نے مہتاب کے کپڑوں کی طرف اشارہ کیا۔

''یس ڈیڈی...... اٹ از بیوٹی فل۔'' وہ اشتیاق سے آگے بڑھی۔

''چلو بیٹا...... لان میں چلیں۔'' جواد فوراً اٹھ گئے۔

''تمہیں پتہ ہے آج ہمارا ٹینس میچ ہے...... آج تو ہم تمہیں ضرور ہرا دیں گے۔''

''نو وے ڈیڈی۔'' وہ چمکتی آنکھوں سے سب کچھ بھول کر باہر کو بھاگی۔ جواد نے پیچھے مڑ کر جتاتی نظروں سے اُسے دیکھا اور باہر نکل گئے۔ آج انہیں اپنی چھ سالہ بیٹی سے پھر جان بوجھ کر ہارنا تھا۔ اُن کے جاتے ہی مہتاب جو پتھر کے بت کی مانند ساکت تھی ایک دم گھومی اور اپنے کمرے میں آ کر بیڈ کے کنارے پر بیٹھ گئی اور پُر سوچ انداز سے ہلتے ریشمی پردے کو دیکھنے لگی۔

''تم لاکھ انکار کرو جواد...... لیکن میں تمہاری آنکھوں میں کچھ ایسا دیکھ چکی ہوں۔ جس سے مجھے یقین ہوگیا ہے کہ پتھر کا بت بھی ٹوٹ سکتا ہے۔ آج تم نے مجھے ایک اور جگنو تھما دیا ہے اور مجھے لگتا ہے میں نے تمہارے دل میں اپنے لیے پہلا بیج گرتے دیکھا ہے۔ جو کسی دن ضرور پھول بنے گا اور تمہارے دل کو مہکائے گا۔ اور میری یہی کوشش ہوگی کہ وقتاً فوقتاً ایسے ہی بیج تمہارے دل کی بنجر ہوتی زمین میں ڈالتی رہوں...... جو اُسے زرخیز بنا کر ایک دن مہکتے خوشبودار گلستان میں تبدیل کر دیں۔''

اپنی اس خوش گمانی کا یقین اُسے اُسی رات ہوگیا جب رات جواد بنا دستک دیے اُس کے کمرے میں داخل ہوئے۔ وہ پنک ریشمی شب خوابی کے لباس میں پلنگ کے کراؤن سے ٹیک لگائے سوچوں میں گم تھی۔ اُس کے ریشمی بال شانوں پر بکھرے تھے اور باہر سے آتی ہوا کے ساتھ ساتھ دھیرے دھیرے لہرا رہے تھے۔ موٹی موٹی آنکھوں میں کاجل کی لکیر انہیں انوکھی دلکشی دے رہی تھی یا پھر جواد کے دل میں جذبات کی آندھی چل رہی تھی۔ وہ ایکدم سیدھی ہوگئی۔ اور ایک ٹک انہیں دیکھے گئی۔ جانے کیا بات تھی کہ وہ اُن کے چہرے سے نظریں نہ ہٹا سکیں۔ وہ بیڈ پر اُس کے پاس بیٹھ گئے اور اپنی انگلی سے اُس کی تھوڑی اوپر کی۔

''تو تابو پر ماہا بننے کی دھن سوار ہے؟'' وہ خاموشی سے اُسی طرح انہیں دیکھتی رہی...... کچھ کہنے کی ضرورت ہی نہ سمجھی۔

''کیچڑ کا کنول قبولیت کی آرزو رکھتا ہے؟'' اُن کے ہاتھ اُس کی تھوڑی سے ہوتے ہوتے اُس کے گالوں اور پھر بالوں پر جا پہنچے۔ دھیرے دھیرے ان بالوں میں انگلیاں چلاتے ہوئے اُن کے دل میں پھیلی جذبات کی آندھی پوری طرح اُس کے وجود پر چھا گئی۔ شعلوں کا رقص جاری رہا...... اور جب اُن شعلوں کی حدت کم ہوتے ہوتے ختم ہوئی تو واپس جاتے جاتے وہ ایک لمحے کو ٹھہرے اُسے دیکھا اور بولے۔

''تم سمجھتی ہو...... تم اپنے آپ کو بدل کر ہمیں جیت لوگی۔ تو یہ تمہاری غلط فہمی ہے ماہا۔'' انہوں نے چبا چبا کر ماہا بولا تو مہتاب کے لبوں پر ایسی مسکراہٹ تھی کہ اُسے کچھ کہنے کی ضرورت نہ تھی۔ سب کچھ اُس مسکراہٹ نے کہہ دیا۔ وہ جلا دل لیے تلملاتے ہوئے وہاں سے نکل گئے۔

ماہا امتحان میں شاندار نمبروں سے پاس ہوئی تو اُسے خوشگوار حیرت ہوئی۔ جینا چھ سال کی تھی اور ماہا نے ایف اے کے پرائیویٹ امتحان کی تیاری شروع کردی۔ ساتھ ساتھ اپنی گرومنگ بھی جاری رکھی۔ اب وہ اپنے لباس اور اپنی چال ڈھال کے علاوہ گفتگو کے انداز پر بھی دھیان رکھنے لگی تھی۔ اپنے لباس تو خود ہی ڈیزائن کرتی تھی۔ ساتھ میچنگ پرس اور جوتے لینا پہن بھولتی تھی۔ امتحانوں کے بعد پھر چھٹیاں آئیں تو اُس نے سپوکن انگلش کے خاص ادارے میں خود کو رجسٹر کروالیا۔ وہ اب کوئی وقت ضائع نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اپنے آپ کو سنوار کر پرفیکٹ بنانا اور جواد کے مقابل پر کھڑے ہونا اُس کا گول بھی تھا اور ضد بھی...... وہ ہر وہ بات سیکھ لینا چاہتی تھی جس کو جواد کی سوسائٹی ہیں خوبصورت اور پرفیکشنز کی علامت سمجھا جاتا ہے اور اُس کے لیے وہ دن رات محنت کررہی تھی۔ اُسے کھانے پینے کا ہوش بھی نہیں تھا۔ اُس نے باقاعدہ جم بھی جوائن کرلیا تھا۔ تاکہ آئندہ اپنے لیے جواد کے منہ سے کبھی موٹی بھینس کا لفظ نہ سن سکے۔ اسی طرح دن ہفتوں، ہفتے مہینوں اور مہینے سالوں میں بدلتے رہے۔ جب اُس نے امتیازی نمبروں سے بی اے پاس کیا تو اُس وقت جینا آٹھ سال کی تھی۔ اب ماہا یونیورسٹی میں داخلہ لینے کے لیے تیار تھی۔

☆......☆......☆

یونیورسٹی میں ماہا خاقان اپنی کلاس میں بہت مقبول تھی۔ اُس کی شخصیت کی خوبصورت کھل کر سامنے آئی تھی۔ طبیعت میں ٹھہراؤ، اسمارٹ اور متناسب جسم پُر وقار خوبصورت لباس اور دلکش نمکین چہرے کے ساتھ ساتھ اُس کے دوستانہ رویے نے دوستوں کا ایک انتہائی مناسب حلقہ اُسے عطا کیا تھا۔

(...... جاری ہے......)

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

افسانہ

محبت کے رنگ انوکھے

''میں سچ کہہ رہی ہوں۔ ہمارے رشتے سے تمہیں بھی کوئی خوشی نہیں مل سکے گی تم سمجھنے کی کوشش تو کرو' کیا تم ایسی لڑکی کے ساتھ خوش رہ سکو گے جو تم سے نہیں بلکہ کسی اور سے پیار کرتی ہو۔ نہیں ناں...... بلکہ تمہاری خواہش بھی یہی ہوگی کہ......

محبت ایک ایسا جذبہ ہے جو جس کے حصے میں آتا ہے وہ خود کو دنیا کا خوش قسمت انسان گردانتا ہے۔ لیکن جو اس امتحان میں فیل ہو جائے تو بعض اوقات وہ زخمی شیر کی مانند ہو جاتا ہے بپھرا اور خونخوار جو اپنے آگے دوسرے کو روند ڈالتا ہے۔ اُسے صرف اپنی خوشی سے سروکار ہوتی ہے۔ اس کے لیے وہ صحیح اور غلط کے فرق کو بھی مٹا دیتا ہے۔ اسی کی ایک جیتی جاگتی مثال امل کاشف بھی بننے ہی والی تھی کہ خدا کو اُس کی جانے کون سی نیکی پسند آ گئی کہ اُس کے دل میں نیکی ڈال دی اور اُسے ظالم بننے سے بچا لیا۔

☆......☆......☆

''زینت میں نے تمہیں ایک بار بول دیا تاں کہ تم میرے اور بالاج کے درمیان سے نکل جاؤ۔'' اُس نے بے رخی سے کہا تو زینت کی آنکھوں میں ناقابلِ یقین تاثرات دیکھ کے اُسے اور غصہ آ گیا۔

''ایسے کیا دیکھ رہی ہو میں نے کوئی انہونی بات کر دی جو تم یوں ٹکٹکی باندھے دیکھے جا رہی ہو۔ ایک بات کان کھول کر سن لو' اگر تم نے بالاج کو خود سے متنفر نہ کیا تو میں زہر کی یہ پوری بوتل کھا لوں گی پھر میری موت کی ذمہ دار صرف تم ہو گی۔

اُس نے ہاتھ میں پکڑی بوتل اُس کے سامنے لہرائی تو وہ صدمے سے چُور اُس کی جانب یوں دیکھنے لگی گویا وہ اپنا ذہنی توازن کھو چکی ہو بھلا محبت میں بھی شرائط ہوتی ہیں۔ جو صرف دوسروں کے بارے ہی میں سوچتی تھی۔ وہ اپنی ذات سے کسی کے لیے بھی دکھ کا باعث نہیں بننا چاہتی تھی اور یہاں تو بات امل کاشف کی تھی۔

اُس کی جان سے پیاری کزن جو سب جان کے بھی بے حسی کی انتہا کو چھو رہی تھی۔ بھلا اُس سے کیسے پوشیدہ رہ سکتا ہے زینب کی آنکھوں کے جلتے دیپ جو بالاج ظفر کو دیکھنے کے بعد یوں چمکتے دمکتے ہیں کہ سامنے والا بنا دیکھے بنا جانے ہی اُن کے بھید پا لیتا تو پھر وہ کیسے انجان رہ سکتی ہے۔

جس نے ساری عمر زینب کو خود سے بھی زیادہ عزیز رکھا' اپنی ہر خوشی اُس پر قربان کرنے والی اہل کاشف اس موڑ پر پہنچ چکی تھی کہ اپنی پیاری بہن نما دوست کی آنکھوں میں سجے خوابوں کو نوچ کے اپنی آنکھوں میں سجانے کی خواہشمند بن بیٹھی۔

زینب نے بھی بلا چوں وچرا اُس کے کہے پر عمل کرنے کا سوچ لیا۔ اُس کی بھیگی آنکھوں کو نظر

انداز کیے وہ اُس کی رضامندی ظاہر کرنے پر اب اُس سے لپٹے خوشی کا اظہار کر رہی تھی یہ جانتے بوجھتے کہ بالاج بھی زینب کے پیار میں پوری طرح ڈوبا ہوا تھا وہ صرف اپنی خوشی کے بارے میں سوچ رہی تھی۔

☆......☆......☆

''بالاج تم خالہ کو رشتے کے لیے مت بھیجنا۔'' اُس نے کانپتی زبان سے کہا تو ایک لمحے کو بالاج کے دل میں کچھ کھٹکا۔

''کیوں میں امی کو کیوں نہ بھیجوں۔'' اُس نے لرزتے دل کو قابو میں لانا چاہا۔

''وہ اصل میں، میں تم سے شادی نہیں کرنا چاہتی۔'' اُس کی زبان لفظوں کا ساتھ دینے سے انکاری ہونے لگی۔

''کک' کیا بول رہی ہو تم' ہوش میں تو ہو ناں۔ کیا فضول بکواس کر رہی ہو۔'' فون کے دوسری طرف بھی وہ اُس کی پریشانی اچھی طرح محسوس کر پا رہی تھی۔

''بولو چپ کیوں ہو؟ اِس بکواس کا مطلب؟'' اُس کی خاموشی پر بالاج نے دوبارہ پوچھا۔

''وہ میں اپنی یونی کے ایک لڑکے میں انٹرسٹڈ ہوں۔'' پاس بیٹھی امل کے کہنی مارنے پر اُس نے اپنی ضبط کی ساری حدوں کو آزما ڈالا۔

''میں نہیں مانتا۔'' ایک طویل خاموشی کے بعد اُس کی اجنبی آواز آئی۔

''میں آکے بات کرتا ہوں' اللہ حافظ۔'' کہہ کے اُس نے فون بند کر دیا تو مارے خوشی کے امل کے پاؤں زمین پر نہیں ٹک رہے تھے اُس نے جو چاہا وہی زینب سے کروالیا۔ وہ اُس کے دکھ سے قطعی انجان اُس سے لپٹے جا رہی تھی۔

''اُس نے تمہاری بات سن کے کیا کہا۔'' اب وہ اُس سے الگ ہوئے پوچھ رہی تھی۔

''وہ آرہا ہے بات کرنے۔'' زینب نے اٹک اٹک کے جملہ ادا کیا۔

''بس تم اپنی بات پر ڈٹی رہنا' اور اُسے کہنا کہ میں اُس سے بہت پیار کرتی ہوں۔ اُس کے بناء جی نہیں سکتی اور یہ بھی بتانا کہ اگر اُس نے مجھ سے شادی نہ کی تو میں اپنی جان دے دوں گی۔'' وہ بس اپنی ہی کہے جا رہی تھی جبکہ وہ بے جان وجود لیے باہر نکل گئی۔

''ارے لڑکیوں تم دونوں کب سے کمرے میں گھسی کھسر پھسر کرنے میں لگی ہو۔ کھانا نہیں کھانا کیا؟'' وہ دروازے سے باہر نکلی ہی تھی کہ تائی کی آواز پر وہ ہوش کی دنیا میں واپس آئی۔

''نہیں تائی امی میں نے کالج میں کھا لیا تھا بھوک نہیں ہے۔'' بے دلی سے کہتے ہوئے وہ گھر کے پچھلے حصے کی طرف بیٹھ کے بالاج کا انتظار کرنے لگی۔

اُس کی آنکھوں میں اپنی اور امل کی زندگی کے حالات و واقعات کسی فلم کی مانند چلنے لگے۔ اُس کو ابھی تک یقین نہ آرہا تھا کہ اُس سے بے انتہا محبت کرنے والی بہن جیسی کزن کبھی یوں بھی کرے گی۔ بے نام سے آنسو اُس کے گال بھگوئے جا رہے تھے۔ جب کسی کے قدموں کی آہٹ پر اُس نے گال رگڑ کے آنسو پونچھنے کی کوشش کی لیکن ناکام ٹھہری۔

''کیا مسئلہ ہے تمہارے ساتھ کیا بکواس کر رہی تھی فون پر۔ یہ بھی کوئی مذاق کرنے کی بات ہے۔ وہ اُس کے پاس سیڑھی پر بیٹھ گیا یہ مذاق نہیں تھا۔ اُس نے بناء دیکھے جواب دیا۔

میں نہیں مانتا کہ تم مجھ سے پیار نہیں کرتی میں

نہیں مانتا کہ تم میرے علاوہ کسی سے پیار کرتی ہو۔ اُس کے لہجے میں اعتماد کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ اُن دونوں میں ایک ایسا پاکیزہ رشتہ سا قائم تھا کہ رسمی پیار محبت کی باتیں کیے بنا ہی وہ ایک دوسرے کے دل کے حال سے بخوبی واقف تھے۔

دونوں پیار کی ایک ایسی ڈور سے بندھے تھے کہ لمبے لمبے ڈائیلاگ بولنے کی کبھی ضرورت ہی محسوس نہ ہوئی۔ بالاج نے پڑھائی مکمل ہوتے ہی اور نوکری ملتے ہی پہلا کام اُس سے اپنی ماں کو بھیجنے کی رضامندی چاہی' حالانکہ اُسے علم تھا کہ وہ بھی دل و جان سے اُسے چاہتی ہے لیکن پھر بھی اُس نے اجازت مانگی لیکن اُسے کیا علم تھا کہ 6'5 سالوں سے اُن کے درمیان خاموش محبت یوں ایک لمحے میں ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جائے گی۔

اُسے اب بھی یقین تھا کہ وہ اُس سے ہی پیار کرتی ہے صرف اُس کو تنگ کر رہی ہے۔ بولو ناں زینی تم مذاق کر رہی ہو ناں مجھے تنگ کرنے کے لیے' دیکھو میں کہہ رہا ہوں کہ مجھے ایسا مذاق بالکل بھی پسند نہیں ہے۔ وہ دھونس بھری محبت سے سب ایک ہی سانس میں کہے گیا۔ نہیں بالاج میں مذاق نہیں کر رہی' واقعی میں تمہارے ساتھ شادی نہیں کر سکتی۔ تم میری بات تحمل سے سنو۔ وہ حلق میں پھنسا آنسوؤں کا گولہ نیچے اتارنے کی کوشش کرنے لگی۔

''کیا بکواس کر رہی ہو تم...... پاگل تو نہیں ہو گئی۔ تم جانتی ہو ناں میں تم سے کتنا پیار کرتا ہوں۔'' اُس کی آواز غم کے مارے اونچی ہو گئی۔

''دیکھو بالاج میری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔ ہماری شادی اگر ہو بھی جائے تو بھی میں تمہارے ساتھ خوش نہیں رہ سکوں گی۔ کیونکہ میں تم سے پیار نہیں کرتی۔''

''تم قسم کھاؤ کہ تم مجھ سے پیار نہیں کرتی اور میری آنکھوں میں دیکھ کے بات کرو۔'' اُس نے سخت ہاتھوں سے زینب کا بازو تھام کے اُسے اپنی جانب موڑا۔

''میں سچ کہہ رہی ہوں۔ ہمارے رشتے سے تمہیں بھی کوئی خوشی نہیں مل سکے گی تم سمجھنے کی کوشش تو کرو۔' کیا تم ایسی لڑکی کے ساتھ خوش رہ سکو گے جو تم سے نہیں بلکہ کسی اور سے پیار کرتی ہو۔ نہیں ناں...... بلکہ تمہاری خواہش بھی یہی ہوگی کہ تمہاری شریکِ حیات بھی تم سے پیار کرتی ہو اور امل وہی لڑکی ہے جو تمہاری شریکِ حیات بننے کے قابل ہے۔ تم سے بہت پیار کرتی ہے۔ بہت چاہتی ہے تمہیں اور مجھے یقین ہے کہ تم بھی اُس کے ساتھ بہت خوش رہو گے۔'' اُس نے ڈرتے ڈرتے وہ بات کہہ ہی دی۔

''کیا' کیا بکواس ہے یہ سب' مطلب کیا ہے تمہارا۔ مجھ سے تعلق توڑ کے اب تم ہی مجھے بتاؤ گی کہ مجھے کس سے شادی کرنی چاہیے۔ واٹ نان سینس...... یار کیوں کر رہی ہو تم میرے ساتھ ایسا...... پلیز کہہ دو کہ تم نے جو بھی کہا سب جھوٹ ہے۔ چند پل پہلے والا غصہ اب جھاگ کی طرح بیٹھ چکا تھا۔

زینب سے اب مزید اُس کے سوالوں کے جواب دینا مشکل ہو گیا تھا ''امل کے بارے میں سوچنا ضرور......'' کہہ کے وہ کھڑی ہو گئی اور ہارے ہوئے قدموں سے چلتی ہوئی بالاج کی نظروں سے اوجھل ہو گئی۔

بالاج نے بھیگی آنکھوں سے اُسے تب تک دیکھا جب تک وہ نظروں سے اوجھل نہ ہو گئی۔

اُس کی حالت ایسے جواری جیسی ہو رہی تھی جو اپنا سب کچھ بازی میں ہار جاتا ہے۔ اُسے اب بھی ایسا لگ رہا تھا کہ ابھی زینب اُس کے سامنے آ کے کہے گی کہ وہ تو مذاق کر رہی تھی۔ لیکن ایسا نہ ہوا۔ وہ لاشعوری طور پر اُس کا انتظار کرتا رہا۔ جب امل اُس کے ساتھ آ کے بیٹھ گئی۔

''کیا ہوا بالاج...... ایسے کیوں بیٹھے ہو۔'' اُس نے اپنا ہاتھ اُس کے ہاتھ پر رکھا۔

بالاج نے جھٹکے سے اپنا ہاتھ ہٹا لیا۔

''تم یہاں کیوں آئی ہو۔ جاؤ یہاں سے' بلکہ رُکو میں ہی چلا جاتا ہوں۔'' وہ ایک دم سے بدلے ہوئے روپ میں نظر آنے لگا۔ وہ عجیب نظروں سے امل کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ایسی کاٹ دار نظریں کہ ایک لمحے کے لیے تو وہ بھی ڈر گئی۔

''کیا ہو گیا ہے بالاج ایسے کیوں ری ایکٹ کر رہے ہو؟ کچھ پرابلم ہے کیا؟'' اُس نے انجان بننے کی ایکٹنگ کی۔ لیکن بالاج نے بغیر جواب دیے ہی غصے سے اُس کی طرف دیکھا اور باہر کی جانب چل دیا۔

پیچھے بیٹھی امل اپنا پلان کامیاب ہونے پر تھوڑی مطمئن ہو گئی۔

''چلو اچھا ہوا زینی نے خود ہی اُس کو منع کر دیا' ورنہ مجھے آج پھر سے اُسے یاد دلانا پڑتا۔ یہ ٹھیک ہو گیا۔ اب ذرا بالاج کا موڈ تھوڑا سیٹ ہو جائے تو میں اُسے اپنی محبت کا یقین دلا ہی دوں گی۔'' وہ جیسے خیالوں میں ہی مستقبل کے منصوبے بنانے لگی۔

☆......☆......☆

''زینی چلو ناں' ساتھ مل کر کھانے کھاتے ہیں۔'' وہ اتنا بڑا ظلم کرنے کے بعد بھی یوں بات کر رہی تھی گویا اُن دونوں کے بیچ کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

''نہیں مجھے بھوک نہیں ہے تم کھا لو۔'' وہ آنکھوں پر ہاتھ رکھے دُکھی دل سے بولی۔

''چلو ناں یار مجھے بہت بھوک لگی ہے۔ آؤ ناں.....''

وہ اُسے گھسیٹ کے لے ہی گئی لیکن 2 نوالوں سے زیادہ اُس سے کھایا ہی نہ گیا البتہ امل نے اپنا من پسند کھانا خوب انجوائے کر کے کھایا۔ بریانی اُس کی کمزوری تھی اِس وقت بھی وہ سب کچھ فراموش کیے اُس سے انصاف کر رہی تھی۔ زینب اُسے بے بسی سے بس دیکھے گئی 2 خاموش آنسو اُس کے گال سے پھسل کے سامنے رکھی پلیٹ میں گر کے بریانی میں کہیں کھو گئے۔

☆......☆......☆

''بالاج کیا بات ہے بیٹا تم ایسے اندھیرا کیے کیوں پڑے ہو طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری۔'' ساجدہ نے کمرے میں آ کے لائٹ آن کی اور بیٹے کے پاس بیٹھ کے اُس کے بال سہلانے لگیں۔

''نہیں امی کچھ نہیں...... میں ٹھیک ہوں۔ بس ایسے ہی۔'' اُس نے جان کے آنکھوں سے بازو نہیں ہٹائے مبادا کہیں اُس کی ماں اُس کی روتی آنکھوں کو نہ دیکھ لیں۔

''تو بیٹا باہر آؤ اپنے ابو کے ساتھ چائے پیو آ کے۔'' انہوں نے محبت سے بیٹے کی طرف دیکھا۔

''جی امی میں فریش ہو کے آتا ہوں آپ جائیں۔''

''اچھا ٹھیک ہے لیکن جلدی آنا......'' ساجدہ نے جاتے ہوئے یاد دہانی کرائی تو وہ سر ہلانے لگا۔

''آخر زینی کو ہو کیا گیا ہے۔ میں اُسے اتنا تو جانتا ہوں کہ وہ کسی دوسرے تیسرے لڑکے میں انٹرسٹڈ نہیں ہے۔ اُس نے مجھ سے جھوٹ بولا۔ لیکن کیوں؟ اِس ایک کیوں کا جواب مل کے ہی نہیں دے رہا۔ سوچ سوچ کر اُس کا دماغ پھٹنے لگا۔

ایک تو خود مجھ سے منہ موڑ رہی ہے دوسرا مجھے مشورہ بھی دے رہی ہے کہ مجھے اُس امل کی بچی سے شادی کرنی چاہیے۔ اُس نے غصے سے اپنے ہاتھ پر مکا مارا۔

اچانک جیسے اُس کے ذہن میں جھماکا سا ہوا۔ زینب کا نظریں چُرا کے بات کرنا۔ امل کے ساتھ شادی کا مشورہ اور پھر اُسی وقت امل کا وہاں آ کے مجھ سے اظہار ہمدردی کرنا۔ اس سب میں کچھ تو گڑبڑ ہے۔

اور وہ کیا گڑبڑ ہے اب اُسے سمجھ آنے لگی۔ سارا منظر اُس کی آنکھوں میں کلیئر ہونے لگا۔ امل کے ساتھ جب بھی اُس کا سامنا ہوا اُس کی نظروں میں پیار کے دیپ جلتے نظر آئے لیکن بالاج ہمیشہ ہی اپنا وہم سمجھ کے کندھے جھٹک دیتا۔ اچھا تو یہ سب امل کا کیا دھرا ہے۔ تبھی میں کہوں کہ یوں اچانک ناں کرنے کی وجہ کیا ہے۔

اب تو امل ہی اُسے سمجھائے گی مجھ سے شادی کے لیے۔ جس طرح اُس نے اُسے انکار کے لیے اُکسایا اب ٹھیک ویسے ہی وہ اُسے اِس رشتے پر راضی کرے گی۔ وہ حتمی نتیجے پر پہنچ گیا اس لیے اب مطمئن ہو کے فریش ہونے کے لیے واش روم میں چلا گیا۔ اُسے امل سے بھی تو ملنا تھا۔

☆......☆......☆

اُس نے ابھی بیل بجائی ہی تھی کہ دروازہ کھل گیا۔

''ارے آپ...... آئیں ناں۔'' بالاج دیکھ کے اُس کی آنکھوں میں چمک سی اتر آئی۔

''امل میرے ساتھ پچھلی سیڑھیوں پر چلو مجھے ضروری بات کرنی ہے تم سے۔'' اُس کے کہنے پر وہ اُس کے ساتھ ہی چل دی۔ دوپہر ہونے کی وجہ سے سب اپنے اپنے کمروں میں آرام کر رہے تھے۔ اس لیے بالاج کو بھی تسلی تھی۔

''جی کیا بات کرنی ہے آپ نے؟'' اُس نے شرماتے ہوئے اُس کی طرف دیکھا۔

''امل میں تمہیں اپنی چھوٹی بہنوں کی طرح سمجھتا تھا لیکن تم اتنی گھٹیا نکلو گی کبھی سوچا بھی نہ تھا میں نے' تم نے اتنا غلط کیا میرے اور زینی کے ساتھ مجھے تو حیرت ہے کہ تم اُٹھے سر کے ساتھ میرے سامنے کیسے بیٹھ سکتی ہو۔ کیا تمہیں ذرا بھی کوئی شرمندگی نہیں ہے زینی کے ساتھ یہ سب کر کے...... ارے وہ تو تمہارے اوپر جان چھڑکتی ہے اور تم نے یہ صلہ دیا اُس کو۔ حیرت ہے مجھے اُس کی اور میری خوشی جان کر بھی تم نے اُسے مجھ سے دور کر دیا۔ لعنت ہے تم پر۔'' وہ غصے کی انتہاؤں کو چھو رہا تھا۔

''کیا کہہ رہے ہیں بالاج آپ؟'' بالاج کے سامنے اپنی اصلیت آ جانے پر وہ شرمندگی کے مارے کچھ بول ہی نا پا رہی تھی۔

''تم تو آستین میں چھپی سانپ نکلیں۔ تم ایک بار تو اُس کی آنکھوں میں جھانک کے دیکھ لیتیں کہ تمہارے لیے اُس نے اپنی آنکھوں اور اپنی زندگی میں ویرانیاں بھر لی ہیں۔ تمہیں ذرا بھی لحاظ نہیں' جس کو تم اپنی بہن مانتی تھی اُس کے ساتھ یہ سب کر کے' کچھ تو سیکھو اُس سے۔ جس نے تمہارے لیے اپنی سب سے بڑی خوشی قربان کر دی اور تم نے جانتے ہوئے بھی کہ میں صرف اُس سے پیار کرتا ہوں اُس کو مجھ سے چھین لیا۔''

امل ششدر تھی اسے اندازہ ہی نہیں تھا کہ اتنی جلدی بالاج حقیقت بھانپ لے گا۔ بالاج کے سخت الفاظ اس کے دل میں گڑ رہے تھے۔ اُس نے کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ جس سے وہ بے انتہا پیار کرتی ہے وہ یوں اُس سے نفرت کا اظہار کرے گا۔

''بالاج میری بات تو سنیں' ایسا نہیں ہے۔''

وہ ساری سچائی سن کے ایک دم بوکھلا سی گئی اور شرمندہ بھی۔

''ارے کیا سنانا چاہ رہی ہو۔ اتنا سب کرنے کے بعد تو تمہیں ڈوب مرنا چاہیے۔ تم نے کیا سوچا کہ اگر زینی نے مجھ سے شادی نہ کی تو میں تم سے شادی کرلوں گا۔ ایسا تو میں کبھی مر کے بھی نہ کروں' اگر تم میں ذرا بھی انسانیت ہے تو تم میرے اور زینی کے بیچ سے ہٹ جاؤ' کیونکہ میں تمہیں صرف بہن سمجھتا ہوں اس کے علاوہ کچھ نہیں۔''

وہ کہہ کے لمبے لمبے ڈگ بھرتا اُس کی نظروں سے اوجھل ہوگیا۔

امل نے بھیگی آنکھوں سے اُسے خود سے دور جاتے دیکھا' وہ سر اٹھانے کے قابل نہ رہی تھی' آج وہ زندگی کے ایسے دوراہے پر آ کھڑی ہوئی جہاں وہ بالاج کے ساتھ ساتھ اپنی نظروں سے بھی گر گئی۔

بالاج نے اُسے آئینہ دکھایا تو اُسے اپنی شکل بہت کریہہ لگی۔ واقعی وہ اتنی خودغرض ہوگئی کہ اپنی بہن سے اُس کی خوشی چھیننے جارہی تھی۔ اُسے شرمندگی نے آ گھیرا۔ آنسوؤں کی ایک لڑی تھی جو رُکنے کا نام نہ لے رہی تھی۔ اُسے اپنی اور زینی کی دوستی کے وہ سارے پل یاد آنے لگے۔ جو انہوں نے ساتھ بیتائے جن پر کبھی اُسے فخر ہوتا تھا اور آج وہ اُن سب کو بھلائے صرف اپنی خوشی کا سامان کرنے چلی تھی۔ اُسے ندامت کا ایک بوجھ اپنے کندھے پر محسوس ہوا۔

''شکر ہے جو بالاج نے اُسے حقیقت سے روشناس کرایا ورنہ وہ زینی کی خوشیاں تباہ کردیتی۔ اُسے ہر طرف سے ندامت ہونے لگی۔ خود سے گھن آنے لگی۔ محبت تو نام ہی دینے کا ہے اور وہ چھیننے چلی تھی اور اِسے وہ محبت سمجھ رہی تھی حالانکہ اصل اور سچی محبت تو زینی نے کی تھی۔ لیکن ضروری تو نہیں کہ محبت کی جائے تو اُسے حاصل بھی کیا جائے۔ بعض دفعہ محبت صرف دینے کا نام ہوتا ہے۔ جیسے زینب نے امل کو دینے کی کوشش کی۔ لیکن اب اُسے زینب کی بڑائی کا اعتراف ہونے لگا۔

''اتنی پیاری انسان کی زندگی میں وہ اندھیرے بھرنے لگی تھی۔'' اُسے خود سے شرم آنے لگی۔

''اے اللہ تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے تو نے مجھے ظلم کرنے سے بچالیا۔ میں اب بالاج اور زینی کے بیچ سے ہٹ جاؤں گی اور اپنی پیاری زینی کو اُس کی ساری خوشیاں لوٹاؤں گی۔ جس پر صرف اور صرف اُس کا حق ہے۔ وہ اب بالاج کے ساتھ نئی زندگی شروع کرے گی۔

وہ ایک دم سے بالکل نئی اور مخلص سی امل لگ رہی تھی۔ نتیجے پر پہنچ کے وہ آنسو صاف کرتی اُٹھ کھڑی ہوئی' آخر زینی سے چھینی گئی خوشی بھی تو لوٹانی تھی۔ واپسی کے قدم اٹھاتے ہوئے اُس کا دل و دماغ مطمئن اور پُرسکون تھا۔ پریشانیوں کے بادل چھٹ چکے تھے اور آگہی کی بارش نے سارے منظر بہت اُجلے اور صاف و شفاف کردیے۔

☆☆......☆☆

کمزور کاندھے

''آج میں نے تمہارے لیے تمہاری فیورٹ بریانی بنائی ہے کھاؤ گے؟'' وہ ٹیبل سجانے لگیں۔ ''ابو کہاں ہیں؟'' وہ بریانی کو نظر انداز کر کے اُن کے کمرے میں جھانکنے لگا۔ ''وہ......وہ تو باہر اپنے دوست سے ملنے گئے ہیں۔ کہہ رہے تھے کہ......

آج پھر شوٹنگ سے آتے ہوئے اُسے دیر ہوگئی تھی۔ رات کے بارہ بج گئے تھے اور دن بھر کی تھکن سے اُس کا برا حال تھا۔

''شرجیل بیٹا تم اب سو جاؤ...... آج تم نے اچھا کام کیا ہے۔'' ہاتھوں میں نیلے نیلے نوٹ لیے اُس کی امی نے اس سے کہا۔

اس نے افسوس بھری نگاہ اپنی ماں پر ڈالی اور کمرے میں چلا گیا۔ تھکن سے اُس کا جوڑ جوڑ دکھ رہا تھا۔ بستر پر گرتے ہی وہ دنیا جہاں سے بیگانہ ہوگیا اور نیند کی وادی میں اتر گیا۔

''شرجیل اٹھو جلدی کرو۔'' کوئی زور زور سے اُسے ہلا کر جگانے کی کوشش کر رہا تھا مگر اس کا آنکھ کھولنے کو دل نہیں کر رہا تھا۔

''اٹھو بھی شرجیل...... یاد نہیں ہے کہ آج تمہارا Maths کا پیپر ہے۔'' امی نے غصے سے اُس کی چادر ہٹائی تو وہ ہڑبڑا کر اُٹھ گیا۔

اس کے چہرے پر بے چارگی واضح تھی سامنے امی اُسے غصے سے گھور رہی تھیں۔ کل اسکول سے آنے کے بعد وہ شوٹنگ پر چلا گیا تھا اور رات آتے ہی بستر نشین ہوگیا اس کے بالکل ذہن سے نکل گیا کہ آج سے اگیزام شروع ہونے ہیں۔

''میرے ذہن میں نہیں تھا تو کیا تمہیں بھی یاد نہیں ہونا چاہیے تھا کہ آج تمہارا پیپر ہے۔'' امی نے غصے سے کہا۔

''تمہیں خود رات کو تیاری کر لینی چاہیے تھی واپس آکر۔'' وہ سارا الزام اس پر ڈال گئیں۔

''مجھے آپ ہی لے کر گئیں تھیں کل اسکول سے آنے کے بعد......'' لہجہ ایسا تھا جیسے جتا رہا ہو۔

''ہاں ہاں ٹھیک ہے اب اٹھو شاباش، جلدی کرو کہیں وین بھی نہ نکل جائے۔'' وہ گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے اسے چمکارتی ہوئی بولیں۔

''اب اٹھو بھی شرجیل......'' جب اُس پر اثر نہ ہوا تو انہوں نے اُسے کندھے سے پکڑ کر زبردستی اٹھایا۔ وہ منہ بسورتے ہوئے اٹھا۔

''بیٹا اچھا اچھا پیپر کرنا اب جیسا بھی آتا ہے

او کے...... ورنہ تمہارے ابو ٹھیک ٹھاک کلاس لے لیں گے ہماری......'' اس نے مایوسی سے اپنی ماں کو دیکھا جو اس کی خوشامد کر رہی تھیں۔

☆......☆......☆

گھر کی گھنٹی بجی تو مسز کمال کچن سے نکلتی اپنے ایپرن سے ہاتھ صاف کرتی دروازے کی طرف بڑھیں۔ دروازہ کھولتے ہی سامنے شرجیل کو دیکھ کر فوراً پوچھا۔

''پیپر کیسا ہوا ہے؟''

''ویسا ہی جیسا ہونا چاہیے تھا۔'' وہ لٹکے منہ سے اندر داخل ہوا۔

''اچھا چلو چھوڑو تم اب پیپرز کی تیاری دل لگا کر کرو...... میں نے فون کر کے کہہ دیا ہے کہ اب تم شام میں آسکو گے شوٹنگ پر...... دوپہر میں تم پڑھائی کرنا اور پھر چلا کریں گے...... وہ آرام سے کہہ کر کچن میں واپس چلیں گئیں۔ شرجیل کا چہرہ اور لٹک گیا۔

''امی آپ منع کر دیں انہیں مجھ سے نہیں ہوتا اتنا کام کہ پہلے اسکول جاؤ، پھر پیپر کی تیاری کرو اور پھر شوٹنگ پر بھی جاؤ۔'' اس نے مزاحمت کی اپنی طرف سے......

''ہیں ہیں...... کیا کہہ رہے ہو تم؟'' وہ غصے سے باہر نکلیں۔

''ہم نے ایڈوانس لے لیا ہے اُن سے تمہیں پتہ تو ہے اور میں نے اُس کی شاپنگ بھی کر لی ہے نئے پردے بنا کر۔'' وہ فخر سے اپنے کارنامے پر مسکرائیں۔

''لیکن امی......!'' وہ بے بسی سے بولا۔

''کوئی لیکن ویکن نہیں اچھا...... ویسے بھی یہ Hit Items ہیں دے دو تم! اور ایک ہفتے کی

بات ہے بیٹا یہ شارٹ فلم ختم ہو جائے گی پھر پیسے ملیں گے اور میں تمہیں تمہاری فیورٹ کار دلواؤں گی اُن سے۔'' وہ اُس کا ماتھا چوم کر بولیں۔

''اوکے!'' اس نے اتنا ہی کہا اور اپنے روم میں چلا گیا۔

☆......☆......☆

شرجیل کے لیے یہ ہفتہ کافی سخت رہا۔ صبح پیپر دینے جاؤ پھر اگلے پیپر کی تیاری کرو جو کہ ٹھیک سے نہیں ہوتی تھی اور پھر آ کر شوٹنگ پر جاؤ وہاں ریہرسل کرو...... پھر شوٹ دو...... اور رات گئے لوٹو...... کبھی کبھی تو دو بھی بج جاتے تھے آتے آتے......

''اگر ابو ہوتے تو یقیناً مجھے شوٹنگ پر نہ جانے دیتے۔'' وہ ٹیرس پر ریلنگ پر سر ٹکائے نیچے بچوں کو کرکٹ کھیلتے دیکھ رہا تھا۔ وہ سارے اس کی بلڈنگ کے بچے تھے جو شام میں کرکٹ وغیرہ کھیلتے تھے۔

آج شوٹنگ نہیں تھی لہٰذا وہ گھر پر تھا ورنہ امی اُسے تیار کر رہی ہوتیں۔ وہ 13 سال کا معصوم بچہ تھا جو کہ 8th میں پڑھتا تھا اور ساتھ میں Adds وغیرہ میں کام کرتا تھا۔

چونکہ خوش شکل تھا اس لہٰذا اُسے آرام سے کام مل جاتا تھا۔ شروع شروع میں تو اُسے مزہ آتا تھا مگر اب اُسے کوفت ہوتی تھی اس سے سارے کام ایک ساتھ نہیں ہو پاتے تھے۔ نہ کھیلنے کا ٹائم ملتا تھا اور نہ ہی سونے کا......

امی کو تو بڑی خوشی ہوتی تھی کہ میرا بچہ T.V پر آتا ہے اور ساتھ میں پیسہ گھر آئے تو برا کسے لگتا ہے۔ وہ بڑے فخر سے ساری بلڈنگ میں بتاتی پھرتی تھیں کہ میرا بیٹا ایک ایکٹر ہے جبکہ کمال احمد صاحب کو اُس کی پڑھائی کی فکر زیادہ تھی وہ ایک پرائیویٹ فرم میں ملازم تھے اور کام کی نوعیت کے سبب اکثر و بیشتر دوسرے شہروں میں جانا پڑتا تھا انہیں جس کا فائدہ اُن کی بیگم خوب اٹھاتیں تھیں۔ وہ شرجیل کے کام کے خلاف تھے مگر اُن کی بیگم نے اُن سے وعدہ کیا تھا کہ اس سے اُس کی پڑھائی متاثر نہیں ہوگی۔ جس کی بنا پر انہوں نے بڑی مشکلوں سے اجازت دی تھی۔

☆......☆......☆

''آج مزہ آیا نا شوٹنگ پر......'' مسز کمال نے شرجیل سے پوچھا۔ وہ دونوں سیڑھیاں چڑھ رہے تھے بلڈنگ کی اپنے گھر جانے کو۔

''ہوں...... آج مزہ آیا پہلا دن تھا اور کاسٹ بھی اچھی ہے ڈرامے کی۔'' لونگ نیکر اور ریڈ شرٹ میں وہ بہت پیارا لگ رہا تھا۔ اسے ایک ڈرامے میں ایک چھوٹا سا کردار ملا تھا۔

''بس تم اس چانس کو ضائع مت کرنا زبردست سا کام کرنا پھر دیکھو کیسے میرے بیٹے کے آگے لائن لگتی ہے ڈراموں کی۔'' وہ اُسے کندھے سے پکڑ کر ساتھ لگاتے ہوئے بولیں۔ پھر وہ دونوں مسکرا دیے۔

وہ ایک دوسرے سے باتیں کرتے ہوئے جیسے ہی گھر کے اندر آئے سامنے کمال احمد کو دیکھ کر دونوں کو جھٹکا لگا۔ دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔

وہ غصے میں تھے اور ہاتھ میں شرجیل کا رزلٹ کارڈ تھا۔ جو آج ہی آیا تھا اور بری قسمت کہ وہ جلدی میں ڈائننگ ٹیبل پر ہی چھوڑ گئے تھے۔

''آپ جلدی آ گئے آپ نے تو اگلے ہفتے آنا تھا۔'' مسز کمال مسکرانے کی کوشش کرنے لگیں۔

''یہ کیا ہے؟'' انہوں نے مسز کمال کو نظر

انداز کرتے ہوئے شرجیل کو گھورا اور ساتھ ہی کارڈ ہوا میں لہرایا۔

''و...... وہ ابو رزلٹ ہے۔'' شرجیل کا گلا اچانک خشک ہوگیا اور ہاتھوں میں پسینہ آ گیا۔ وہ اچھے سے جانتا تھا کہ ابو سخت مزاج ہیں اور بالکل بھی لحاظ نہیں کریں گے۔

''100 میں سے 20 نمبر صرف Maths میں...... اور باقیوں کا بھی یہ ہی حال ہے۔ تقریباً سبھی سبجیکٹ میں فیل ہو تم اور اٹینڈنس تمہاری صرف 5% ہے۔'' انہوں نے کارڈ اُس کے منہ پر دے مارا۔

''میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ پڑھائی پر کوئی سمجھوتہ نہیں ہوگا۔ اب بس ختم سب کچھ......!'' وہ کہہ کر اندر چلے گئے۔

''اُف...... کس بے وقوف نے کہا تھا کہ کارڈ رزلٹ کا اِدھر ہی رکھ جاؤ۔'' مسز کمال نے اُس کے کندھے پر تھپڑ رسید کیا۔

''خود ہی تو کہا تھا کہ جلدی کرو...... جلدی کرو...... لیٹ نہ ہو جائیں شوٹنگ پر پہلا دن ہے۔'' وہ اُلٹا اُن پر چڑھ دوڑا۔

''اچھا بابا اب اندر جاؤ اور شام سے پہلے باہر نہ نکلنا میں کرتی ہوں اُن کا غصہ ٹھنڈا سمجھے......'' وہ اسے تنبیہہ کرتے ہوئے بولیں۔

وہ کمرے میں آیا تو چہرے پر مسکراہٹ تھی۔ وہ یہ ہی چاہتا تھا اسی لیے جان بوجھ کر اپنا رزلٹ کارڈ ٹیبل پر چھوڑ گیا تھا۔ اسے معلوم تھا آج ابو نے آنا ہے کیونکہ اُن کا صبح ہی فون آیا تھا۔

''چلو جی...... اب کوئی شوٹنگ وٹنگ نہیں اب بس آرام ہی آرام۔'' وہ اپنا بیگ صوفے پر پھینک کر خود آرام سے بستر پر گر گیا۔ مسز کمال ہاتھ میں پانی کا گلاس لے کر کمرے میں آئیں جہاں کمال صاحب بیڈ پر نیم دراز تھے۔

''پانی لے لیجیے تاکہ غصہ ٹھنڈا ہو ویسے بھی باہر کافی گرمی ہے اور اندر کا ماحول بھی گرما گرم ہے۔'' وہ لہجے کو شگفتہ بنا کر بولیں۔

تو بادل نخواستہ کمال صاحب نے پانی کا گلاس تھام لیا اور گھونٹ گھونٹ پانی پینے لگے۔

''بس بیگم! اب اور کوئی شوٹنگ نہیں سمجھیں آپ......!'' لہجہ اٹل تھا۔

''میں سمجھتی ہوں کمال صاحب کہ آپ کو برا لگا اور یقین جانیں کہ میں نے بھی اُسے کافی ڈانٹا تھا...... اتنے برے رزلٹ پر۔'' وہ بڑے پیار سے بولیں۔

''مگر اسے اب پہلی بار ایک ڈرامے میں کام ملا ہے اور ایڈوانس میں لے چکی ہوں اُن سے۔''

''تو واپس کر دیں ایڈوانس مسئلہ کیا ہے پہلے پڑھائی اور کچھ نہیں۔'' لہجہ اب بھی حتمی تھا۔

''نہیں دے سکتی نہ ایڈوانس کمال صاحب ورنہ آپ کے کہنے سے پہلے ہی کر نہ دیتی۔'' وہ ایک ادا سے بولیں۔

''وہ میں نے اے سی کے لیے دے دیا...... کل آ جائے گا بندہ لگانے کے لیے میں نے تو آپ کو سرپرائز دینا تھا۔ لیکن آپ پہلے ہی آ گئے۔'' وہ مسکرائیں جبکہ کمال صاحب کی بھنویں تن گئیں۔

''یہ کوئی طریقہ تو نہیں ہے بیگم......'' لہجہ اب سخت نہیں تھا کچھ نرم پڑ گیا تھا اے سی کا نام سن کر جو وہ پچھلے دو سالوں سے لگانے کی کوشش کر رہے تھے مگر محدود وسائل کی بنا پر لگانے سے قاصر تھے مگر اب شرجیل کی بدولت اے سی لگ رہا تھا یا یوں کہہ لیں کہ حالات سدھر رہے تھے۔

''بھئی میرے بیٹے کی کمائی ہے کوئی مخول

ہے۔'' وہ اب تن کر بولیں۔

''اگر ہم اپنی خواہشات پوری نہ کریں تو پھر پیسہ کس کام کا۔'' وہ ہاتھ نچا کر بولیں۔

''آپ نے تو گھر پر ٹکنا نہیں ہوتا ورنہ دیکھتے کہ گھر کتنا بدل گیا ہے۔ نئے پردے نیا صوفہ سیٹ بھی لے لیا ہے میں نے شرجیل کے پیسوں سے۔'' وہ بڑے فخر سے اپنا کارنامہ بتا رہیں تھیں۔

''مگر بیگم اس سے اس کی پڑھائی کا حرج ہو رہا ہے۔'' انہوں نے کمزور سی کوشش کی بظاہر مگر اندر سے مطمئن تھے۔

''یہ تو Mid Term تھے فائنل میں پاس ہو جائے گا وہ بھی اور ویسے بھی پڑھ لکھ کر بھی تو پیسہ ہی کمانا ہے اور وہ ابھی سے کما رہا ہے وہ۔'' انہوں نے مکمل دلیل دی۔

''اور ویسے بھی کمال صاحب ہماری اکلوتی اولاد ہے شرجیل وہ ہمارے خواب پورے نہیں کرے گا تو کون کرے گا؟'' انہوں نے اپنی آنکھوں پر لالچ کی ڈلی پٹی اُن کی آنکھوں پر بھی باندھ دی۔ یہ سوچے بغیر کہ معصوم بچے کے خواب اور خواہشات کا کیا بنے گا جو وہ اپنے لیے دیکھتا ہے۔

''ہوں..... یہ بھی ہے۔ مگر بیگم اُس کی پڑھائی کا ہرگز حرج نہ ہو اُس کا دھیان آپ کو رکھنا ہی ہے۔'' انہوں نے ہتھیار ڈال دیے۔

''جی جی بالکل آپ فکر ہی نہ کریں۔'' وہ فوراً بولیں اور مسکرا دیں۔

☆......☆......☆

شام کے سائے گہرے ہوئے تو شرجیل انگڑائی لیتا ہوا بستر سے نکلا۔ گھڑی پر نظر پڑی تو 7 بجے رہے تھے۔ کمرے کی کھڑکیوں پر چونکہ پردے برابر تھے لہٰذا شام ڈھلنے کا پتہ نہ چل سکا۔

''حیرت ہے آج امی نے اٹھایا ہی نہیں؟'' وہ بڑبڑاتے ہوئے باہر نکلا۔ باہر کا سکون بتا رہا تھا جیسے طوفان گزر گیا ہو۔

''امی.....'' اُس نے با آواز بلند کہا۔

''کیا ہے میرے شہزادے۔'' امیدوں کے برعکس اُن کا موڈ بہت خوشگوار تھا۔ حیرت ہے امی کا موڈ تو اچھا ہے حالانکہ ابو سے ڈانٹ پڑنے کے بعد کم از کم دو دن تو منہ پھولا ہی رہتا ہے۔ وہ بغور ماں کا جائزہ لے رہا تھا۔

''اٹھ گئے جناب تم.....'' وہ اس کے گال کھینچ کر بولیں۔

''اُف امی......!'' وہ گال سہلانے لگا۔

''آج میں نے تمہارے لیے تمہاری فیورٹ بریانی بنائی ہے کھاؤ گے؟'' وہ ٹیبل سجانے لگیں۔

''ابو کہاں ہیں؟'' وہ بریانی کو نظر انداز کر کے اُن کے کمرے میں جھانکنے لگا۔

''وہ......وہ تو باہر اپنے دوست سے ملنے گئے ہیں۔ کہہ رہے تھے کہ ڈنر تک لوٹ آئیں گے۔'' وہ مصروف سے انداز میں بولیں۔

''اُن کا موڈ ٹھیک ہو گیا کیا؟'' وہ محتاط لہجہ لیے تھا۔

''تو اور کیا...... میں نے جھاگ کی طرح اُن کا غصہ بٹھا دیا۔ کیوں پھر مانتے ہو نہ اپنی ماں کو.....'' لہجہ فاتحانہ تھا۔ شرجیل نے بھنویں یوں سکیڑیں جیسے شک ہو۔

''میرے لال تجھے اب فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے سب سنبھال لیا ہے۔ اب ہم بے فکر ہو کر کام کیا کریں گے۔'' وہ اُس کے کندھے تھام کر ریلیکس کرنے لگیں۔

''کیا مطلب امی.....؟'' اس کا منہ کھلنے کا

کھلا تھا۔

''مطلب یہ میرے لال کہ تمہارے ابو کو اب کوئی اعتراض نہیں ہے تمہارے کام سے، بس فائنل پیپر میں اچھے نمبر لاؤ اور سارا سال عیش کرو...... کیا سمجھے؟'' وہ بھنویں اُچکا کر مسکرائیں۔

دھڑام سے اُس کی ساری امیدیں ٹوٹ گئیں۔ مطلب پھر سے چکی پیسوں...... اس کا چہرہ لٹک گیا۔

''کاش ایسا نہ ہوا ہوتا......'' اس کے اندر سے آواز ابھری۔

☆......☆......☆

دن اپنی رفتار برقرار رکھے بس گزرے جارہے تھے۔ صبح سے شام اور رات سے صبح بس ہوئے چلی جارہی تھی۔ وقت کے اس تسلسل کو کمال صاحب کے ایکسیڈنٹ نے توڑا۔

اُن کا کافی سیریس ایکسیڈنٹ ہوا تھا جس کی وجہ سے اُن کی بائیں ٹانگ ٹوٹ گئی تھی اور ہاتھ میں بھی فریکچر تھا۔ پسلیوں پر بھی گہری چوٹ تھی۔ جس کی وجہ سے وہ بستر پر پڑ گئے تھے۔

سارا دن بستر پر پڑے رہنے کی وجہ سے مزاج میں چڑچڑا پن بھی آ گیا تھا جس نے اُن کے غصے پر تڑکے کا کام کیا تھا۔

شرجیل زیادہ تر شوٹنگ پر ہوتا تھا۔ اسکول، گھر کھیل کود بس برائے نام ہی تھے۔ شرجیل کے ساتھ اس کی امی کو بھی جانا پڑتا تھا۔ لہٰذا کمال صاحب گھر میں اکیلے ہی ہوتے تھے۔

''آج بھی تم لوگ دیر سے آئے ہو۔'' جیسے ہی دونوں نے گھر میں قدم رکھا وہ برس پڑے۔

''ہاں آج 11 سین شوٹ ہوئے۔'' مسز کمال تھکے انداز میں بولیں جبکہ شرجیل صوفے پر گرا۔ اس کا دماغ درد سے پھٹے جا رہا تھا اوپر سے ابو بلاوجہ چیخ رہے تھے کہ سارا سارا دن اکیلا پڑا رہتا ہوں کوئی ہوتا نہیں...... تمہیں میری پرواہ نہیں ہے۔'' بس بولے چلے جارہے تھے۔

☆......☆......☆

بیماری نے طوالت پکڑی تو آفس والوں نے بھی جواب دے دیا۔ اس کے بعد تو کمال صاحب کا چڑچڑا پن اور بھی بڑھ گیا۔ کچھ اُن کی بیگم کی لاپرواہی اور کچھ اکیلا پن وہ بہت بد دماغ ہوگئے تھے۔ شرجیل تو پچھلے دو مہینوں سے اسکول بھی نہ گیا تھا اور نہ ہی گھر میں پڑھ پاتا تھا۔ بس کام، کام، کام یہ ہی اُس کا معمول تھا۔ ظاہر ہے اب گھر کا خرچا پچھلے دو مہینوں سے اُس کے سر پڑ گیا تھا۔

مسز کمال بس اس کے لیے کچھ پروڈیوسر تو کبھی ڈائریکٹر سے بات کرتیں۔ انہیں تو جیسے بھول ہی گیا تھا کہ وہ 8th کلاس کا اسٹوڈنٹ ہے اور اگلے مہینے اس کے فائنلز ہیں۔

شرجیل پر کام کا بوجھ بہت بڑھ گیا تھا۔ دو، دو، تین تین شفٹوں پر وہ بے چارا کام کرتا۔ اُس کا بچپنا کہیں کھو سا گیا تھا۔ اکثر ٹیرس پر کھڑے ہوکر وہ بلڈنگ کے نیچے کھڑے بچوں کو کھیل کود کرتے حسرت سے دیکھا کرتا تھا۔

کیسے بےفکرے ہوکر اپنی زندگی کے پلوں کو انجوائے کرتے ہیں۔ اپنے بچپن کی حسین یادوں کو مستقبل کے لیے محفوظ کررہے ہیں اور وہ پیسہ کمانے کی مشین بنا ہوا ہے۔ اکثر اس کے سر میں اور کمر میں شدید درد رہنے لگا تھا۔ اسٹریس کی وجہ سے......

اکثر ہی وہ آؤٹ ڈور شوٹس کے لیے شہر کے باہر کے علاقوں میں جاتا تھا۔ سفر کی تھکن اترتی نہیں تھی اور اگلا کام منہ پھاڑے پہلے ہی موجود

ہوتا تھا۔ وہ بچہ بے چارہ مزدور بن گیا تھا۔

وقت سست رفتاری سے گزر رہا تھا۔ کمال صاحب آہستہ آہستہ صحت یاب ہونے لگے تھے وہ اب آرام طلب بن گئے تھے بیٹھے بیٹھے کھانے کی عادت سی ہونے لگی تھی انہیں کیونکہ بن ہاتھ پاؤں مارے گھر میں پیسے آرہے تھے اور گزارہ بہت اچھے سے ہورہا تھا۔

اس چیز سے بے پرواہ کہ ان اچھے حالات کا ذمہ دار انسان ایک 12 '13 سال کا معصوم بچہ تھا جو اپنا بچپن دھیرے دھیرے کھو رہا تھا۔

شرجل کو لوگ اب جاننے لگے تھے اور اس بات پر مسز کمال پھولے نہیں سماتیں تھیں اور مسٹر کمال کا سینہ بھی چوڑا ہوگیا تھا۔ جبکہ شرجیل کو اس کی بالکل پرواہ نہیں تھی۔ وہ بے چارہ مزدوری کرتا تھا اس کی صحت دن بدن گرتی جارہی تھی کام کی زیادتی کے باعث جبکہ ماں باپ یہ سمجھ رہے تھے کہ یہ اُس کی قابلیت ہے کہ اتنا کام آسانی سے کرتا ہے۔

''تمہیں معلوم ہے کہ پرسوں تاریخ کیا ہے؟'' مسٹر کمال نے ناشتے کی میز پر پوچھا۔

''13 فروری کیوں؟'' وہ نارمل انداز میں بولیں۔

''پرسوں شرجیل کے فائنل پیپر ہیں بی بی جی۔'' لہجہ تھوڑا سخت ہوا۔

''اگر فیل ہوگیا تو سال ضائع ہوجائے گا...... جبکہ جہاں تک مجھے پتہ ہے تو وہ اسکول تو گیا ہی نہیں ہے اور گھر میں بھی اس نے پڑھائی نہیں کی۔ اور پرنسپل نے کہا تھا کہ فائنل میں پاس کرنا اُس کا ضروری ہے۔'' وہ تشویش سے بولے۔

''ہوں ...... یہ تو ہے اب کیا کریں۔ اوپر سے پرسوں صبح ایک ایڈ کی شوٹ بھی ہے جس کا ایڈوانس میں لے چکی ہوں۔'' وہ فکر مند ہوئیں۔

''ویسے یہ لڑکا ہے کہاں؟'' کمال صاحب نے پوچھا۔

''سو رہا ہے رات دیر سے آئے تھے ناں اس لیے۔'' وہ نوالہ منہ میں لے کر بولیں۔

اتنے میں شرجیل بھی آنکھیں رگڑتا آگیا۔ سلیپنگ سوٹ جو کہ شکنوں سے پُر تھا چہرے پر واضح تھکن کے آثار تھے بال بکھرے تھے اور رنگ ماند سا پڑ گیا تھا۔

آنکھوں کے گرد حلقے تھے جو اس بات کی واضح دلیل تھی کہ نیند پوری نہیں ہے جبکہ وزن بھی پہلے سے کم تھا۔ مگر افسوس کہ یہ سب والدین کو نظر نہ آرہا تھا لالچ کی دھند کے باعث...... وہ چلتا ہوا آیا اور سیدھا کرسی نکال کر بیٹھ گیا ہاتھ بڑھا کر جوس گلاس میں ڈالا اور منہ ہاتھ دھوئے بغیر ہی پی گیا۔

''کیوں بھئی سلام دعا کرنا بھول گئے ہو میاں......'' کمال صاحب کو اُس کا یہ انداز ایک آنکھ نہ بھایا۔

اس نے جیسے سنا ہی نہیں تھا اور اُٹھ کر چلا گیا۔

''یہ کیا بے ہودگی ہے بیگم......!'' وہ اُلٹا اُن پر برس پڑے۔

''تمیز و میز سارے بھول گیا ہے کیا یہ نالائق۔'' اُن کا غصہ بڑھتا جارہا تھا۔

''رہنے دیں وہ نیند میں ہوگا آپ ناشتہ کریں۔'' انہوں نے چائے کپ میں ڈال دی اور کپ آگے بڑھا دیا۔

گھر میں اب واضح تبدیلی آگئی تھی سلک کے پردے اور جدید طرز کے قالین نے سٹنگ ایریا کو جلا بخشی تھی۔ کراکری بھی ماربل کی میز پر سجی تھی اور لیدر کے صوفے ڈرائنگ روم کی شان بڑھا رہے تھے۔ اب شرجیل اور ان کے کمرے

میں AC تھا اور نت نئی طرز کی چیزوں سے گھر سجا ہوا تھا۔ اور یہ سب شرجیل کی بدولت تھا۔ جس کی دن رات کی محنت یہاں رنگ لائی تھی مگر وہ معصوم بچہ دماغی طور پر اور جسمانی طور پر ضرورت سے زیادہ کام کر رہا تھا۔

کام، کام اور بس کام ہی اُس کی زندگی میں رہ گیا تھا۔ جبکہ ماں باپ کا لالچ اور حوس ختم ہونے میں نہیں آ رہی تھی۔

''گھر تو اب ہمارا کافی خوبصورت ہو گیا ہے بیگم کیا خیال ہے۔'' کمال صاحب نے چائے کی چسکی لی۔ مسز کمال نے ایک طائرانہ نگاہ گھر پر ڈالی۔

''تو اور کیا میرا ذوق ہی کچھ جدا ہے۔'' وہ فخر سے کندھے اُچکا کر بولیں لہجے میں بلا کا غرور تھا

''ہوں یہ تو ہے۔'' انہوں نے بھی تائید کی۔

''ویسے اب آپ کا جاب کرنے کا ارادہ نہیں ہے کیا؟ اب تو آپ کافی بہتر ہیں۔'' وہ متوجہ ہوئیں۔

''ہو...... ں...... ہاں...... ہاں بس ذرا صحت ٹھیک ہو جائے تو ڈھونڈ لیں گے جاب بھی جاب کا کیا ہے۔'' واضح لگ رہا تھا کہ وہ ٹال رہے ہیں۔

''کیا مطلب؟'' اُن کے ماتھے پر لکیریں واضح ہوئیں۔

'' مطلب یہ کہ بیگم گزارہ ہو رہا ہے نا تو ہونے دو، جاب بھی ہو ہی جائے گی۔'' وہ اطمینان سے بولے۔

''کیا سمجھیں......'' وہ اُن کی تھوڑی ہلا کر بولے۔

''ہوں......'' سمجھ تو وہ گئیں کہ شوہر کا ارادہ آرام کا ہے مگر خاموش رہیں آخر کو بولتی بھی کیا وہ خود بھی شرجیل کے سہارے پر ہی تھیں۔

☆......☆......☆

''شرجیل بیٹا...... اٹھو......'' شام ڈھلے وہ اس کے کمرے میں آئیں تو وہ بستر پر اوندھا لیٹا ہوا تھا۔

''اٹھو بھی اب...... جواب نا پا کر وہ خود اس کے قریب آئیں جیسے ہی اس کے ماتھے کو چھوا تو لگا دہکتے کوئلے پر ہاتھ جا پڑا ہو۔

''اف اسے تو بخار ہے'' وہ اسے سیدھا کر کے بولیں۔

وہ نیم بے ہوشی میں پڑا تھا۔

''اٹھو بیٹا یہ پانی پیو میں ابھی ڈاکٹر کو بلاتی ہوں۔'' وہ گھبرا کر اٹھیں۔

''انہیں شاید اسٹریس کی وجہ سے بخار ہوا ہے انہیں آرام کرائیں آپ اور کھانے پینے پر توجہ دیں۔'' ڈاکٹر نے معائنہ کرتے ہوئے کہا۔

''جی ڈاکٹر!'' مسز کمال نے کہا۔

ساری رات وہ اس کے سرہانے بیٹھی رہیں صبح کہیں جا کر وہ سنبھلا۔ آج اس کی شوٹنگ تھی جس کی انہوں نے معذرت کر لی۔

''تم ٹھیک ہو اب......'' وہ اس کے لیے ناشتہ لائیں۔

''ہوں......'' جواب بس اتنا تھا۔

میں دیکھ رہی ہوں کہ کافی عرصے سے تم نے بات چیت کرنا بند کر دیا ہے نہ وڈیو گیم کھیلتے ہو اور نہ ہی ہم سے بات کرتے ہو۔ شوٹنگ پر جاتے ہو کام کرتے ہو اور گھر آ کر کمرے میں گھس جاتے ہو سب ٹھیک تو ہے ناں......''

''خیال آ گیا آپ کو...... خیر فائدہ کیا ہے ان سب کا کہ آپ کو Explain کروں۔'' مطلب کی بات کریں آخر کو صرف آپ کو مجھ سے کوئی مطلب کی بات ہی کرنا ہوگی جو یہاں بیٹھی

ہیں۔'' رویہ ایک دم بہت سخت ہو گیا تھا اُس کا۔

وہ ہلکا بکا اس کا چہرہ دیکھ رہی تھیں انہیں لگ ہی نہیں رہا تھا کہ یہ اُن کا بیٹا ہے۔

''بولیں کہ کیا بات ہے کون سی شوٹنگ پر جانا ہے اور کس سے ایڈوانس لینا ہے۔'' وہ بے زاری سے بولا۔

وہ یکدم شرمندہ سی ہو گئیں۔ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کہیں ذہن کی سلیٹ سے جیسے سارے الفاظ یکدم ہی صاف ہو گئے ہوں۔

''و...... وہ کل تمہارا پہلا فائنل ایگزام ہے تمہیں پیپر دینے جانا ہے تم تیاری کرلو......'' وہ کہہ کر نکل گئیں۔

اور شرجیل کو لگا کہ پہاڑ کسی نے اس کے سر پر زور سے پھینکا ہو۔

''میں نے تو کتابیں کھول کر نہیں دیکھا اور یکدم ایگزام کیسے دوں؟'' اس کا زرد سے سر پھٹنے لگا اور وہ بستر پر ڈھے گیا۔

☆......☆......☆

''یار پرنسپل سے بات تو کرونا کہ وہ بس اسے پاس کردیں جیسا بھی یہ پیپر دے۔'' کمال صاحب نے کہا۔

''میں کر چکی ہوں بات وہ نہیں مان رہے انہوں نے صاف الفاظ میں کہہ دیا ہے کہ اسے پیپر پاس کرنا ہوگا ورنہ اسے اسکول سے نکال دیں گے اور اوپر سے پروڈیوسر بھی نہیں مان رہا وہ کہہ رہا ہے کہ اگر وہ شوٹنگ پر نہ آیا تو وہ یہ رول کسی اور کو دے دیں گے اور ایڈوانس بھی واپس کرنا ہوگا۔'' وہ پریشانی سے بولیں۔

''تو تم واپس کردو ایڈوانس...... سال ضائع کرنے سے بہتر ہے۔'' وہ بولے۔

''کیسے کردوں واپس یہ جو آپ صحت یاب ہوئے ہیں ناں یہ انہی پیسوں کی بدولت آپ کے سارے اخراجات انہی سے پورے ہوئے ہیں۔'' وہ زور سے بولیں۔

شرجیل کمرے میں اُن کی باتیں سن رہا تھا۔ اور اس کی گھبراہٹ بڑھتی جارہی تھی۔

''اس کو یہ دونوں کام اکٹھے کرنے ہوں گے۔'' آخر کو مسز کمال نے کہا۔

اور شرجیل کو لگا جیسے کسی نے منوں وزن اس کے کندھوں پر ڈال دیا ہو اس کے کندھے جھک گئے۔

اگلے کئی دن اس کے لیے بہت کٹھن رہے۔ وہ صبح اسکول پیپر دینے جاتا اور واپسی پر شوٹنگ کرنے......

پانچویں دن اسکول سے فون آیا کہ شرجیل کی طبیعت اچانک بگڑ گئی ہے اسے ہاسپٹل لے کر گئے ہیں۔ فون سنتے ہی مسز کمال کے پاؤں تلے زمین نکل گئی وہ بڑی مشکل سے جیسے تیسے ہاسپٹل پہنچیں جہاں میڈیا والے پہلے ہی موجود تھے۔ انہیں نا جانے کہاں سے خبر پہنچ گئی تھی کہ چائلڈ اسٹار شرجیل کمال ہاسپٹل میں ایمرجنسی آیا ہے اور حالت نازک ہے۔

وہ جیسے ہی گیٹ پر پہنچیں انہوں نے گھیر لیا اور طرح طرح کے سوال کرنے لگے۔ جیسے تیسے وہ وہاں سے نکلیں اور ICU میں پہنچیں جہاں شرجیل آکسیجن پر زندگی سے لڑ رہا تھا۔

''ڈاکٹر کیا ہوا ہے؟'' وہ گھبراہٹ میں تھیں۔

''برین ہیمبرج ...... بہت زیادہ اسٹریس کی وجہ سے۔'' ڈاکٹر نے سفاکی سے کہا۔

دوسری طرف کمال صاحب ٹی وی پر پل پل کی خبر دیکھ رہے تھے۔ نیوز چینلز والوں کو تازہ خبر ملی تھی جسے وہ مرچ مسالا لگا کر بار بار چلا رہے تھے۔

''ڈاکٹرز کے مطابق شرجیل کمال کو برین ہیمبرج ہوا ہے وہ اسکول پیپر کے دوران اچانک سے بے ہوش ہوگئے اور انہیں ایمرجنسی میں یہاں لایا گیا۔ ہاسپٹل آتے وقت اُن کی ناک اور منہ سے خون آرہا تھا۔ یہ سب کیوں اور کیسے ہوا ابھی معلوم نہیں جیسے ہی ہمیں فوری اطلاعات آئیں گی آپ کو بتائیں گے اس وقت تک آپ ہمارے ساتھ رہیں۔'' نیوز کاسٹر روایتی انداز میں بول رہی تھی۔

جبکہ کمال صاحب اپنے فریکچر شدہ بازو کے ساتھ ٹی وی کے آگے بیٹھے تھے وہ اپنا دل تھامے ہوئے تھے۔

شرجیل کی حالت سنبھلنے کی بجائے اور بگڑتی جارہی تھی۔ مسز کمال ICU کے باہر دعائیں کررہی تھیں مگر شاید اب یہ سب بے کار تھا شرجیل کو زندگی اتنی مشکل لگی کہ اس نے موت کو آسان جانا اور اُس کی بانہوں میں سما گیا۔

ڈاکٹرز نے اپنی طرف سے آخری کوشش کی اور باہر آکر مسز کمال سے کہا۔

''We are Sorry ہم بچا نہیں پائے۔''

قیامت خیز خبر سن کر وہ جہاں تھیں وہیں بیٹھتی چلی گئیں۔

''ہم آپ کو بریکنگ نیوز دے رہے ہیں۔ شرجیل کمال اب ہم میں نہیں رہے۔'' نیوز کاسٹر نے کہا اور کمال صاحب کو لگا کہ چاروں طرف اندھیرا ہی اندھیرا پھیلتا جارہا ہے۔

دونوں نے اپنی زندگی کے چراغ کو لالچ، آرام طلبی اور ہوس کی بھینٹ چڑھا دیا تھا وہ یہ بھول گئے تھے کہ اُن کی کچھ ذمہ داریاں ہیں اپنی اولاد کی طرف جبکہ انہوں نے اُسے بس غیر ضروری ضرورتوں کی بھینٹ چڑھا دیا۔

ان کمزور سے کاندھوں پر اتنا بوجھ تھا کہ اس بوجھ کے تلے دب کر وہ دم گھٹنے سے مرگیا...... کاش کہ والدین سمجھتے کہ ہر چیز کی ایک عمر ہوتی ہے اور بچہ اپنی عمر کے کام کرتا ہی اچھا لگتا ہے۔

☆☆......☆☆

بازگشت

مسرور جہاں

امام ضامن

تحریر کی روانی اور گیرائی لیے یقیناً یہ یادگار افسانہ آپ کے دل کے تار جھنجھوڑ کر رکھ دے گا

میرا بیٹا گوتم پہلی بار گھر سے اتنی دور جا رہا تھا' ہم سب اداس تھے لیکن اس کے روشن مستقبل اور اچھی زندگی کے لیے ہمیں اس کی جدائی کا دکھ برداشت کرنا ہی تھا۔ انسان قربانی دیے بغیر کچھ نہیں حاصل کر پاتا اور یہ بات میں نے گوتم کی ماں کو بھی سمجھا دی تھی' رہا گوتم تو وہ ایک بہادر باپ کا بیٹا ہے اور کافی سمجھدار بھی اس لیے اس کو زیادہ سمجھانے کی ضرورت نہیں پڑتی۔

چند سال قبل تک میں ایک نڈر اور بے خوف فوجی افسر تھا لیکن اب میں اندر سے ڈرا ہوا رہتا ہوں۔ یہ ڈر اور خوف اس لیے نہیں ہے کہ میں نے جنگ میں اپنا ایک ہاتھ گنوا دیا ہے' یہ خوف اس لیے بھی نہیں ہے کہ میں جنگ سے گھبراتا ہوں۔ دشمن آمنے سامنے ہوں تو لڑنے میں مزہ آتا ہے اور خون گرم ہو کر رگوں میں اس طرح اچھلتا ہے جیسے آتش فشاں میں لاوا کھولتا ہے۔ مجھے تو اس جنگ سے خوف آتا ہے جو ہمارے پرامن شہروں میں جگہ جگہ ہو رہی ہے اور دشمن ہماری نظروں کے سامنے ہونے کے باوجود ہماری نظروں سے پوشیدہ رہتا ہے۔ میں تو ادھورا ہو کر بھی مکمل ہوں کیونکہ میں نے ایک بڑے مقصد کے لیے جنگ کی تھی اور اپنے ملک سے وفاداری اور محبت کے ثبوت میں ایک ہاتھ تو کیا' اپنی جان سے بھی ہاتھ دھونا پڑتا تو دکھ نہ ہوتا۔ دکھ تو ان کے لیے ہے جو مکمل ہو کر بھی نامکمل اور ادھورے ہیں۔ میں اس جنگ کے خلاف ہوں جو بھائی' بھائی سے کر رہا ہے۔ میں اس لڑائی سے نفرت کرتا ہوں جو اپنے اپنوں سے کرتے ہیں۔

میں مذہب' نسل' زبان اور فرقوں کے نام پر جنگ کرنے کو بزدلی سمجھتا ہوں لیکن یہ جنگ ہر جگہ ہو رہی ہے' ان دیکھے ہاتھ اس جنگ کو ہوا دے رہے ہیں۔ میرا جی چاہتا ہے کہ میں ان ہاتھوں پر فاطمہ موسیٰ کا دیا ہوا امام ضامن باندھ دوں اور تب ان سے پوچھوں کہ کیا اب بھی یہ ہاتھ جنگ کرنے کے لیے تیار ہیں؟ بھائی کا گلا

کاٹنے کے لیے آمادہ ہیں؟ اور کیا یہ ہاتھ اب بھی اپنوں کے خلاف تلوار اٹھانے کی جرأت کر سکتے ہیں؟

گوتم رخصت ہونے لگا تو میری پتنی نے اپنے صندوقچے سے تانبے کا پیسہ نکالا' اسے احترام ومحبت سے آنکھوں سے لگایا پھر ایک سکہ اس تانبے کے پیسے سے مس کر کے ایک کپڑے میں سیا اور پھر بھگوان کا نام لے کر اسے گوتم کے داہنے بازو پر باندھ دیا۔

ہمیں اعتقاد ہے کہ امام ضامن کی موجودگی میں گوتم کو کچھ نہیں ہوگا اور وہ بحفاظت اپنی منزل پر پہنچ جائے گا۔ اگر میرے بازو پر فاطمہ موسیٰ نے امام ضامن نہ باندھا ہوتا تو شاید میں جنگ سے زندہ واپس نہ آتا۔ یہ فاطمہ موسیٰ کی دعائیں تھیں جو میں اس میدانِ حشر سے واپس آیا تھا۔ اس طرح کہ میرے داہنے بازو پر امام ضامن بندھا ہوا تھا اور بایاں ہاتھ کہنی کے پاس سے کاٹ دیا گیا تھا لیکن بہرحال میں زندہ اپنے گھر واپس آیا تھا۔ فاطمہ موسیٰ کا یہ امام ضامن ہمارے گھر میں ویسا ہی پوتر سمجھا جاتا ہے جیسے گیتا۔

فاطمہ موسیٰ میری پڑوسی تھیں' ان کا بیٹا خالد میرا کلاس فیلو تھا۔ فاطمہ موسیٰ' خالد کو بہت چاہتی تھیں۔ کم سنی کی شادی اور پھر بیوگی نے ان کو یہی ایک تحفہ دیا تھا۔ اسے وہ اپنی جان سے زیادہ عزیز سمجھتی تھیں۔ اسکول جاتے ہوئے میں خالد کو اپنے ساتھ لے لیتا تھا اور فاطمہ موسیٰ اس کے ساتھ مجھے بھی اصرار اور پیار سے ناشتہ کراتی تھیں۔ اسکول سے واپسی میں خالد میرے گھر آجاتا تھا۔ ہم ساتھ ہی کھانا کھاتے تھے اور کھیلتے کودتے تھے۔

فاطمہ موسیٰ اس وقت اسکول میں ہوتی تھیں۔ اس ملازمت سے وہ اپنا اور خالد کا خرچ چلاتی تھیں۔ گھر پر بھی کچھ بچے کلام پاک پڑھنے آجاتے تھے۔ مجھے فاطمہ موسیٰ کا تلاوت کرنا بہت اچھا لگتا تھا۔ ان کے گلے میں سوز تھا۔ میں اکثر ان کے پاس بیٹھ کر تلاوت کرتے دیکھتا رہتا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مجھے کلام پاک کی کئی سورتیں یاد ہو گئیں اور اردو پڑھنا لکھنا بھی آ گیا۔ میرے پتا جی اکثر میری ماں سے ہنس کر کہتے۔

''رکمنی' تجھے کچھ خبر ہے' تیرا بیٹا مسلمان بنا جا رہا ہے؟ فاطمہ دیوی کی محبت اسے برباد کر رہی ہے؟''

میری ماں جواب دیتی۔ ''تم ہماری لڑائی کرانا چاہتے ہو؟ لیکن یہ نہیں ہونے کا۔ میں نے اور دیدی نے ایک کٹورے میں دودھ چاول کھائے ہیں' لڑنا جھگڑنا تو تم مردوں ہی کی عادت ہے۔ جب دیکھو' آئے دن جھگڑا فساد ہوتا ہی رہتا ہے۔''

میں انٹر کے بعد ایئر فورس کی ٹریننگ میں چلا گیا۔ خالد بھی میرے ساتھ جانا چاہتا تھا لیکن فاطمہ موسیٰ نے اسے اجازت نہیں دی۔ وہ جنگ سے بہت ڈرتی تھیں لیکن انہیں یہ نہیں معلوم تھا کہ لڑائیاں صرف میدانِ جنگ ہی میں نہیں لڑی جاتیں' شہروں کے گلی کوچوں میں بھی لڑی جاتی ہیں اور ایک دن ایسی ہی ایک لڑائی میں خالد کام آ گیا۔ فاطمہ موسیٰ کو تو یقین ہی نہیں آتا تھا کہ کوئی اس طرح بھی مارا جا سکتا ہے؟

ایک چھوٹی سی بات کو لے کر شہر میں فرقہ وارانہ فساد ہوا اور پھر فساد کی یہ آگ محلے محلے پھیل گئی۔ خالد نے اپنے محلے والوں کے ساتھ مل کر ایک امن کمیٹی بنائی اور سب مسلمانوں' ہندوؤں سے پُرامن رہنے کی اپیل کی' نتیجہ یہ ہوا کہ ہمارا محلہ نفرت اور بربادی کی اس آگ سے پوری طرح محفوظ رہا۔ خالد کی کوششیں بارآور ہوئیں اور ہر فرقے کے لیڈر نے اس کی امن پسندانہ کوششوں کو سراہا اور حکومت کے ذمہ داروں نے اس کی تعریف کی لیکن شرپسندوں کو اس کی یہ کامیابی پسند نہ آئی۔ وہ تو ایسی ہر کوشش کو ناکام بنانے کا تہیہ کیے ہوئے تھے اور پھر انجام کار خالد کو چھرا مار دیا گیا۔ پتا جی نے مجھے سارے حالات لکھے تو میں چھٹی لے کر گھر آ گیا۔ خالد میرا بہت پیارا دوست تھا۔ مجھے فاطمہ موسیٰ کے دکھ کا بھی پورا احساس تھا اور میں ان سے دل ہی دل میں بہت شرمندہ تھا۔ مجھے تو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے خالد کو میں نے ہی مار ڈالا ہو۔ میری ہمت نہیں ہو رہی تھی کہ میں فاطمہ موسیٰ کا سامنا کر سکوں اور انہیں اپنی شکل دکھا سکوں۔

میں ان کے سامنے پہنچا تو میرا سر ندامت سے جھکا ہوا تھا۔ فاطمہ موسیٰ نے مجھے دیکھا تو اپنی بانہیں پھیلا دیں اور مجھے سینے سے لگا کر رو پڑیں۔

''بیٹا' مجھے معاف کر دو' میں تمہارے بھائی کی حفاظت نہ کر سکی' اسے موت کے منہ میں جانے سے نہ روک سکی۔''

آہ...... وہ تو الٹا مجھ سے معافی مانگ رہی ہیں جیسے خالد اس کا بیٹا نہیں' صرف میرا عزیز بھائی تھا۔ انہیں تو مجھے گالیاں دینا چاہیے تھیں' برا بھلا کہنا چاہیے تھا کہ جس نے مارا' وہ میرا ہم نام تھا لیکن فاطمہ موسیٰ مجھے لپٹائے اس طرح رو رہی تھیں جیسے ان کے ہاتھوں میرا ناقابلِ تلافی نقصان ہوا ہو۔ میں انہیں تسلی نہ دے سکا۔ غم سے میرا سینہ پھٹا جا رہا

تھا اور میں چیخیں مار مار کر رو رہا تھا۔ خالد کی موت کے غم پر ندامت اور پشیمانی کا احساس غالب آ چکا تھا۔ موت تو برحق ہے۔ فاطمہ موسیٰ کو بارہا پڑھتے سنا تھا۔ ''کل نفس ذائقتہ الموت'' لیکن ایسی موت جس کا الزام ایک فرد پر نہیں، پوری قوم پر آئے، اس کا ازالہ ممکن ہی نہیں ہے۔

''نہ روشن، میرے بیٹے، میں نے تجھ میں اور خالد میں کبھی فرق نہیں سمجھا۔ اب تو میرا ایک ہی بیٹا سلامت رہ گیا ہے۔ خدا تجھے بری نظر سے بچائے۔''

'ہاں، فاطمہ موسیٰ! تم نے تو مجھ میں اور خالد میں کوئی فرق نہیں سمجھا، مجھے کہنا پڑے گا کہ تم بہت ناسمجھ تھیں، بھولی تھیں، سمجھدار تو وہ لوگ تھے جنہوں نے اس فرق کو بہت اچھی طرح سمجھا اور دوسروں کو بھی سمجھایا۔ تم پھر بھی نہ سمجھ سکیں تو یہ تمہاری بے وقوفی ہی تو ہے فاطمہ موسیٰ! اگر تم سمجھدار ہوتیں تو کم از کم آج مجھے تمہارے سامنے اس طرح شرمندہ اور پشیمان نہ ہونا پڑتا۔ تم مجھے جو چاہو، سزا دو، میں ایک قاتل کا بھائی ہوں بلکہ سچ تو یہ ہے کہ میں ہی خالد کا قاتل ہوں۔'

میں جتنے دن رہا، میں نے فاطمہ موسیٰ کے پاس زیادہ سے زیادہ وقت گزارا۔ زبان سے تو ان کی تسلی و تشفی میں ایک لفظ کہنے کی جرأت نہیں تھی، بس ان کی خدمت کر کے اپنے ضمیر پر پڑے ہوئے بوجھ کو کم کرنے کی سعی لاحاصل کرتا رہا۔ میری چھٹی ختم ہو چکی تھی اور مجھے جانا تھا لیکن اس بار مجھے فاطمہ موسیٰ سے بچھڑنے کا دکھ زیادہ تھا۔

دکھ پہلے بھی ہوتا تھا لیکن یہ اطمینان رہتا تھا کہ خالد ان کے پاس موجود ہے۔ اب انہیں کس کے سہارے چھوڑتا؟ میں نے اپنے پتا جی اور ماتا جی سے ان کی دیکھ بھال کی تاکید کی اور ان سے وداع ہونے ان کے پاس گیا تو میرا دل بھاری ہو رہا تھا۔ آنکھوں میں خالد کی صورت پھر رہی تھی۔

پہلے تو فاطمہ موسیٰ نے مجھے اپنے ہاتھ سے گاجر کا حلوہ کھلایا پھر امام ضامن میرے بازو پر باندھ کر مجھے اللہ اور رسول کی حفاظت میں دیا اور دعائیں پڑھ کر میرے اوپر دَم کیں۔ وہ مجھے دروازہ تک چھوڑنے آئیں اور پھر جب میں نے جھک کر ان کے چرن چھوئے تو کانپتے ہاتھوں سے انہوں نے میرا چہرہ تھام کر پیشانی چوم لی اور رندھی ہوئی آواز میں بولیں۔

''اللہ تیرا حامی و ناصر ہو بیٹا!''

فاطمہ موسیٰ کی اس محبت پر میرا دل بھر آیا۔ خالد اکثر شرارت سے کہا کرتا تھا۔

''یار، جب اماں تیرے امام ضامن باندھتی ہیں تو مجھے بڑا رشک آتا ہے۔ ایک بار اماں سے امام ضامن بندھوانے کی خاطر باہر ضرور جاؤں گا۔''

''فاطمہ موسیٰ، آپ کو بھلا کیا پتا ہوگا کہ خالد اتنی دور چلا جائے گا ورنہ امام ضامن باندھ کر اس کی دیرینہ آرزو ضرور پوری کر دیتیں۔ آپ تو اس لڑائی سے بھی ناواقف تھیں جو ہمارے گھروں میں لڑی جا رہی ہے۔ کاش، اس روز آپ کو بھی معلوم ہوتا کہ خالد کتنی دور جا رہا ہے اور آپ اس کے امام ضامن باندھ کر اس کو بھی خدا اور رسول کے حوالے کر کے اس کی جان کی حفاظت کا وعدہ لے لیتیں تو شاید آپ کو خالد کا دکھ نہ اٹھانا پڑتا؟''

میں نے فاطمہ موسیٰ کی ملازمت چھڑوا دی، بس اب وہ تنہائی کے خیال سے گھر پر ہی کچھ بچوں کو کلام پاک اور اردو پڑھاتی تھیں۔ ماتا جی ان کی ضروریات کا خیال رکھتی تھیں اور میں ہر مہینے باقاعدگی سے ان کو کچھ پیسے بھیج دیتا تھا، یہ پیسے ان کو

بھیج کر مجھے سکون اور طمانیت کی بجائے بے سکونی اور خجالت کا احساس ہوتا تھا۔ مجھے یوں محسوس ہوتا تھا کہ میں فاطمہ موسیٰ کو خالد کا خوں بہا دے رہا ہوں' ہاں' یہ خوں بہا ہی تو تھا۔ آج اگر خالد زندہ ہوتا تو کیا فاطمہ موسیٰ کو میرے پیسوں کی ضرورت ہوتی؟ نہیں' یہ تو اس کے خون کا معاوضہ تھا جو میں انہیں ادا کر رہا تھا حالانکہ مجھے معلوم تھا کہ میری دس پشتیں بھی اگر فاطمہ موسیٰ کی خدمت کریں تو خالد کے خون کے ایک قطرے کی قیمت بھی نہیں چکا سکتیں لیکن کبھی کبھی ہم خود اپنے کو بہلانے کے لیے بھی ایسی بچکانہ حرکتیں کرتے ہیں۔

اچانک ہماری سرحدوں پر جنگ کی آگ بھڑک اٹھی' یہ جنگ دو پڑوسی ملکوں کی جنگ تھی۔ میں محاذ پر جانے سے پہلے چند روز کی چھٹی لے کر آیا تھا۔ میں کچھ لمحات اپنے گھر والوں کے ساتھ گزارنا چاہتا تھا۔ ماں باپ کو تو میری فکر تھی اور مجھے صرف تین ہستیوں کی فکر تھی' یہ تین ہستیاں تھیں فاطمہ موسیٰ' میری پتنی دیپالی اور میرا بیٹا گوتم۔

میدانِ جنگ سے کسی کی واپسی کی ضمانت نہیں دی جا سکتی اس لیے اس بار جیسے جیسے میرے جانے کا دن نزدیک آ رہا تھا' سب کی اداسی بڑھتی جا رہی تھی۔ کتنی بار دیپالی میرے سینے سے لگ کر آنسو بہا چکی تھی اور میں اسے سمجھاتے سمجھاتے خود بھی آبدیدہ ہو جاتا تھا۔ فاطمہ موسیٰ کی بے قراری مجھ سے دیکھی نہیں جاتی تھی۔ وہ منہ سے تو کچھ نہیں کہتی تھیں' بس دن رات نمازیں پڑھا کرتیں اور میری سلامتی کے لیے دُعائیں مانگا کرتیں۔ آخر وہ دن بھی آ ہی گیا اور میں فاطمہ موسیٰ سے رخصت ہونے گیا تو انہوں نے حسبِ دستور پہلے مجھے فیرنی کھلائی۔ سفر کے لیے وہ حلوہ سوہن اور کھجوریں پہلے ہی مجھے بھجوا چکی تھیں جو دیپالی نے احتیاط سے ناشتے کی باسکٹ میں رکھ دی تھیں پھر موسیٰ نے مجھے کلام پاک کی ہوا دی اور گلابی رنگ کا ریشمی امام ضامن میرے بازو پر باندھ کر دیر تک دُعائیں پڑھتی رہیں پھر انہوں نے اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی جانب اٹھا دیے۔

''پاک پروردگار! اپنے رسولؐ اور آلِ رسولؐ کے صدقے میں' اس کی حفاظت کرنا۔ اسے دشمنوں سے بچانا اور زندہ سلامت ہم سے ملانا۔ (آمین' ثم آمین!)''

فاطمہ موسیٰ نہ جانے کیا کیا دُعائیں مانگتی رہیں۔ میرا دل چاہا کہ اُن سے پوچھ لوں۔ ''یہ دشمن کون ہیں فاطمہ موسیٰ؟ آپ تو ان کو اچھی طرح جانتی ہیں موسیٰ! اور پھر بھی آپ انہیں دشمن کہہ رہی ہیں؟ آپ یہ کیوں نہیں سوچتیں کہ ان کے ہاتھوں میری موت سے آپ کے نوجوان اور اکلوتے بیٹے کی موت کا بدلہ پورا ہو جائے گا؟ سچ پوچھیے تو آپ کے دشمن وہ نہیں' میں ہوں کیونکہ خالد کو میں نے قتل کیا ہے' آپ کی گود میں نے اجاڑی ہے لیکن آپ تو یہ بات سمجھنے کے لیے تیار ہی نہیں ہیں' الٹے آپ مجھے کلام پاک کی ہوا دے رہی ہیں۔ اللہ و رسولؐ کا واسطہ دے کر میری جان کی حفاظت کا وعدہ لے رہی ہیں؟ فاطمہ موسیٰ! آپ کس مٹی کی بنی ہوئی ہیں؟ ذرا مجھے اس مقدس مٹی کا پتا بتا دیجیے جس سے آپ جیسی عظیم ہستی تخلیق ہوئی ہے تاکہ میں اس مٹی کا تبرک چٹکی چٹکی ان سب انسانوں میں بانٹ دوں جو مذہب' نسل اور قوم کے نام پر اپنے ہی گھروں کے آنگن میں ایک دوسرے کو قتل کر رہے ہیں۔

میں جنگ میں اپنا بایاں بازو گنوا کر گھر واپس آیا تو موسیٰ نے دو رکعت نمازِ شکرانہ میری زندہ سلامت واپسی کے لیے پڑھی اور نذر نیاز کی۔ درگاہ میں چادر چڑھائی اور میرا ہاتھ گوتم کے سر پر رکھ کر کہا۔

یقین

اپنے وطن کی قدر اور اسے اپنا جان لینے سے ہی بات بنے گی اور باہمی اعتماد ہمیں ایک دوسرے کے قریب تر لا سکتا ہے۔ ہم میں اعتماد کا فقدان ہو چکا ہے لیکن یہ ختم نہیں ہوا۔ ہمارا مذہب ایک دوسرے سے محبت کا درس دیتا ہے۔ ہم بن دیکھے خدا پر ایمان رکھتے ہیں۔ اِس جذبے اور یقین کو کامل کرنے کی ضرورت ہے۔ ہمیں اس بات کا تو یقین ہے کہ دو گولی ڈسپرین سے سر درد کو فوری آرام مل جائے گا۔ فلاں ہارٹ سرجن اگر آپریشن کرے گا تو مریض مر نہیں سکتا چاہے وہ کچھ دیر کے لیے مریض کے سینے سے دل باہر ہی نکال کے کیوں نہ رکھ دے لیکن ہمیں اس بات پر یقین نہیں ہوتا ہے کہ فلاں آیتِ مبارکہ پڑھنے سے سر درد کو فوری آرام مل جائے گا یا رزق میں برکت آئے گی۔ اس بات پر یقین نہیں کہ صدقہ دینے سے اس کا دس فیصد دنیا اور ستر فیصد آخرت میں اضافہ ملے گا۔ اگر صرف اس ایک بات پر عمل پیرا ہو جائیں گے، ہم انفرادی طور پر اپنے مالوں سے صدقہ، خیرات کرنا شروع کر دیں تو یقین کیجیے کہ کوئی محتاج یا زکوٰۃ لینے والا نہ رہے۔ ہم اگر باہمی اتحاد کا مظاہرہ کریں، مٹی سے پیار اپنے عقیدے میں شامل کر لیں اور خدا کی مکمل رحمت پر یقین کر لیں تو ہم ایسے بالکل نہ رہیں گے جیسے آج ہیں۔ اگر ہمیں دو گولی ڈسپرین سے زیادہ یقین اپنے ربِ کریم پر آ جائے اور ہم سرکار کو ایک طرف رکھ کر اپنے مسائل کی بابت خود سوچنے لگیں تو ہم زیادہ خوش و خرم اور توانا ہو جائیں گے۔ بات آنکھیں بند کر کے مکمل اور کامل یقین کی ہے اور اس یقین میں کوئی شک و شبہ یا وہم نہ ہو۔ ہمارا دل، جسم یک زبان ہو کر خدا کی قدرت پر یقین رکھ کر تھیا تھیا ناچ رہے ہوں پھر کسی میں نہ ہمیں جدا کرنے کا یارا ہوگا اور نہ ہمیں کسی پر تنقید کی ضرورت ہوگی۔ ہمارا نفس مطمئن ہوگا اور ہم کبھی پریشان حال نہ ہوں گے۔

اشفاق احمد کی کتاب ''زاویہ 3'' سے رازِ عدن۔ بحرین کا انتخاب

''دکشن، تم گوتم کے سر کی قسم کھا کر وعدہ کرو کہ گوتم کو جنگ میں نہیں بھیجو گے؟''

''میں قسم کھاتا ہوں موسیٰ!''

میں نے خلوص سے وعدہ کیا۔ ''لیکن موسیٰ، تم پھر بھول گئیں کہ آج کل لڑائیاں صرف میدانِ جنگ ہی میں نہیں لڑی جاتیں بلکہ قدم قدم پر لڑی جاتی ہیں اس لیے سچی بات تو یہ ہے موسیٰ، کہ میں تم سے گوتم کی زندگی کی حفاظت کا وعدہ نہیں کر سکتا، کیا پتا، کب وہ اسی طرح کی کسی لڑائی میں کام آ جائے اور تم میرا دامن تھام لو؟''

فاطمہ موسیٰ اب اس دنیا میں نہیں ہیں لیکن ہمارے خاندان میں وہ پہلے کی طرح شامل ہیں۔ ان کی محبت اور احترام میں ہم نے کبھی کوئی کمی نہیں کی۔ جب بھی گھر کا کوئی فرد باہر جانے لگتا ہے، فاطمہ موسیٰ کے امام ضامن والے تانبے کے پیسے سے سکہ چھلا کر، اس کے امام ضامن باندھا جاتا ہے۔ یہ امام ضامن ہمیں ہمیشہ یہ یاد دلاتا ہے کہ ہمارے ماتا پتا کی طرح ایک اور ہستی بھی تھی جو ہمیں اپنے بیٹے خالد ہی کی طرح عزیز رکھتی تھی۔ کاش، ہم نے بھی اس کی محبت کا حق اسی طرح ادا کیا ہوتا اور خالد کو بچا لیا ہوتا۔ کیا اس خونِ ناحق کو روکنے کا کوئی حل ہمارے پاس نہیں ہے؟

☆☆.....☆☆

پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد	صائمہ اکرام	عُشنا کوثر سردار	اشفاق احمد
نمرہ احمد	سعدیہ عابد	نبیلہ عزیز	نسیم حجازی
فرحت اشتیاق	عفت سحر طاہر	فائزہ افتخار	عنایت اللہ التمش
قُدسیہ بانو	تنزیلہ ریاض	نبیلہ ابر راجہ	ہاشم ندیم
نگہت سیما	فائزہ افتخار	آمنہ ریاض	مُمتاز مُفتی
نگہت عبدُاللہ	سباس گُل	عنیزہ سید	مُستنصر حُسین
رضیہ بٹ	رُخسانہ نگار عدنان	اقراء صغیر احمد	علیم الحق
رفعت سراج	اُمِ مریم	نایاب جیلانی	ایمائے راحت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شُعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ، حناء ڈائجسٹ، رِدا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسُوسی ڈائجسٹ، سرگُزشت ڈائجسٹ، نئے اُفق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دسترخوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مُصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کِڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی، جاسُوسی دُنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براوزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

ابھی امکان باقی ہے

اُن کرداروں کی کہانی، جو ہر معاشرے میں بکھرے پڑے ہیں مگر جب یہ کردار امر ہو جائیں تو مزید کا بھی امکان باقی رہتا ہے

قسط نمبر 9

''عجیب مصیبت ہے...... اور اگر وہ نہ آئی تو؟''

''وہ اگر نہ آئی تو پھر تمہارا جو جی چاہے فیصلہ کرنا...... میں تمہارے ساتھ ہوں'' صالحہ نے سنجیدگی سے کہہ کر اللہ حافظ کہا اور فون بند کر دیا۔ فائق کو اُن کا لہجہ عجیب سا لگا وہ خود بھی اس اُلجھن اس کشمکش سے نکلنا چاہتا تھا اپنے ازدواجی مسئلے کو حل کرنے کے لیے آخر اُس نے بیت الجنت کی طرف جانے والی سڑک پر گاڑی موڑ لی۔

☆......☆......☆

رات کا کھانا سرو ہونے میں کچھ وقت تھا۔ بی بی جان عشاء کی نماز پڑھ کر بابا جان کا واش روم سے نکلنے کا انتظار کر رہی تھیں۔ وہ تھوڑی دیر پہلے ضیغم کے ساتھ اصم سے مل کر آ رہے تھے۔

بی بی جان ذہنی طور پر فائق کی آمد کی بھی منتظر تھیں۔ انہوں نے ابھی تک شوہر اور بیٹوں کو انعم اور فائق کے درمیان پیدا ہونے والے کھنچاؤ کا نہیں بتایا تھا۔

انعم کا کافی دن سے یہاں رہنا کسی کو بھی اس لیے محسوس نہیں ہوا تھا کہ سبھی سمجھتے تھے وہ اصم کی وجہ سے ٹھہری ہوئی ہے۔ لیکن اس وقت جو صورت حال تھی ضروری ہو گیا تھا کہ شریح خان (بابا جان) کو کچھ نہ کچھ آگاہی دے دی جاتی۔ زبدہ اسی لیے کمرے میں اب تک بیٹھی ہوئی تھیں۔

شریح خان باہر نکلے تو انہیں کمرے میں موجود پا کر قدرے حیرت سے پوچھنے لگے۔

''خیریت ہے...... آج اب تک کمرے میں موجود ہو۔ رات کے کھانے کا کیا پروگرام ہے۔''

''کھانا تو بچیوں نے تیار کر لیا ہوگا۔ بس ذرا فا...... ئق کا انتظار ہے۔''

''اچھا...... تو داماد صاحب آ رہے ہیں...... تبھی......''

''نہ...... نہیں اُس نے آنے کا کہا تو نہیں بس امکان ہے...... اس لیے میں نے سوچا کہ کچھ دیر انتظار

کر لیتے ہیں۔'' زبدہ خان نے فوراً صفائی دی۔

''اچھی بات ہے انتظار کر لیتے ہیں۔ میں اتنی دیر میں عشاء کی نماز پڑھ لوں۔ آج جماعت رہ گئی۔ ہاسپٹل سے آتے ہوئے رش بہت تھا۔'' انہوں نے بیٹھتے بیٹھتے کمرے کے اُس حصے کی طرف قدم اٹھایا جہاں بی بی جان ساری اور وہ خود بھی کبھار نماز ادا کیا کرتے تھے۔

''آپ نماز بعد میں پڑھ لیجیے گا۔ مجھے آپ سے کچھ بات کرنی ہے۔'' بی بی جان نے ہچکچاتے ہوئے انہیں مخاطب کیا۔ تو وہ نا سمجھتے ہوئے واپس آرام دہ کرسی پر براجمان ہو گئے۔

''ہاں...... بتاؤ کیا بات ہے۔ اروی بیٹی تو ٹھیک ہے۔ اُس کے بازو میں درد تو نہیں''

''بظاہر تو وہ بہتر نظر آ رہی ہے اب درد وغیرہ تو آہستہ آہستہ ہی کم ہوں گے۔'' بی بی جان نے اُن کی فکرمندی کا بہت تحمل سے جواب دیا۔

''ہاں ایسا تو ہے...... اللہ تعالیٰ ہمارے بچوں کو مکمل صحت دے۔'' شریح خان کا دعائیہ انداز ولہجہ زبدہ خان کو بے ساختہ 'آمین' کہنے پر مجبور کر گیا۔

''پھر بتا دو...... کیا بات ہے جسے تم کہہ بھی نہیں پا رہیں اور کہنا بھی چاہتی ہو۔'' شریح خان نے زبدہ خان کے چہرے پر کشمکش پڑھ لی تھی۔

''وہ...... بات دراصل یہ ہے...... میں انعم اور فائق کے حوالے سے آپ کو کچھ بتانا چاہتی ہوں۔'' زبدہ نے جیسے اپنی ہمت جمع کر لی تھی۔ بتانا تو بہرحال تھا ہی۔

''انعم...... اور فائق کے بارے میں...... کیا مطلب؟'' وہ کچھ پریشان ہو گئے۔

''وہ اُس روز انعم ضد کر کے یہاں آئی تھی۔ اصم کے ایکسیڈنٹ سے پہلے۔'' انہوں نے جیسے یاد دلایا۔

''ہاں...... اندازہ ہو گیا تھا مجھے...... لیکن اب کیا مسئلہ ہے۔'' شریح خان کو بھی انعم کا روتے دھوتے آنا یاد آ گیا تھا۔

''مسئلہ تو یہی ہے کہ انعم اپنی ضد پر ہے کہ وہ اب وہاں نہیں جائے گی...... اور فائق بھی اُس کے بار بار یہاں آنے پر ناراض ہے۔''

''یہ کیا بات ہوئی...... یہ انعم کا میکہ ہے...... اُسے کیوں اعتراض ہے۔'' بی بی جان کی بات سن کر انہیں غصہ سا آ گیا۔

''خان صاحب ذرا تحمل سے سنیں۔ بیوی اگر بار بار میکے آنے جانے پر جھگڑا کرے گی تو شوہر بھی اعتراض کا حق رکھتا ہے۔ ہماری انعم کو اپنی ذمہ داریوں کا احساس ہی نہیں ہے۔ وہ بے حد نادان ہے۔''

''زبدہ...... میں ابھی تک سمجھ نہیں پا رہا ہوں کہ مسئلہ کیا ہے۔'' بی بی جان کی واضح بات کے باوجود وہ اُلجھن میں تھے۔

''مسئلہ کوئی نہیں ہے...... بس انعم کو سمجھداری سے کام لینا ہوگا۔ شادی کے بعد دو سال تک جب شوہر بلا حیل وحجت اُسے ہر جگہ لے کر آتا جاتا رہا ہے تو اب بیوی کو اُس کے موڈ یا مصروفیت کا خیال کر کے سمجھوتہ کر لینا چاہیے۔'' زبدہ نے غیر جانبداری سے اپنی بات سمجھانے کی کوشش کی۔

''تو تمہیں یہ باتیں انعم کو سمجھانی چاہئیں..... اور اگر فائق کے حوالے سے کوئی سنگین معاملہ ہے تو میں فائق اور بلال درانی سے خود بات کر لیتا ہوں۔'' شریح خان کو بھی اب انعم کا یہاں زیادہ دن تک ٹھہرنا محسوس ہو رہا تھا۔ اُن کی بیوی اور بہوئیں بلاضرورت میکے جا کر رہ ہی نہیں تھیں۔

''نہیں اُن سے بات کرنے کی ضرورت ہی نہیں۔ معمولی سا مسئلہ ہے۔ ہمیں اپنی بیٹی کو ہی سمجھانا چاہیے اور میں نے اس لیے آپ سے یہ معاملہ ڈسکس کیا ہے تاکہ آپ باعلم ہوں اور انعم کی بلاوجہ حمایت نہ کریں۔''

''میں ایسا کیوں کروں گا؟'' شریح خان نے اُن کی بات سننے کے بعد اُن کی تائید کی۔

''مجھے آپ پر اعتماد ہے کہ آپ جو کریں گی انعم کی بھلائی کے لیے کریں گی۔''

''تو بس پھر فائق آج یا پھر کسی دن اسے لینے آئے گا تو آپ پہلے کی طرح اُس سے ملیں گے۔ انعم کی کسی بات پر غور نہیں کریں گے''

''وہ تو ٹھیک ہے مگر......'' شریح خان کی بات ادھوری رہ گئی تھی۔ شمو دروازہ کھٹکھٹا کر اندر آ کر بولی۔

''بی بی صیب ...... فائق صا...... ب آئے ہیں۔ بھالی جی بلا رہی ہیں۔''

شمو کی بات سنتے ہی بی بی جان کے چہرے پر غیر محسوس سی مسکراہٹ نمودار ہوگئی۔ اُن کی آنکھیں اندرونی اطمینان سے چمکنے لگیں تھیں۔

''اچھا......! ٹھیک ہے تم جاؤ..... ہم آ رہے ہیں۔'' وہ فوراً اپنی نشست سے کھڑی ہوگئیں۔ شمو پلٹ کر جانے لگی تو اُسے روک کر بولیں۔

''شمو...... بیٹا...... سنو!'' شمو ٹھٹک کر رُک گئی۔ شریح خان بھی متوجہ ہو گئے۔

''جا کر انعم بی بی کو بھی بتا دو...... اور کہو فوراً کمرے سے باہر آئے۔''

''نہیں ...... رہنے دو ...... میں انعم کو بلانے جاتا ہوں۔'' شریح خان نے منع کر دیا۔ زبدہ خان کے چہرے پر پھر سے اُلجھن نظر آنے لگی۔ لیکن اس وقت انہیں داماد کے استقبال کی فکر زیادہ تھی۔ وہ شمو کے ساتھ ہی قدم بڑھا کر کمرے سے نکل گئیں۔

☆......☆......☆

فائق شادی کے بعد پہلی بار بہت جھجک محسوس کر رہا تھا۔ گوکہ ثمن نے پہلے کی طرح اُس کی پذیرائی کی تھی اور اُسے جتایا بھی نہیں تھا کہ وہ اتنے دنوں سے کیوں نہیں آیا اور نہ ہی اضم کی خیر خبر لی ہے۔ وہ بالکل پہلے کی طرح اپنائیت سے کھانا کھانے کے لیے بہ اصرار روک رہی تھی۔

''ایسا کیسے ہوسکتا ہے فائق ...... کھانے کا ٹائم ہے اور تم ایسے ہی چلے جاؤ اور ابھی تم کسی سے ملے بھی نہیں...... آرام سے بیٹھے رہو...... میں کھانا لگواتی ہوں۔'' ثمن اپنی بات کہہ کر اٹھ گئی۔ اُسی لمحے بی بی جان بھی لاؤنج میں چلی آئیں۔

''ثمن بالکل ٹھیک کہہ رہی ہے بیٹا۔'' فائق انہیں دیکھتے ہی احتراماً کھڑا ہوگیا۔

''السلام علیکم......!''

''وعلیکم السلام...... بیٹھو بیٹھو بیٹا۔'' وہ نرمی و محبت سے بولتی ہوئی سامنے آ بیٹھیں۔ وہ بھی قدرے

خجالت محسوس کرتا سامنے بیٹھ چکا تھا۔

''انعم کو لینے آئے ہو؟'' بی بی جان کے سوال میں آس بھی شامل تھی۔

''کیا وہ جانے پر Agree ہے؟'' فائق نے اُلٹا سوال کیا۔ بی بی جان کو نئے سرے سے شرمندگی ہوئی۔

''کیوں نہیں...... وہ تمہارے ساتھ ضرور جائے گی۔ اُسے اپنے گھر جانا ہی ہے۔ شادی کے بعد لڑکی میکے میں مہمان کی طرح آتی ہے اور مہمان تو صرف......''

''سوری...... بی بی جان...... آپ کی بیٹی کے لیے شوہر کا گھر کسی گیسٹ ہاؤس کی طرح ہے اور میکہ' گھر......'' فائق نے بڑے واضح انداز میں اپنی وجۂ ناراضگی جتائی تھی۔ بی بی جان سر ہلا کر رک رہ گئیں۔

''ایسی بات نہیں ہے فائق بیٹا...... اُسے کچھ وقت دو' وہ سمجھ جائے گی۔ اولاد کی ذمہ داری پڑتی ہے تو عورت کو اپنا گھر اپنی اولاد ہی بھلی لگتی ہے۔'' بی بی جان کی نرمی و شفقت کے سامنے وہ مزید اپنی 'میں' اور غصہ برقرار نہ رکھ سکا۔

''شاید آپ اور امی جان ٹھیک ہی کہتی ہیں۔ بہرحال بی بی جان آپ بھی اُسے سمجھائیں کہ میں اس طرح وقت بے وقت اپنی مصروفیات چھوڑ کر اپنا آرام بھلا کر اُسے لا' لے جا نہیں سکتا۔''

''ٹھیک کہہ رہے ہو...... میں نے اُسے سمجھایا ہے ضرورت پڑی تو مزید سمجھاؤں گی۔ آجاؤ کھانا لگ چکا ہوگا۔'' بی بی جان اُسے لے کر ڈائننگ روم کی طرف بڑھیں۔

☆......☆......☆

بابا جان انعم کے کمرے میں داخل ہوئے تو وہ انہیں دیکھتے ہی بولی۔ لہجے میں ناز و بچپنا تھا۔

''بابا جان...... آخر بی بی جان مجھے یہاں کیوں نہیں رکھنا چاہتی ہیں۔ انہوں نے فائق کو کیوں بلوایا ہے؟''

''پہلی بات تو یہ ہے میری گڑیا کہ فائق خود آیا ہے کسی نے نہیں بلوایا۔ اور اگر بلوایا بھی ہو تو وہ اس گھر کا داماد ہے۔ ہمارے گھر کا فرد ہے۔ تمہیں کیوں اعتراض ہے۔'' بابا جان نے جس لہجے میں استفسار کیا تھا اور جن نظروں سے دیکھا تھا۔ اُس کے بعد اُس سے بولنا مشکل ہو رہا تھا۔

''وہ...... بابا جان...... میرا مطلب ہے کہ مجھے ابھی یہاں رہنا ہے۔ ابھی تو اصم بھائی بھی ہاسپٹل سے گھر نہیں آئے...... اور......'' اُس نے بہانہ پیش کیا۔

''اصم بھی انشاءاللہ آجائے گا گھر...... دیکھو میرے بچے بیٹیاں شادی کے بعد اپنے گھر میں ہی اچھی لگتی ہیں۔ اب سوچو ناں تمہارے یہاں رہنے سے فائق کو کتنی پرابلم ہوتی ہوگی۔ اُس کا خیال رکھنا تمہاری ذمہ داری ہے ناں۔'' بابا جان نے بہت سبھاؤ سے اُسے سمجھانے کی کوشش کی تھی۔

وہ بہت کچھ چاہ کر بھی کچھ نہیں کر پا رہی تھی۔ بی بی جان کا دباؤ نہ ہوتا تو وہ صاف انکار کر دیتی۔ بابا جان اُسے اپنے ساتھ لے کر ڈائننگ روم میں آئے تو فائق ضیغم اور شارم سے مصافحہ کر رہا تھا۔ بابا جان نے بھی بڑھ کر اُسے گلے لگایا۔ خوشدلی سے اُسے اپنے بائیں طرف کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ انعم نے بھی بی بی جان کے اشارے پر فائق کو سلام کیا تھا۔ کھانا اچھے ماحول میں کھایا گیا۔

اس وقت سبھی افرادِ خانہ جمع تھے۔ سوائے اصم اور اروی اور نیلم کے...... نیلم اروی کے ساتھ کھانا کھاتی تھی کھانے سے فارغ ہو کر فائق خصوصی طور پر اروی سے ملنے اوپر چلا آیا۔ رسمی سلام دعا کے بعد وہ اخلاقاً حال احوال پوچھنے لگا۔

''بھابی اب تو آپ کی کنڈیشن بہتر لگ رہی ہے۔ اصم بھی انشاء اللہ جلد ٹھیک ہو جائے گا۔''

''جی...... جی انشاء اللہ...... آنٹی ٹھیک ہیں۔'' اروی کرسی پر جھجک کر بیٹھی ہوئی تھی۔ اُسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اس گھر کے داماد سے کس طرح بات کرے اور کیا بات کرے...... ابھی تک تو وہ ضیغم بھائی اور شارم بھائی سے بھی بات نہیں کر پاتی تھی۔

''بالکل ٹھیک ہیں...... ابھی تک تو...... کل کا پتہ نہیں۔'' اُس کی ذو معنی بات اروی کو تو سمجھ نہیں آئی۔ البتہ خاموش بیٹھی انعم پہلو بدل کر رہ گئی۔ وہ سمجھ سکتی تھی وہ اُس پر چوٹ کر رہا ہے۔ وہ یکدم کھڑی ہو کر اروی سے مخاطب ہوئی۔

''اروی بھابی...... فی الحال میں جا رہی ہوں۔ اصم بھائی ہاسپٹل سے آ جائیں گے تو پھر میں آؤں گی۔'' اُس نے جوابی طور پر چڑانے کے لیے ایک ایک لفظ پر زور دیا۔

''جی نہیں اروی بھابی اب اصم ہاسپٹل سے آ جائے گا تو آپ لوگ ہماری طرف آیئے گا۔ آپ دونوں کی شادی کی دعوت تو ابھی تک ڈیو ہے۔''

''جی...... جی اصم ٹھیک ہو جائیں تو ہم ضرور آئیں گے۔'' اروی نے فوراً کہا تو نیلم بھی مسکرائی۔

''بلکہ ہم بھی آئیں گے فائق بھائی...... کتنے مہینے ہو گئے آپ نے ہمیں بلایا ہی نہیں۔'' نیلم نے بھی تائیداً شکوہ کیا تھا۔

فائق نے خاص طور پر انعم کو دیکھ کر جواب دیا۔

''گھر والے گھر میں ہوتے تو بلاتے نا...... ویل تم دعوت کا انتظار مت کرنا آ جانا کسی بھی ویک اینڈ پر۔'' فائق نے کھڑے ہو کر ہلکی سی چپت لگا کر مخاطب کیا۔ انعم کا موڈ آف تھا۔ وہ خدا حافظ کہہ کر کمرے سے نکل گئی۔ فائق نے بھی رخصتی کلمات کہہ کر باہر کا رُخ کیا۔

☆......☆......☆

''نیلم...... ایک بات پوچھوں......'' اُن کے جاتے ہی اروی نے کچھ محسوس کرتے ہوئے پوچھا۔

''جی بھابی پوچھیں...... کیا بات ہے۔'' نیلم نے کھانے کے برتن سائیڈ ٹیبل سے اُٹھا کر ٹرے میں رکھے۔ انعم اور فائق کے آنے سے پہلے وہ دونوں کھانا کھا کر فارغ ہوئی تھیں۔

''انعم کا موڈ کیوں خراب تھا۔ ایسا لگ رہا تھا۔ وہ ناراض ہے مجھ سے۔''

''افوہ...... انعم آپی کا تو موڈ ہمیشہ ہی خراب رہتا ہے۔ آپ فکر نہ کریں...... آپ سے وہ کیوں ناراض ہوں گی۔ اچھا...... میں اپنے لیے قہوہ لا کے آتی ہوں آپ پئیں گی۔'' نیلم لاپرواہی سے بولتی برتنوں کی ٹرے لے کر دروازے کی طرف بڑھی۔

''ہاں پی لوں گی۔ شکریہ نیلم تمہیں میری وجہ سے کتنی مشکل ہوتی ہے۔'' اروی بھی اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی۔ اس کا کمرے میں ٹہلنے کا ارادہ تھا۔

''ہاں بہت زیادہ...... پہاڑ توڑتی ہوں نا میں آپ کے لیے...... بھابی......آپ بھی نا...... میں بس ابھی آتی ہوں۔'' نیلم اُسے چھیڑ کر ہنستی ہوئی چلی گئی۔ اروی کے لیے نیلم کی ذات میں بڑی ڈھارس تھی ورنہ اپنی تکلیف اور تنہائی اُسے مار ڈالتی۔

☆......☆......☆

بیت الجنت سے رخصت ہو کر دونوں گاڑی میں بیٹھ کر روانہ ہوئے تو بی بی جان نے سکون کا سانس لیا۔ انہیں لگا تھا اُن کے سر سے بہت بڑا بوجھ ہٹ گیا ہو۔ کمرے میں آتے ہی انہوں نے شکرانے کے نفل ادا کیے۔

انعم سے انہیں بہت سے خدشات تھے۔ اس کے باوجود انہیں فائق سے اچھے کی توقع تھی۔ اُس کے رویے سے انہوں نے بھانپ لیا تھا کہ وہ اپنے رشتے کو نباہنے کی نیت رکھتا ہے۔ اپنی دعا میں انہوں نے انعم کے لیے سمجھداری کی دعا مانگی۔ بہت دنوں بعد انہیں سکون میسر آیا تھا۔ کچھ بھی تھا انعم کے حوالے سے وہ کوئی بات یا کوئی ایسا عمل سہہ نہیں سکتی تھیں جو اُس کی زندگی کو متاثر کرتا۔

☆......☆......☆

فائق سارا راستہ میوزک سنتا آیا تھا۔ لاتعلقی ایسی تھی جیسے اُس کے ساتھ کوئی موجود نہ ہو۔ انعم بھی بالکل خاموش رہی تھی۔ فی الحال وہ فائق کو چھیڑ کر ایسے حالات پیدا نہیں کرنا چاہتی تھی کہ وہ غصے میں بھر کر اُسے واپس لے جاتا اور بی بی جان یا باقی سب اُس کی وجہ سے پریشان ہوتے...... نہ صرف پریشان ہوتے بلکہ شرمندہ بھی......

گاڑی جیسے ہی پورچ میں رُکی انعم گاڑی سے اُتر کر سیدھی اندر کی طرف بڑھی۔ صالحہ لاؤنج میں بیٹھی تھیں۔ انہیں سپاٹ انداز میں 'السلام علیکم!' کہتی اپنے کمرے کی طرف بڑھتی چلی گئی۔ صالحہ حیران پریشان سی اُسے جاتا دیکھتی رہ گئیں۔

''دیکھا ہے؟'' فائق بھی پیچھے آ گیا تھا اور اُس کا رویہ و انداز دیکھ چکا تھا۔

''اُسے لانے کے لیے آپ نے مجھے مجبور کیا تھا'' وہ اپنی ماں کو جتائے بغیر نہ رہ سکا۔

''ہو جائے گی ٹھیک...... ٹینشن کیوں لیتے ہو۔ بس پچھلی باتیں نہ دہرانا۔ خود کو کمپوز رکھو بیٹا۔'' صالحہ نے نرمی سے اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر سمجھایا تو وہ سر جھٹک کر رہ گیا۔ جیسے اُسے کسی بات پر یقین نہ ہو۔

''ہونہہ...... میں نہیں دہراؤں گا تو وہ دہرائے گی۔ اُس کے بعد......؟'' وہ سوالیہ نظروں سے دیکھتا صالحہ سے جواب مانگ رہا تھا۔

''فا...... ئق کسی ایک کو تو خاموش رہنا ہی پڑے گا۔ یہی وقت کا تقاضہ ہے اور میں صرف تمہیں ہی سمجھا سکتی ہوں۔'' انہوں نے ایک اور کوشش کی۔

''ٹھیک ہے...... صرف آپ کی خاطر میں ایک لمٹ تک ہی برداشت کر پاؤں گا امی...... جس دن میری برداشت ختم ہو گئی پھر میں کچھ نہیں سوچوں گا۔'' وہ غصے سے پلٹ کر باہر نکل گیا۔ صالحہ کچھ لمحے تو پریشانی میں کھڑی رہیں آخر اپنا ذہن جھٹک کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئیں۔

☆......☆......☆

اروئ کی آنکھ موذن کی آواز سے کھل گئی تھی۔ بہت دنوں بعد وہ اس وقت بیدار ہوئی تھی۔ ورنہ دواؤں کے زیر اثر وہ دن چڑھے ہی اٹھنے لگی تھی۔ خود کو بہتر محسوس کرتی وہ نماز پڑھنے کی نیت وارادے سے وضو کر کے جاء نماز بچھا کر دوزانو ہو کر نماز پڑھنے لگی۔

بازو کے پلستر کے باعث کچھ دقت تو درپیش تھی۔ پھر بھی اُسے ذہنی وروحانی تسکین میسر آ گئی تھی۔ اللہ کے حضور اپنی دعائیں پیش کر کے اُس کا یقین وایمان مزید پختہ ہو گیا تھا کہ اللہ ہمیشہ سے اُس پر مہربان تھا اور مہربان رہے گا۔ اُس کی زندگی کو ہر مشکل سے بچا کر آسانیاں دینے والی ذات بڑی کریم ورحیم ہے۔ تبھی اتنے سنگین ایکسیڈنٹ کے باوجود اُس کی اور اصم کی زندگی بچ گئی تھی۔ یہ اللہ کا اُس پر فضل وکرم ہی تھا۔

نماز پڑھ کر وہ ابھی کچھ تسبیحات کا ورد کرنے کا ارادہ کر رہی تھی کہ اصم کی کال آ گئی۔ اُسے کافی حیرت ہوئی تھی۔ کیونکہ اس وقت وہ کال نہیں کرتا تھا۔ اُس نے اپنی پریشانی میں ہی تیسری بیل پر کال ریسیو کی۔ گھنٹی کی آواز پر بستر پر سوئی نیلم کسمسا کر کروٹ بدل چکی تھی۔

''ا...... صم...... آپ ٹھیک تو ہیں نا۔'' اروئ نے بے اختیاری میں پوچھا۔ اُس کے لہجے سے پریشانی صاف ظاہر تھی۔

''ا...... رے...... بھئی...... نہ سلام نہ دعا صبح بخیر...... یہ کیا اندازِ تکلم ہے آپ کا۔'' دوسری طرف سے شکوہ ہوا۔ مگر خوشگواری سے......

''اوہ سوری...... السلام علیکم...... اصل میں، میں گھبرا گئی تھی۔''

''وعلیکم السلام!...... کیوں گھبرا گئی تھیں؟''

''آپ نے کبھی اس وقت کال نہیں کی نا...... اس لیے۔'' وہ وضاحت دیتی ہوئی شرمندہ ہو رہی تھی۔

''اس وقت کال کرنے کی وجہ یہ تھی کہ مجھے نیند نہیں آ رہی تھی اور مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ تم بھی جاگ رہی ہو...... سوچا کہ کیوں نہ کچھ اپنی کہہ دوں کچھ تمہاری سن لوں۔'' اصم کا لہجہ معمول کا سا تھا۔ وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ اصم کو نیند نہ آنا کوئی تکلیف تھی یا بے چینی......

''آپ مجھے صرف اپنی سنائیں۔ سچ سچ بتائیں آپ کیوں جاگ رہے تھے؟'' اروئ نے بے چینی سے کریدا۔

''یہی اگر میں تم سے پوچھوں......'' اصم نے اُلٹا سوال کیا۔

''میں تو نماز کے لیے اٹھی تھی۔ بتایا تو تھا اب میں کافی بہتر محسوس کرتی ہوں۔''

''شکر ہے...... ہم میں سے کوئی ایک تو بہتر محسوس کرتا ہے۔'' اصم کے لہجے سے اپنے لیے مایوسی چھلک پڑی تھی۔

''اصم...... اصم پلیز سچ سچ بتائیں...... آپ ٹھیک نہیں ہیں نا...... میں...... میں بی...... بی جان بابا جان کو بتاتی ہوں۔'' نہ چاہتے ہوئے بھی اروئ کی آواز جوشِ جذبات میں اونچی ہوگئی۔

''ار...... وی...... میں ٹھیک ہوں...... اپنی بے وقوفی سے کسی کو پریشان مت کرنا۔'' اصم کو جیسے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا تھا فوراً خود کو سنبھال کر اُسے روکا۔

''اصم آپ اپنی تکلیف اپنا دکھ مجھ سے بھی چھپائیں گے۔'' نم آلود لہجے کی شکایت اصم کا دل تڑپا گئی۔
''میں تم سے کچھ بھی نہیں چھپا رہا...... یار...... سمجھنے کی کوشش کرو جب تک Comelete Re Cover نہیں ہو جاتی۔ Disturbance تو رہے گی سوئٹ ہارٹ۔'' اصم کی نرمی اُس کی محبت بھری حلاوت بھی اروی کو مطمئن نہ کر سکی۔
''میں جانتی ہوں...... آپ جلدی ٹھیک ہو جائیں گے۔ اصم کاش میں آپ کی ساری تکلیف...... سارا دکھ لے سکتی۔'' اروی اس بار اپنے آنسو نہ روک سکی۔ اُس کے دل میں اصم کے لیے جو محبت موجزن تھی وہ دکھا سکتی تھی نہ بتا سکتی تھی۔
''ایسی بات...... مت کرو...... میں تمہیں اپنے دکھ نہیں...... زندگی بھر خوشیاں دینا چاہتا ہوں۔'' اصم نے فوراً تنبیہی انداز میں ٹوکا۔
''آپ کی ذات سے وابستہ ہی تو میری خوشیاں ہیں۔ آپ ٹھیک ہو کر آ جائیں گے تو اُس سے بڑی میرے لیے کوئی خوشی نہیں ہوگی۔''
''اچھا...... ! تو پھر...... تمہارے لیے ٹھیک ہونا ہی پڑے گا۔'' اصم نے اُسے ہنسانے منانے کی کوشش کی۔ وہ واقعی مسکرا دی۔
''وہ تو ہونا ہی پڑے گا۔'' اروی کا انداز و لہجہ بھی اُسی جیسا ہو گیا۔ دونوں کافی دیر تک باتیں کرتے رہے۔

☆......☆......☆

انعم جب سے گئی تھی۔ سبرینہ کو بڑی بے چینی تھی کہ کس طرح اُدھر کے حالات خاص طور پر فائق کا رویہ اور ردِعمل معلوم کرے۔
گھریلو مصروفیات کے باعث وہ نہ تو اپنی مما کو فون کر پا رہی تھی اور نہ ہی انعم سے رابطہ ہوا تھا۔ اب ذرا فرصت و موقع ملا تھا۔ دوپہر کے کھانے کے بعد سبھی اپنے کمروں میں تھے۔ معاذ، معوذ اور سمعیہ بھی اسکول سے آ کر اپنی اپنی پسند کی گیم کھیلنے پلے روم میں تھے۔ تبھی وہ کمرا بند کیے اپنی مما کو نئی صورتِ حال سے آگاہ کر رہی تھی۔
''مما...... مجھے فرصت ہی کہاں تھی جو میں آپ کو انفارم کرتی...... کہ فائق انعم کو آ کر لے گیا ہے۔'' اپنی باتیں کرتے ہوئے اُس نے احتیاطاً کھڑکی سے بھی باہر جھانکا کہ مبادا کوئی ملازم ہی نہ اُس کی کوئی بات سن لے۔ اپنے اطمینان کے بعد وہ آرام سے بیڈ پر آ بیٹھی۔
''انعم آرام سے چلی گئی؟ تم تو کہتی تھیں کہ اُس کی مرضی نہیں ہے۔'' زیب النساء نے قدرے خفگی دکھائی۔
''ہاں تو...... اُس کی مرضی کب تھی جانے کی...... وہ تو بی بی جان نے ہی زور زبردستی کی ہے۔ خیر آپ بھی فکر نہ کریں۔ وہ زیادہ دن وہاں رہے گی نہیں۔''
''تمہاری باتوں پر یقین نہیں ہے مجھے...... تم کہتی کچھ ہو اور ہوتا کچھ ہے۔'' زیب النساء نے مزید خفگی دکھائی۔

''مما......! میرا یقین کریں۔ انعم واقعی وہاں جانے پر خوش نہیں ہے۔ آپ دیکھنا کچھ دنوں بعد وہ پھر یہیں ہوگی۔ آپ تو شہری کو لے کر وہاں جائیں۔ بلکہ ایسا کریں ویک اینڈ پر صالحہ خالہ اور اُن کی فیملی کو ڈنر پر انوائٹ کریں۔ اس طرح دوبارہ آپ دونوں کے ریلیشن اچھے ہو جائیں گے۔''

''خیر ہم دونوں کے تعلقات اتنے خراب بھی نہیں تھے۔''

''تو پھر مسئلہ کیا ہے مما...... آپ بس ویسا کریں جیسا میں کہہ رہی ہوں...... پھر دیکھتی جائیں کہ ہوتا کیا ہے۔''

''چلو دیکھ لیتی ہوں...... حالانکہ میرا دل نہیں مان رہا۔ طلال نے بھی ایک دو پرپوزل اسکائپ پر دکھائے ہیں۔ مگر شہری نے صاف انکار کر دیا۔ اُسے تم نے جو آس دلا دی ہے۔''

''میں نے اُسے جھوٹی آس نہیں دلائی۔ فائق کے تیور دیکھ کر بات کی ہے۔ اُسے بس انعم سے جان چھڑانے کا کوئی بہانہ چاہیے۔ شہری اُس کے آس پاس رہے گی تو اُسے کوئی جواز مل جائے گا۔'' سبرینہ کا یقین پختہ تھا۔ اُس کے ذہن میں بہت بڑی سازش کروٹیں لے رہی تھی۔

''یہ تو ہے...... مرد کو نظر پھیرنے میں وقت ہی کتنا لگتا ہے۔ افوہ...... اس وقت کون آ گیا...... اچھا بھئی...... خدا حافظ۔'' گھنٹی کی آواز سبرینہ کو بھی سنائی دی تھی۔ وہ اپنی مما سے بات کر کے اپنی سوچوں میں گم تھی کہ آئندہ کیا کرنا ہے۔

☆......☆......☆

انعم جب سے آئی تھی اُس کی وہی روٹین تھی۔ کھانا پینا' سونا اور اپنے کمرے میں بند ہو جانا...... فائق اور اُس کے درمیان بات چیت بالکل بند تھی۔ بلکہ فائق تو اعلانیہ طور پر دوسرے کمرے میں منتقل ہو چکا تھا۔

صالحہ کے لیے یہ صورتِ حال بھی عجیب اور تکلیف دہ تھی۔ فائق تو انہیں صاف کہہ چکا تھا کہ وہ اب مزید کوئی 'سمجھوتہ' نہیں کرے گا۔ فائق کو وہ پہلے ہی انعم کو لانے کے سلسلے میں مجبور کر چکی تھیں۔ اب انہوں نے سوچا تھا کہ آج انعم سے بات کر کے اُس کے ارادے معلوم کر لیں۔ ویسے بھی ایک دو دن میں بلال درانی کی بزنس ٹور سے واپسی متوقع تھی۔ وہ اُن کی آمد سے پہلے فائق اور انعم کا معاملہ درست کروانا چاہتی تھی۔

وہ صبح سے اُس کے انتظار میں لاؤنج میں بیٹھی تھیں کہ وہ کب باہر نکلے اور کب وہ اُس سے بات کریں۔ اللہ اللہ کر کے وہ تقریباً ایک بجے کمرے سے نکل کر کچن کی طرف بڑھی۔ کچن میں کام کرتی ملازمہ کو اپنے لیے ناشتہ بنانے کا حکم دے کر وہ واپس کمرے میں جانے لگی تو صالحہ نے اُسے پکار کر روکا۔

''انعم...... یہاں آؤ...... مجھے تم سے کچھ ضروری بات کرنی ہے۔'' انعم کے چہرے پر ناگواری ابھر آئی۔

''مجھے ابھی ناشتہ کرنا ہے آپ کی 'ضروری' بات میں بعد میں سن لوں گی؟'' اُس نے کھڑے کھڑے جواب دیا۔ صالحہ نے اُس کے نردھے پن پر اُسے دیکھا۔

''ناشتہ تم یہاں بیٹھ کر یا کچن' ڈائننگ میں بھی کر سکتی ہو۔ بیڈ روم میں کھانے پینے کا سلسلہ آخر کب تک

چلے گا؟'' انہوں نے بڑی کوشش سے اپنے لہجے کو معمول پر رکھا۔

''بس.....! یہی بات تو مجھے Irritate کرتی ہے۔ آپ کی نظر مجھ پر رہتی ہے۔ میں کیا کر رہی ہوں۔ کہاں بیٹھتی ہوں کب جاگتی ہوں' کب سوتی ہوں اور کوئی کام نہیں ہے آپ کو.....'' انعم کی چڑچڑاہٹ میں بدتمیزی بھی شامل تھی۔

''ہاں..... جب تم جیسی بہو گھر میں آ جائے تو مجھ جیسی ساس کو یہی کام رہ جاتا ہے۔ غضب خدا کا بدتمیزی کی انتہا ہو گئی۔ بات کرنے کی تمیز نہیں رہی تمہیں تو.....'' صالحہ درانی سے اُس کا رویہ برداشت نہیں ہوا تو وہ بھی ضبط کھو بیٹھیں۔

''تو مت بات کیا کریں.....کون کہتا ہے؟'' انعم کا انداز و رویہ طیش دلانے والا تھا۔

''مجبور ہوں..... یہ میرا گھر ہے..... یہاں یہ طور طریقے نہیں چلیں گے۔ میں تمہیں آخری بار سمجھا رہی ہوں انعم..... یہاں رہنا ہے تو میرے اصولوں کے مطابق چلنا پڑے گا۔ جس طرح تمہاری بھابیاں تمہاری بی بی جان کے اشارے پر چلتی ہیں۔''

''اوہ.....تو پرابلم یہ ہے.....تو سن لیں مجھے نہ تو یہاں رہنا ہے اور نہ ہی آپ کے فضول قسم کے اصولوں پر چلنا ہے۔ آپ کو جو کرنا ہے کر لیں۔'' اپنی بات کہہ کر وہ مڑی اور اپنے کمرے کی طرف بڑھتی چلی گئی۔ صالحہ اُسے جاتا ہوا دیکھتی رہ گئیں۔ کتنا تکلیف وہ رویہ تھا اُس کا.....انہیں سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کیا کر لیں۔ کمرے کا دروازہ زوردار آواز سے بند ہوا تھا۔ اُن کا پارہ مزید چڑھ گیا۔

انعم کی بڑبڑاہٹ کمرے میں آ کر بھی جاری تھی۔

''اونہہ.....میں ان کے اشاروں پر چلوں گی، بھول ہے ان کی۔'' بستر پر بیٹھ کر اُس نے غصے میں تکیہ اُٹھا کر دیوار پر دے مارا۔

☆.....☆.....☆

شام کی چائے پینے کے لیے بی بی جان کے ساتھ سبرینہ اور ثمن لاؤنج میں بیٹھی تھیں۔ ارویٰ بھی بہت دنوں بعد اپنے کمرے سے اُتر کر ڈرتی جھجکتی آئی تھی۔

''السلام علیکم!'' اُس کی آواز پر سبھی نے قدرے چونک کر اُسے دیکھا۔ بی بی جان نے دیکھتے ہی کہا۔

''ارے.....تم؟ تم کیوں اُتر کر آ گئیں..... خدانخواستہ گر جاتیں تو.....'' اپنی فکرمندی میں وہ سلام کا جواب دینا بھی بھول گئیں۔

''جی..... بی جان میں کافی بہتر ہوں اب..... کمرے میں خود کو بندھا ہوا محسوس کر رہی تھی۔ اس لیے میں آ گئی۔'' اُس کی وضاحت میں بھی ہچکچاہٹ تھی۔

''چلو.....اچھا کیا.....میں نے تو اس لیے کہا تھا کہ تمہیں مکمل آرام مل سکے۔''

''آؤ نا بیٹھو۔'' بی بی جان نے اُسے اپنے پہلو میں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

سبرینہ چبھتی نظروں سے اُسے دیکھے جا رہی تھی۔ وہ قدم اٹھاتی بی بی جان کے پاس بیٹھ گئی۔ گہرے سبز رنگ کے سیلف پرنٹ سوٹ میں ملبوس بغیر کسی میک اپ و آرائش کے بھی وہ جاذبِ نظر دکھائی دے رہی تھی۔ گزشتہ گزرے ہوئے اثراتِ حادثے نے بھی اُس کی خوبصورتی و کشش میں کچھ خاص کمی نہیں کی تھی

سوائے رنگت مین کچھ سفیدی سی گھل گئی تھی۔ سبرینہ کی مسلسل نگاہ خود پر محسوس کر کے وہ اُسے مخاطب کر بیٹھی۔

''سبرینہ بھابی...... آپ نے اور ثمن بھابی نے میرا بہت خیال رکھا ہے۔ میں کیسے آپ کا شکریہ ادا کروں۔'' اُس کی آنکھیں ہی نہیں لہجہ بھی احساسِ ممنونیت سے نم سا تھا۔

''اس میں شکریہ ادا کرنے والی کیا بات ہے اروی...... تم ہمارے گھر کا فرد ہو...... ہم تمہارا خیال نہیں رکھتے تو کون رکھتا۔'' سبرینہ کے بجائے ثمن نے جواب دیا۔ بی بی جان نے فوراً تائید کی۔

''ثمن ٹھیک کہہ رہی ہے بیٹا...... ایک دوسرے کا خیال رکھنا...... کوئی احسان نہیں ہوتا۔ فرض ہوتا ہے۔ ایک خاندان کا اکٹھے رہنے کا اصل مقصد بھی یہی ہے کہ مشکل میں ہر ایک دوسرے کے کام آئے۔'' اُن کا پُر اثر لب ولہجہ اروی کے قلب وذہن کو اطمینان بخش گیا۔ ورنہ تو اُسے خدشہ تھا کہ اُس کا اتنے دن تک بستر پر رہنا، کسی کو برا نہ لگ جائے۔

''بی بی جان مجھے آپ سے اجازت چاہیے۔''

''کس بات کی اجازت؟'' ثمن سے چائے کا کپ تھامتے ہوئے وہ متعجب ہوئیں۔

''وہ...... بی...... بی...... جان...... اُ...... ن سے ملنے میرا مطلب ہے...... ہاسپٹل جانا چاہتی ہوں۔ اگر آپ اجازت دیں تو......'' وہ مسلسل ہچکچاہٹ کا شکار تھی۔

''ہا...... ں ہاں کیوں نہیں۔ سبرینہ کو آج رات میں ڈنر لے کر جانا ہے تم بھی ساتھ چلی جانا۔'' بی بی جان نے اجازت دے کر گویا اُسے بہت بڑی خوشی دے دی تھی۔ ثمن اُس کے چہرے پر اطمینان بھری مسکراہٹ دیکھ کر مسکرا دی۔ جبکہ سبرینہ معمول کے رویے کے ساتھ سب کو چائے سرو کر رہی تھی۔

☆......☆......☆

سبرینہ کچن کے کام سے فارغ ہو کر اصم کے پاس جانے کے لیے تیار ہونے کمرے میں آئی تو اُس کے موبائل فون کی ٹیون بج رہی تھی۔ اُس کا خیال تھا کہ اُس کی مما یا شہریِ نے فون کیا ہوگا۔

مگر انعم کال کر رہی تھی۔ انعم کا اس وقت فون آنا حیران کن بات تھی۔ وہ بھی اکثر دوپہر میں فون کیا کرتی تھی۔ ویسے بھی جس دن سے وہ گئی تھی دونوں کا رابطہ نہیں ہوا تھا۔

مسلسل بجتی ٹیون سے تنگ آ کر آخر سبرینہ نے کال ریسیو کر ہی لی۔ رابطہ ہوتے ہی سبرینہ معذرت کرنے لگی۔

''Sorry My Dear! میں ابھی آئی ہوں...... کمرے میں ہی فون رہ گیا تھا۔''

''بہانے مت بنائیں...... جان بوجھ کر آپ میرا فون نہیں اُٹھا رہی ہیں۔'' انعم کا اظہارِ ناراضگی شدید تھا۔

''انعم...... تم کیسے سوچ سکتی ہو کہ میں تمہاری کال ریسیو نہیں کروں گی۔ تمہیں معلوم تو ہے میری مصروفیات۔''

''آپ پہلے بھی تو مصروف تھیں۔ پہلے تو آپ خود ہی کال کر لیتی تھیں اور اب؟ جس دن سے آئی ہوں کسی نے میرا حال تک نہیں پوچھا......؟''

''سچی بات ہے دل تو چاہتا تھا مگر.....'' سبرینہ نے جان بوجھ کر بات ادھوری چھوڑ دی۔
''مگر.....کیا.....بتائیں نا.....چپ کیوں ہو گئیں۔''
''وہ..... بی بی جا.....ن نے منع کیا تھا۔ اُن کا کہنا ہے اس طرح تمہاری توجہ اپنے گھر سے ہٹ جاتی ہے۔''
''یہ بی بی جا.....ن نے کہا ہے؟'' وہ بے یقینی سے چیخی۔
''کیا آپ سب نے مجھے خود سے کاٹ کر پھینک دیا ہے۔ میں کو.....ئی لاوارث ہوں؟'' آپ سب کے اسی رویے نے تو ان لوگوں کو شہ دی ہے۔'' وہ بپھر کر پوچھتی سبرینہ کو گڑبڑانے پر مجبور کر گئی۔
''ا.....یسی بات نہیں ہے انعم..... بس بی بی جان نے بھی صالحہ خالہ کی شکایتیں سن کر ایسا کیا ہے۔''
''آپ کی صالحہ خالہ کو 'اور' کام ہی کیا ہے۔ میری شکایتوں کے علاوہ۔'' اُس کی ناراضگی مزید بڑھ گئی۔
''ا.....ب پھر کچھ ہوا ہے۔'' سبرینہ نے لہجہ مدہم کر کے کریدا۔
''کچھ..... یہ پوچھیں کہ کیا نہیں ہوا..... جس دن سے آئی ہوں کسی نے ایک لمحے کے لیے بھی میرا خیال نہیں رکھا۔ اُلٹا آپ کی 'صالحہ خالہ' نے اپنے گھر میں قیام کے لیے شرائط وضوابط لاگو فرمائے ہیں۔'' وہ ایک ایک لفظ چبا کر بولتی اپنی بھڑاس نکال رہی تھی۔
''کہ..... کیا مطلب؟'' سبرینہ سمجھ کر بھی نا سمجھ بنی۔
''مطلب صاف ہے رینا بھابی..... میں بے جا پابندیوں میں رہنا نہیں چاہتی۔ وہ شخص..... بی بی جان کی نظروں میں عظیم ہونے کا ڈرامہ کر کے لے تو آیا ہے۔ لیکن اب تک اُس نے مجھ سے کوئی بات کی ہے اور نہ ہی اُسے میری پرواہ ہے۔''
''کیا..... واقعی؟'' سبرینہ کی بے یقینی مصنوعی تھی۔ انعم کی بدگمانیاں بڑھ رہی تھیں اور کیا چاہیے تھا۔
''تم کہو تو..... میں بات کروں..... فائق سے۔'' سبرینہ نے ٹھہر ٹھہر کر بدلتے ہوئے اُس کا ردِعمل جاننے کی کوشش کی۔
''کوئی ضرورت نہیں ہے اب آپ کو بھی اُس کے سامنے خود کو جھکانے کی..... میں خود دیکھ لوں گی۔'' انعم کی جذباتیت اپنے نفع نقصان سے بے خبر تھی۔ سبرینہ اُسے تسلی دینے لگی کہ وہ ہمیشہ اُس کے ساتھ ہے اور پھر ہاسپٹل جانے کا کہہ کر اُس نے رابطہ منقطع کر دیا۔
بی بی جان اور ثمن لاؤنج میں بیٹھی باتوں میں مصروف تھیں۔ موضوع گفتگو انعم کی ذات تھی۔
اروی بھی ہاسپٹل جانے کے لیے اپنے کمرے سے اُتر کر آ گئی تھی اور نادانستگی میں وہ بی بی جان اور ثمن کی باتیں سن رہی تھی۔
''دیکھ لو..... جب سے فائق کے ساتھ گئی ہے۔ اُس نے خود کوئی فون کیا ہے اور نہ ہی میرا فون اٹھا رہی ہے۔ ایسی بھی کیا ناراضگی..... آخر اُس کے بھلے کو ہی سسرال بھیجا ہے۔'' بی بی جان انعم کی طرف سے فکرمند اور اُس کے رویے سے دلبرداشتہ بھی تھیں۔
''آپ پریشان کیوں ہوتی ہیں بی بی جان..... اُس کی ناراضگی جیسے ہی ختم ہو گی۔ وہ خود ہی فون

کر لے گی۔''ثمن نے بڑی اپنائیت سے اُن کی دلجوئی کی۔
''جانتی ہوں...... پھر بھی میں انعم کی طرف سے فکر مند رہتی ہوں...... بے حد جذباتی لڑکی ہے۔ فائق
آخر مرد ہے کب تک اُس کا رویہ برداشت کرے گا۔'' انہوں نے ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے اپنے خدشات
واضح کیے تو ثمن بے ساختہ بولی۔
''اُفوہ بی بی جان...... آپ کیوں فکر مند ہوتی ہیں۔ دیکھیے گا انعم جلد ہی سنبھل جائے گی۔ بس اُس کی
ڈلیوری ہو جائے۔''
''آ...... مین...... اللہ سات خیریت سے فارغ کرے میری بچ...... ی کو......'' بات کرتے ہوئے
انہوں نے گردن کو ذرا سا موڑا تو اروی کو کھڑے پایا۔
''ار...... وی...... تم...... وہا...... ں کب سے کھڑی ہو......'' بی بی جان کے بجائے ثمن نے اُس کی
موجودگی کا نوٹس لیا۔ اروی گڑبڑا سی گئی۔ بی بی جان کی نظریں اور ثمن کا مشکوک لہجہ اُس نے جو کچھ بھی سنا
تھا۔ اچانک سنا تھا۔
''وہ...... سبر...... ینہ بھا...... بی کا پوچھنا تھا۔ ہاسپٹل جانا ہے نا۔''
''سبرینہ یہاں نہیں ہے اپنے کمرے میں ہو گی۔'' بی بی جان نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا وہ شرمندہ
سی واپس مڑی۔ اُسے بی بی جان اور ثمن کا رویہ محسوس ہوا تھا۔
انعم کے حوالے سے کوئی مسئلہ تھا۔ جو اُس سے چھپایا جا رہا تھا۔ مگر کیوں؟ وہ بھی تو اس گھر کی فرد تھی۔
ایک خلش سی اُس کے ذہن و دل میں اگنے لگی تھی۔ وہ ایک بوجھ سا دل پر لے کر سبرینہ کے کمرے کی طرف
بڑھی۔ اُس کے دروازے تک پہنچنے سے پہلے ہی سبرینہ کمرے سے نکل کر باہر آ گئی۔ اُسے دیکھتے ہی
چھیڑنے لگی۔
''اللہ...... شوہر سے ملنے کی اتنی بے چینی ہے۔''
''نہ...... نہیں...... وہ...... م...... میں۔'' اُس سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔
''فون...... تو نہیں کر دیا ہمارے چھوٹے صاحب کو...... چلو نا سرپرائز دیتے ہیں مزا رہے گا۔''
سبرینہ کا موڈ خاصا خوشگوار تھا۔ اروی نفی میں سر ہلا کر اُس کے ہمراہ گم صم سی آگے بڑھتی چلی گئی۔
سبرینہ بی بی جان سے اجازت لیتی اُس کے ساتھ ساتھ ہی تھی۔ مگر وہ جیسے وہاں ہو کر بھی وہاں نہیں تھی۔
سارے راستے بھی وہ اسی ملال میں گم رہی۔ اُس کے احساسات عجیب ہو رہے تھے۔
پہلی بار اُسے لگا تھا کہ یہ لوگ اُسے خود سے الگ اور کمتر سمجھتے ہیں اُس کے دل پر اک بوجھ سا آ پڑا تھا۔
اسپتال پہنچ کر بھی اصم کے سامنے جا کر وہ رسمی سلام دعا کے بعد وہ ایک طرف کرسی پر خاموشی سے بیٹھ گئی
تھی۔ جبکہ سبرینہ باتیں کرتے ہوئے اُسے کھانا سرو کر رہی تھی۔
''آج بھی سمعیہ بہت ضد کر رہی تھی آنے کے لیے۔'' سبرینہ اور اصم کی باتیں اُس کے کانوں سے
گزر تو رہی تھیں مگر اُس کا دھیان بھٹکا ہوا تھا۔
''تو آپ لے آتیں اُسے...... میں خود اُن تینوں کو بہت مس کر رہا ہوں رینا بھابی۔'' اصم نے بہت
حسرت سے کہا تھا۔ اصم کی آواز پر ہی اروی قدرے چونک کر متوجہ ہوئی۔ اس وقت یہ شخص اُسے خود سے

زیادہ لاچار بے بس و تنہا محسوس ہوا۔

''لانے میں کوئی حرج نہیں ہے مگر یہاں سے جانے کے بعد وہ تینوں جتنے سوال کرتے ہیں اُن کا ہمارے پاس جواب ہی نہیں ہوتا۔ اسی لیے تو ہم انہیں اروی کے پاس بھی نہیں جانے دیتے۔'' سبرینہ وضاحت دیتی اُس کے سامنے سے سوپ باؤل ہٹا کر کھانے کا پوچھنے لگی۔

''ابھی کھانا لو گے؟''

''ابھی دس منٹ ٹھہر جائیں۔'' ایک ہاتھ سے منہ صاف کرتے ہوئے اُس نے فاصلے پر بیٹھی اروی کی طرف توجہ مبذول کی۔

''تمہیں کیا ہوا؟ اتنی چپ کیوں ہو؟'' براہِ راست استفسار پر وہ قدرے چونک کر بولی۔

''نہ.....نہیں میں چپ تو نہیں ہوں۔ بازو میں کچھ درد محسوس کر رہی تھی۔''

''ہاں.....میں بھی سارے راستے نوٹ کرتی آئی ہوں.....کیا ہوا؟ کسی نے کچھ کہا ہے۔ آنے سے پہلے تو تم بہت خوش تھیں۔'' سبرینہ کا سرسری لہجہ بھی کریدنے والا ہوتا تھا۔ اکثر لوگ اپنی سادگی میں اُسے ہمراز کر لیا کرتے تھے۔

''رینا بھابی.....مجھے زیادہ باتیں کرنی نہیں آتیں۔''

''تمہارا مطلب ہے ہم بہت زیادہ بولتے ہیں۔'' اُس کے سادا سے جواب میں سبرینہ کا ردِعمل نہ اروی کو سمجھ آیا اور نہ ہی اصم کو۔

''رینا بھابی.....اروی کے کہنے کا مطلب یہ نہیں تھا۔'' اصم نے جیسے اُس کا دفاع کیا تھا۔ اروی کے چہرے کا تاثر بھی بدل گیا تھا۔ لگتا تھا اعتماد و ڈھارس کی کئی ایک Inject Dose ہوئی تھیں۔

''تم اپنی بیوی کو Defend نہیں کرو گے تو کون کرے گا؟ ایسا کون ہے دنیا میں جسے بولنا نہیں آتا۔ جب دس لوگوں کو سنتے ہیں تو اپنی بھی کہنی پڑتی ہے۔'' سبرینہ کا رویہ یکدم خراب ہوا تھا۔ اروی بھی سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ فوراً معذرت کرنے لگی۔

''سوری.....رینا بھابی آپ کو میری بات بُری لگی۔ حالانکہ میں نے تو ایسے ہی ایک بات کہی تھی۔''

''بری تمہاری بات نہیں لگی۔ تمہارا رویہ غلط لگتا ہے تم نے ہمیں ابھی تک 'اپنا' ہی نہیں سمجھا۔ میں بھی سارے راستے پوچھتی آئی تم نے بتایا نہیں کہ تمہارے بازو میں درد ہے۔ اب اصم کو آ کر پریشان کر رہی ہو۔''

سبرینہ نے اُسے اچھا خاصا شرمندہ کر دیا۔ بات کا رُخ ہی بدل چکا تھا۔ وہ تو بات سنبھال ہی نہیں پا رہی تھی۔

''نہ.....نہیں.....میرا یہ مقصد نہیں تھا۔'' اُس نے بے بسی سے اصم کو دیکھا۔ وہ بھی سنجیدہ سا تھا۔

''رینا بھابی بھی ٹھیک کہہ رہی ہیں.....تمہیں pain تھی۔ تم گھر پر آرام کرتیں.....کل آ جاتیں'' اروی مزید کیا کہتی۔ اُس کی ساری محبت' جوش آنے کی جدوجہد پل بھر میں بے کار ثابت ہوئی تھی۔ ساری باتیں' سارے جذبے ہوا میں تحلیل ہونے کو رہ گئے تھے۔ وہ وہاں ہو کر بھی خود کو وہاں محسوس نہیں کر رہی تھی۔ اصم بھی ناراض سا تھا اور سبرینہ بھی.....اپنے احساسات کے ساتھ ہی وہ واپس لوٹ آئی تھی۔

☆......☆......☆
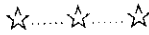
صالحہ درانی کا بلڈ پریشر دوپہر سے بڑھا ہوا تھا۔ ملازمہ نے جا کر انعم کو بتایا بھی تھا' مگر وہ خود نکلی تھی اور نہ ہی ملازمہ کو کوئی خاص ہدایت دی تھی۔ صالحہ اپنی معمول کی دوا کھا کر بھی طبیعت میں بہتری محسوس نہیں کر رہی تھیں۔ آخر انہوں نے مجبور ہو کر ملازمہ کے ذریعے فائق کو فون کروایا۔ وہ بھی پریشان ہو کر آفس سے سیدھا گھر آ گیا۔ اور پھر انہیں لے کر ہاسپٹل پہنچا۔ ڈاکٹر نے طبی امداد دینے کے بعد فوراً ہدایت کیں۔

''دیکھیے مسٹر فائق ابھی تو آپ لے آئے ہیں اور ہم نے Treatment دے دی ہے۔ لیکن Next ایسی کنڈیشن ہوئی تو اُن کا نروس بریک ڈاؤن ہوسکتا ہے یا پھر پیرالائز ہو جانے کا چانس بھی رہتا ہے۔ ایسے پیشنٹ کو کسی Stress میں رکھنا ڈینجرس ہوتا ہے۔ آخر کیا پریشانی ہے انہیں۔''

ڈاکٹر کے سوال کا فائق کیا جواب دیتا کہ وہ خود اور اُس کی ازدواجی زندگی اُس کی ماں کے لیے باعث پریشانی ہے۔ وہ بس ڈاکٹر سے آئندہ کے لیے وعدے وعید ہی کرتا رہا۔

''ڈاکٹر! امی کی کنڈیشن کی کوئی خاص وجہ تو نہیں ہے۔ بہرحال میں آئندہ مزید محتاط رہوں گا کہ انہیں کوئی پریشانی نہ ہو۔'' ڈاکٹر نے اپنا فرض تو ادا کر دیا تھا اور فائق کو مزید اُلجھا دیا تھا کہ آخر صالحہ کی بگڑی حالت کا ذمہ دار کون ہے۔ تین گھنٹے بعد وہ رات کے آٹھ نو کے درمیان صالحہ کو لے کر گھر پہنچا تو تب بھی انعم اپنے کمرے سے نہیں نکلی۔ وہ صالحہ درانی کو اُن کے بیڈ پر لیٹا کر آرام کرنے کا کہہ کر باہر آ کر ملازمہ باجی نذیراں سے باز پرس کرنے لگا۔

''امی کی طبیعت کیوں خراب ہوئی تھی نذیراں باجی۔'' وہ لاؤنج کے صوفے پر بیٹھا تھا اور باجی نذیراں سر جھکائے کھڑی تھی۔

''پتہ نہیں جی...... میں تو جی شام کی چائے کا پُچھنے (پوچھنے) بیگم صبیہ کے کمرے میں گئی تھی تو انہوں نے ہی بتایا تھا کہ طبیعت خر...... اب ہے۔''

''سچ سچ بتاؤ...... بی بی سے کوئی جھگڑا تو نہیں ہوا تھا امی کا۔'' اُس نے لہجے میں سختی بھر کر پوچھا تو باجی نذیراں ہچکچا کر گڑگڑانے والے انداز میں بولیں۔

''سچی بات ہے چھوٹے صاب...... میرے سا...... منے کو...... ئی گل بات نئیں ہوئی۔ بی بی تو جس دن سے آئی ہیں۔ اپنے کمر...... ے سے ہی نئیں نکلتیں۔ ناشتہ' کھانا وی اندر کمرے میں منگواتی ہیں۔ آپ بے شک بیگم صبیہ سے پچھ لیں۔''

''اس بیچاری کو کیوں کٹہرے میں کھڑا کر رکھا ہے تم نے فائق...... جو ذمہ دار ہے وہ تو اندر چھپ کر بیٹھی ہے۔'' صالحہ بمشکل بولتی اپنے کمرے سے نکل کر آئی تھیں۔

''امی......!'' فائق فوراً اُن کی طرف لپکا۔

''آ......پ کیوں اُٹھ کر آ گئیں۔ ڈاکٹر نے آپ کو ریسٹ کے لیے کہا ہے۔'' وہ انہیں تھام کر واپس کمرے میں لے آیا اور زبردستی بستر پر بیٹھا دیا۔

''میرا سکون' آرام تو تمہاری بیوی نے غارت کر رکھا ہے'' وہ ہانپ کر بولتی ہوئی فائق کو بھی پریشان

کر گئیں۔

''امی جان...... آپ کو ہی بہت شوق تھا اُس مصیبت کو واپس بلوانے کا...... میں نے کہا بھی تھا کہ ابھی اُسے وہیں رہنے دیں۔'' وہ پھر سے شکوہ کرنے لگا۔ یہ فراموش کر بیٹھا کہ اُس کی امی کی طبیعت خراب ہے۔

''میرے دل میں خوفِ خدا آ گیا تھا۔ تمہاری اولاد کی بقا چاہتی ہوں میں...... مگر وہ...... نجانے کیا سمجھ رہی ہے ہم بے بس ہیں اُس کے بغیر ہمارا گزارا نہیں ہوتا۔'' وہ یکدم کھانسنے لگی تھیں۔ نذیراں باجی دروازے کے پاس ہی کھڑی تھی۔ فوراً پانی کا گلاس لے آئی۔ فائق گلاس تھام کر ماں کے لبوں سے لگا کے انہیں تسلی دینے لگا۔

''امی...... آپ خود کو سنبھالیں۔ میں ہینڈل کرلوں گا اُسے...... اُس نے ابھی تک صرف میری محبت اور نرمی دیکھی ہے۔''

(''جس دن میری ضد دیکھ لی۔ اُس دن اُسے پچھتانے کا موقع بھی نہیں ملے گا۔'') فائق نے باقی بات دل میں سوچی تھی۔ صالحہ پانی کا گھونٹ بھر کر نڈھال سی تکیے پر سر ڈال کر لیٹ گئی تھیں۔ فائق کچھ دیر اُن کے پاس بیٹھا رہا اُس کے اندر ابل سا اُٹھ رہا تھا۔ جسے بہہ جانے کے لیے راستہ چاہیے تھا۔

☆......☆......☆

رات کے کھانے کے وقت ڈائننگ ہال میں سبھی جمع تھے سوائے اصم کے...... شریح خان نے اروی کو خصوصی طور پر اپنے دائیں طرف بٹھایا تھا۔

''شکر ہے آج میری بیٹی تو ہمارے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھا رہی ہے۔'' بابا جان نے مسکرا کر شفقت بھرے انداز میں دیکھتے ہوئے اروی کو مخاطب کیا تھا۔

''ہاں...... میں نے تو کہا تھا جب تک اس کے بازو کا پلاسٹر نہیں اُتر جاتا یہ آرام سے کمرے میں بیٹھ کر اپنے لیے کھانا وغیرہ منگوالیا کرے مگر یہ کہہ رہی ہے کہ آرام کر کر کے تھک گئی ہے۔'' زبدہ منصور نے اُس کی موجودگی کی وضاحت دی تھی۔

''جی...... بابا جان...... مجھے اب چلنے پھرنے میں کوئی دقت نہیں ہے۔ مجھے بے چاری شمو کا بار بار چکر لگانا اچھا نہیں لگتا تھا۔'' اروی نے بھی بے ساختہ اپنے احساسات بیان کیے۔ تو زبدہ نے معمول کے انداز میں بولیں۔

''یہ تو اچھی بات ہے کہ تم ٹھیک ہو رہی ہو پھر بھی ڈاکٹر کی ہدایت ضرور یاد رکھنا...... یہ نہ ہو شمو یا ہمارا خیال کر کے اپنی تکلیف بڑھا لو۔'' بی بی جان کے ناصحانہ انداز پر اروی تو سر ہلا کر رہ گئی۔ جبکہ سبرینہ بولے بنا نہ رہ سکی۔

''بی بی جان...... آپ ڈاکٹر سے ضرور پوچھ لیں کہ ابھی ہماری چھوٹی دلہن کو نقل و حرکت کی اجازت ہے بھی کہ نہیں...... کیونکہ اصم کو تو یہ بتا رہی تھی کہ ابھی اس کے بازو اور جسم میں درد ہے۔'' سبرینہ کا لب و لہجہ بظاہر ہمدردانہ تھا۔ مگر یہ اروی ہی کو خبر تھی کہ وہ اُس پر طنز کر کے کیا جتانا چاہتی ہے۔

''اچھا...... پھر تو بیٹا تمہیں ڈاکٹر سے پوچھ کر ہی اوپر نیچے آنا جانا چاہیے۔ خواہ مخواہ کچھ کر کے کلائی کا

جوڑ نہ ہلوا لینا۔ پہلے بھی تمہارے بازو ٹوٹنے کا بعد میں پتہ چلا تھا۔'' بابا جان نے ایک بار پھر شفقت اور نرمی کا اظہار کیا۔ نیلم بھی اُس کی محبت میں بولی۔

''بابا جان...... اروی بھابی تو مجھے بھی کہہ رہی تھیں کہ اب میں اپنے روم میں شفٹ ہو جاؤں۔ ویسے بھی یہ مجھے کون سا جگاتی ہیں۔ خود ہی اپنے لیے پانی بھی لے لیتی ہیں۔ میڈیسن بھی کھا لیتی ہیں۔''

''ٹھیک ہے تم اپنے روم میں شفٹ ہو جاؤ۔ کچھ دنوں میں اصغر بھی آ ہی جائے گا۔'' بی بی جان نے اپنے مخصوص انداز میں فیصلہ صادر کیا۔ مزید کوئی کیا کہتا۔ اُس کے بعد بھی خاموشی سے کھانا کھانے لگے۔ اروی سے کھانا ذرا مشکل ہو رہا تھا۔ اُسے سب کچھ نیا اور اجنبی سا محسوس ہو رہا تھا۔

(یا اللہ...... ایک بڑی کا سسرال والوں کو سمجھنا کتنا مشکل ہو جاتا ہے۔'') وہ سوچ کر رہ گئی۔

☆......☆......☆

دروازہ دھاڑ سے کھول کر فائق اپنے کمرے میں داخل ہوا۔ تو ٹی وی اسکرین پر نظریں جمائے نیم دراز انعم بھی ہڑ بڑا کر اُٹھ بیٹھی۔ فائق کے جارحانہ تیور دیکھ کر وہ بھی متوحش ہو گئی تھی۔ کیونکہ فائق نے سب سے پہلے اپنی جارحیت کا اظہار ٹی وی کا پلگ کھینچ کر کیا تھا اور پھر اُس کی طرف اٹھی تیور کے ساتھ پلٹا تھا۔

''تم جیسی کمینی، خود غرض اور بے حس عورت میں نے دنیا میں نہیں دیکھی۔''

''کیا، کیا ہے تم نے امی کے ساتھ؟''

''میں نے......؟'' میں نے کیا؟ کیا ہے اُن کے ساتھ؟'' وہ اپنی بدحواسی میں بھی قدرے چیخ کر بولی۔

''اتنی انجان مت بنو۔ تمہیں ذرا سا بھی احساس نہیں کہ تم کیا؟ کر رہی ہو...... تمہیں اگر یہاں میرے ساتھ رہنے میں کوئی تکلیف ہے تو اپنے گھر والوں سے کہتیں...... میرے ساتھ کیوں چلی آئی تھیں۔ ہمارا جینا حرام کرنے۔'' فائق نے ٹی وی ریموٹ اُس کے ہاتھ سے چھین کر پٹخا۔

''تم کیوں آ گئے تھے مجھے لینے...... جینا تو میرا حرام ہو گیا ہے۔ تمہاری ماں کے احکامات و فرمودات پر میں عمل نہیں کر سکتی۔'' وہ بھی اُسی کے انداز میں بولتی بستر سے اُتر کر سامنے کھڑی ہو گئی۔

''تو پھر چلی جاؤ...... بلا لو اپنے کسی بھائی کو...... یا پھر فون کرو اپنی بی بی جان کو...... آ کر دیکھیں تمہارے کارنامے...... اپنی بہوؤں کو تو انہوں نے قابو کر رکھا ہے اور بیٹی کو...... بیٹی کی تربیت کی ہے اور نہ ہی تمیز سکھائی ہے۔''

''تم لوگوں کی یہی باتیں، طعنے تو برچھیوں کی طرح لگتے ہیں۔ کوئی شوق نہیں ہے مجھے اس قید خانے میں رہنے کا، میری تربیت کی بات مت کیا کرو ورنہ......'' وہ بھی بپھر اٹھی تھی۔

''ورنہ کیا؟ ہاں...... کیا کر لو گی تم۔'' اُس کی دھمکی نے فائق بھی آپے سے باہر ہو گیا اور ایک زوردار تھپڑ اس کے گال پر رسید کیا۔

''فون کرتا ہوں تمہاری ماں کو...... آ کر لے جائیں اپنی سوغات...... ضرورت نہیں ہے مجھے اُس کی۔'' وہ جواباً اُسے دھمکاتا کمرے سے نکل گیا۔ باہر باجی نذیراں ہکا بکا سی کھڑی تھی۔ جیسے سمجھ نہ پا رہی ہو کہ کرے تو کیا کرے۔ وہ گھر سے ہی باہر چلا گیا تھا۔ جبکہ اندر کمرے میں انعم ہنوز صدماتی کیفیت میں

تھی۔ فائق زبانی کلامی کچھ نہیں کہتا رہا تھا۔ ہاتھ اُس نے پہلی بار اٹھایا تھا۔ اُسے بی بی جان کی کبھی کی کہی بات یاد آئی۔

(''مرد بیوی سے جتنی بھی محبت کرتا ہو لیکن جب اُس کی محبت رخ بدل کر مشتعل ہونے لگے تو پھر اُس کا اشتعال عورت پر ہی نکلتا ہے۔'')

اُس کے اندر فائق کے خلاف مزید غصہ بھرنے لگا تھا۔ وہ اُسے کمزور سمجھ رہا تھا جبکہ وہ خود کو کمزور نہیں سمجھتی تھی۔ دل میں نئے عزم رکھتے ہوئے اُس نے اپنے ارادوں کو پختہ کیا اور اپنا ضروری سامان سمیٹنے کے بعد اُس نے Cab Service سے اپنے لیے Cab منگوالی۔ اور پھر اپنا سامان اور فون لے کر کمرے سے نکل آئی۔

☆......☆......☆

احمد حسن اور زہرا سونے کے لیے کمرے میں لیٹے تھے۔ زہرا کی طبیعت موسمی نزلے زکام کی وجہ سے کافی بوجھل تھی۔ آج اسے بار بار اروٰی یاد آ رہی تھی۔ وردہ کچھ دیر پہلے جوشاندہ بنا کر دے گئی تھی۔ زہیر اور وردہ دونوں دوسرے کمرے میں اپنی اپنی پڑھائی میں مصروف تھے۔

''احمد! دو دن سے اروٰی نے فون نہیں کیا۔ اور میں بھی اپنی طبیعت کی وجہ سے اُسے فون نہیں کر سکی آپ ہی اُس کی کوئی خیر خبر لے لیتے۔'' زہرا جوشاندے کا خالی کپ تپائی پر رکھتے ہوئے کروٹ لیے احمد حسن کو مخاطب کیا تو وہ بھی چونک کر متوجہ ہوئے اور اُٹھ بیٹھے۔

''اچھا...... ! دو دن سے اُسے فون ہی نہیں کیا، حد کر دی ہو زہرا...... زہیر یا وردہ ہی سے ہی کہہ دیتیں۔ وہ بہن کی خیریت معلوم کر لیتے۔'' اُن کی فکرمندی دیدنی تھی۔

''دونوں کچھ میری وجہ سے پریشان تھے اور کچھ اپنی پڑھائی کی مصروفیت میں تھے اور پھر میں نے بھی منع کر دیا تھا کہ اُسے میری طبیعت کی خرابی کا بتا کر پریشان نہ کریں۔'' زہرا نے وجہ بتا کر انہیں مطمئن کیا تو وہ بھی گہری سانس لے کر بولے۔

''اب تو خاصی دیر ہوگئی ہے۔ صبح ہی اُسے فون کروں گا۔ اگر تم سے بات ہو تو بتا دینا۔ ہم اگلے چند دنوں میں اُس سے ملنے آئیں گے۔''

''احمد...... میں سوچ رہی ہوں...... کہ کیوں نہ ہم اُسے چند دنوں کے لیے یہاں لے آئیں۔'' زہرا نے خواہش ظاہر کی تو احمد حسن مکمل طور پر اُس کی جانب مڑ گئے۔

''دماغ تو ٹھیک ہے...... ابھی ہم اُسے کیسے یہاں لانے کی بات کر سکتے ہیں۔''

''کیو...... ں؟ وہ ہماری بیٹی ہے۔ ہمارا حق نہیں بنتا کہ ہم بھی چند دن اُس کی دیکھ بھال کریں۔ اُس کے بھی دل میں خیال آتا ہوگا کہ ہم نے پلٹ کر اُسے پوچھا بھی نہیں۔''

''کیسی بے وقوفی کی بات کر رہی ہو زہرا...... وہ نادان نہیں ہے جو ایسا سوچے گی۔ اُس کا شوہر ہاسپٹل میں ہے تمہارا خیال ہے کہ وہ تمہارے ساتھ آ جائے گی۔''

''کیا کروں احمد حسن...... دل کچھ بے چین ہے اُس کی طرف سے...... اپنی بیماری کے دن وہ وہاں کیسے گزار رہی ہوگی۔ سسرال والے کتنی دیکھ بھال کر سکتے ہیں۔'' زہرا اپنے خدشات بیان کیے بغیر نہ رہ

سکی۔

''اللہ کا نام لو زہرا...... ہم دیکھ آئے ہیں۔ وہ لوگ روایتی سسرال والے نہیں ہیں۔ سبھی اُس خیال کرتے ہیں۔''

''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں پھر بھی ماں ہوں۔ دل کی بے قراری سنبھال نہیں پاتی۔'' وہ متفق ہو کر بھی بے بس سی تھیں۔

اپنی بے قراری کے لیے دعا کیا کرو۔ یہ شیطان ہے جو وسوسے ڈالتا ہے اور بدگمانیاں پیدا کرتا ہے۔ ہمارا داماد ٹھیک ہو جائے گا تو دیکھنا وہ خود ہی اُسے یہاں بھیج دیں گے۔ ہمیں کہنا ہی نہیں پڑے گا۔'' احمد حسن کا یقین پختہ تھا۔ مگر زہرا مطمئن ظاہر کر کے بھی مطمئن نہیں تھیں۔

☆......☆......☆

فائق غصے میں باہر نکل تو آیا تھا مگر اُس کا دھیان ڈرائیونگ کرتے ہوئے بھی مسلسل اپنی امی جان کی طرف تھا۔ اُسے انعم پر ہاتھ اٹھانے کا کوئی ملال نہیں تھا۔ پیدا ہونے سے لے کر اب تک اُس نے اپنی امی کو اپنے لیے وقف پایا تھا۔ اُس کی امی نے اُس کی پرورش کے لیے اپنی ذات کو فراموش کر دیا تھا۔ اُس کی خواہ پوری کرنے کے لیے ابو جان کے سامنے ڈٹ جایا کرتی تھی۔

اُس کی شادی کے وقت بھی انہوں نے اپنے ارمان اپنی خواہشات کی کوئی رکاوٹ کھڑی نہیں کی تھی۔ انعم کو پورے مان اور عزت سے اپنایا تھا۔ وہی انعم اُن کی عزت و تکریم کو بھلا کر صرف اپنی ذات کا زعم جتایا کرتی تھی۔

دو سال تک تو وہ اسی انتظار میں رہا تھا کہ وہ خود ہی سمجھ جائے گی۔ اُس کی محبت کی خاطر خود میں تبدیلی لے آئے گی۔ لیکن انعم اُس کی محبت کی خاطر تو کیا اپنے پیاروں کی خاطر بھی اپنی 'میں' کے پیکر سے بھی نکلنے کو تیار نہیں تھی۔ ڈرائیو کرتے کرتے فائق کو اچانک خیال آیا کہ کہیں وہ کمرے سے باہر نکل کر اُس کی امی سے نہ اُلجھ رہی ہو۔ کہیں انعم کی وجہ سے پھر انہیں ہاسپل نہ جانا پڑ جائے۔ یہ سوچ آتے ہی اُس نے گاڑی واپس گھر کی جانب موڑ دی۔

☆......☆......☆

انعم اپنا سفری بیگ تقریباً کھینچتی ہوئی باہر لا رہی تھی۔ باجی نذیراں پریشانی سے بوکھلائی ہوئی تھی کہ اُسے کیسے روکے اور کیسے بلائے۔

''انعم بی بی...... آ...... پ اس وقت کہا...... ں جا رہی ہیں...... چھوٹے صاب وی نہیں ہیں گھر پر۔''

''کیوں...... تمہیں کیا لگتا ہے میں کہاں جا رہی ہوں؟ میرے ماں باپ کا گھر نہیں ہے کیا؟ لاوارث نہیں ہوں میں'' وہ اُس پر بگڑتے ہوئے آگے بڑھنے لگی۔ باہر Cab آ گئی تھی۔ کیب ڈرائیور اُسے فون پر بتا چکا تھا۔

''انعم بی بی کچھ تو خیال کریں چھوٹے صاب ناراض ہوں گے' گھر پر بیگم صبیبہ وی بیمار پڑی ہیں۔'' باجی نذیراں جیسے گڑگڑانے لگی۔

''میں کیوں کسی کا خیال کروں...... ہٹو سامنے سے۔'' وہ اُسے پیچھے کرتی اندرونی دروازہ کھول کر باہر

نکل گئی۔ باجی نذیراں دو قدم پیچھے گئی اور پھر پلٹ کر صالحہ کے کمرے کی طرف تیزی سے بڑھی۔
''بیگم صیبہ...... بیگم صیبہ...... انعم بی بی گھر چھوڑ کے جارہی ہیں آپ انہیں روک لیں...... چھوٹے صاب وی گھر پہ نئیں ہیں۔'' دواؤں کے زیرِ اثر نیم غنودگی میں پڑی صالحہ یکدم ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔
''کیا؟ کیا ہوا؟ اللہ خیر۔''
''بیگم صیبہ خیر نئیں ہے۔ انعم بی بی گھر چھوڑ کے جارہی ہیں۔ دونوں نے ٹیکسی منگالی ہے فون کر کے۔''
باجی نذیراں پرانی ملازمہ تھی۔ اس لیے اِسے صورتِ حال دیکھ کر تکلیف ہورہی تھی۔
''کیا کہہ رہی ہو؟ فا...... فائق کہا...... ں ہے۔'' وہ جھٹکے سے بستر چھوڑ کر اتریں اور پاؤں میں سلیپر پہن کر باہر کو لپکیں انہیں چکر سے آرہے تھے۔ باجی نذیراں نے اُن کی کیفیت بھانپ کر فوراً تھام لیا اور ساتھ ہی لے کر آگے بڑھی۔
''چھوٹے صاب تو غصہ کر کے باہر چلے گئے تھے۔ فیر یہ سامان باندھ کے جارہی ہیں۔'' باجی نذیراں نے اپنے طور پر تفصیل بتائی۔ پھر وہ صالحہ درانی کو سنبھال کر پورچ کی طرف لے آئی۔
انعم مین گیٹ پر کھڑے گارڈ سے باہر جانے کے لیے اُلجھ رہی تھی۔ اُسی وقت فائق کی گاڑی کا ہارن بجا تو گارڈ فوراً دروازہ کھولنے لپکا۔ دروازہ کھلتے ہی فائق گاڑی اندر لے آیا۔ انعم پورچ کے درمیان اپنے سامان کے ساتھ کھڑی تھی۔ فائق دروازے سے ذرا ایک طرف ٹیکسی دیکھ چکا تھا مگر اُس نے توجہ نہیں دی تھی لیکن اندر آتے ہی انعم کو دیکھ کر وہ جیسے اُس کے ارادے بھانپ گیا تھا۔ گاڑی بند کر کے وہ خاصے برے تاثرات کے ساتھ نکلا اور پھر درشتگی سے انعم کو مخاطب کیا۔
''یہ کیا تماشہ لگا رکھا ہے تم نے...... کدھر جارہی ہو تم۔''
''بیت الجنت...... اپنے بابا جان کے گھر!''
''وہاٹ؟ یاد رکھو ایک بار تو میں تمہیں لے آیا ہوں۔ اب اگر تم یہاں سے گئیں تو انجام کی ذمہ دار تم خود ہوگی۔'' فائق نے اُسے دھمکایا مگر وہ جیسے کچھ بھی سننے کے موڈ میں نہیں تھی۔
''تم کیا سمجھتے ہو میں دوبارہ یہاں آنا پسند کروں گی۔ وہ تو بی جان نے مجبور کر دیا تھا...... ورنہ......''
وہ اُسی تلخ و ترش لہجے میں اُس پر جتا رہی تھی۔
''مجھے بھی تمہاری بی بی جا...... ن نے ہی مجبور کر دیا تھا جو میں تم جیسی عورت کو واپس لانے کی غلطی کر بیٹھا۔ ورنہ تمہیں برداشت کرنا اب میرے بس میں نہیں ہے۔'' وہ بھی فائق تھا اس کے رویے سے تپ اٹھا۔
''تو کیوں برداشت کرتے ہو...... میں نے تو تمہیں مجبور نہیں کیا؟'' وہ دوبدو بولی۔ گھر کے پورچ میں ایک ہنگامہ برپا تھا۔ فائق اُس کے سامنے ڈٹا کھڑا تھا اور وہ وہاں سے نکلنے کے لیے پر تول رہی تھی۔
''میں تمہیں Last Time Warn کر رہا ہوں انعم...... تم اگر اس طرح یہاں سے گئیں تو دوبارہ اس گھر میں نہیں آسکو گی۔'' فائق اُس کے تیور دیکھ کر آخری کوشش کے طور پر اُسے دھمکا رہا تھا۔
''یہ تمہاری بھول ہے میں نہ پہلے یہاں آنا چاہتی تھی اور نہ آئندہ آنا چاہوں گی۔ میرے راستے سے ہٹ جاؤ۔'' انعم پھر کر آگے قدم بڑھانے لگی۔
''فا...... ئق روکو اُسے...... انعم......'' صالحہ ہانپتی کانپتی اُن کے سر پر پہنچ گئیں۔

''انعم...... اس طرح غصے میں گھر برباد مت کرو۔''

''مت کریں یہ ڈرامہ اب...... لے آیئے گا اپنے اصولوں اور قاعدوں پر چلانے والی کوئی۔'' وہ مزید تلخ ہوئی۔

''انعم...... تم بہت پچھتاؤ گی...... اپنا نہیں تو اپنے بچے اور والدین...... کا ہی سوچ لو...... جنہیں تم پر مان ہے۔'' صالحہ بہت دقت سے بولیں۔ انعم کے عمل اور رویے نے انہیں مزید تکلیف دی تھی۔ وہ ان سنی کر کے گیٹ کی طرف بڑھتی چلی گئی۔ ہاتھ سے بیگ گھسیٹتی۔

''جانے دیں امی...... جنہیں محبت اور عزت راس نہ آئے وہ بنا ٹھوکر کے نہیں سنبھلتے۔'' فائق کا سنجیدہ و سرد لہجہ صالحہ کے پورے وجود میں سنسناہٹ بھر گیا۔ گویا اُس کے ارادے بھی اٹل تھے

انعم کی واپسی اب آسان نہ تھی۔ وہ چکرا کر رہ گئیں۔

انعم نے گیٹ سے نکلتے نکلتے فائق کے الفاظ سن کر نخوت سے سوچا۔

''ہونہہ...... تمہاری حسرت کبھی پوری نہیں ہوگی فائق درانی۔'' وہ گیٹ پار کر کے کیب میں آ بیٹھی۔ کیب ڈرائیور نے اس کا بیگ خود ہی اُٹھا کر پچھلی سیٹ پر اُس کے برابر رکھ دیا اور پھر وہ اُسے پتہ بتانے لگی۔

☆......☆......☆

انعم کے نکلتے ہی صالحہ کی طبیعت مزید بگڑ گئی۔ فائق ایک بار پھر انہیں لے کر اسپتال پہنچا۔ اُن کا نروس بریک ڈاؤن ہو گیا تھا۔ فائق کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کیا کرے۔

☆......☆......☆

رات کے کھانے کے بعد زیب النساء اور شہرینہ ٹی وی لاؤنج میں قہوے سے لطف اندوز ہو رہی تھیں۔ دونوں اس معاملے پر ڈسکس کر چکی تھیں کہ کل صالحہ کے گھر جا کر انہیں ویک اینڈ پر ڈنر کی دعوت دے آئیں گے۔ سبرینہ نے شہرینہ کو تھوڑا بہت قائل کر لیا تھا۔

اُس کے دل میں دبی محبت کی آگ بھی سلگ اٹھی تھی۔ کچھ بھی تھا فائق کو اُس نے دل سے چاہا تھا اور اُسی چاہت کا مان رکھتے ہوئے اُس پر جتائے بغیر اُسے اُس کی چاہت کی طرف گامزن ہونے دیا تھا اور پھر اپنے لب سی لیے تھے۔ خود کو تو وقت اور حالات کے دھارے پر چھوڑ دیا تھا۔ یہ تو اُس کی مما اور سبرینہ نے سلے لبوں کو کھولنے کا راستہ اور طریقہ بتایا تھا۔ گزرتے وقت نے اُسے بھی اب ترغیب دی تھی کہ کچھ پانے کے لیے آگے بڑھنا ضروری ہے۔ ورنہ پیچھے رہ جانے والوں کو کوئی اپنے ہمقدم نہیں کرتا۔

وہ انہی سوچوں میں محو تھی اور زیب النساء ٹی وی دیکھنے میں...... اچانک انہوں نے بیٹی کو مخاطب کیا۔

''شہری کیا خیال ہے۔ سبرینہ اور اس کی فیملی کو بھی انوائٹ نہ کر لیں۔''

''وہ تو آئے گی مما! اسے انویٹیشن دینے کی کیا ضرورت ہے۔'' ہاتھ میں پکڑا چائے کا خالی کپ ایک طرف رکھا۔

''وہ تو آ جائے گی مگر...... میرا مطلب زبدہ اور شارم وغیرہ سے ہے۔ کافی ٹائم ہو گیا شارم نہیں آیا یہاں۔'' زیب نے وضاحت دی۔

(اس خوبصورت ناول کی اگلی قسط ماہ مئی میں ملاحظہ فرمائیں)

دوشیزہ گلستان

ربِ ذوالجلال

خدا سب سے زیادہ مایوس کن لمحات میں امید بھیجتا ہے۔مت بھولو سب سے بھاری بارش تاریک ترین بادلوں سے ہی ہوتی ہے۔

..........*

احادیثِ رسول اللہؐ

دعا کے سوا کوئی شے تقدیر نہیں بدل سکتی۔
نیکی کے سوا کوئی شے عمر کو نہیں بڑھا سکتی۔
صدقے کے سوا کوئی شے مصیبت کو ٹال نہیں سکتی۔
زکوٰۃ کے سوا کوئی شے دولت کو نہیں بڑھا سکتی۔

ترتیب:رازِ عدن۔بحرین

سنہری حروف

پریشانی حالات سے نہیں خیالات سے پیدا ہوتی ہے۔
بہترین آنکھ وہ ہے جو حقیقت کا سامنا کرے۔
دنیا میں سب سے مشکل کام اپنی اصلاح اور سب سے آسان کام دوسروں پر تنقید کرنا ہے۔
نفرت دل کا پاگل پن ہے۔
انسان زندگی سے مایوس ہوتا ہے تو کامیابی بھی ناکامی نظر آتی ہے۔

ارم حمید۔کراچی

لطیفہ

باباجی جب 70 سال کی عمر میں آٹھواں بیاہ کرنے لگے تو لوگوں نے پوچھ ہی لیا۔
''باباجی آخر آپ کو بیاہ کرنے کا اتنا کیا شوق ہے؟'' باباجی نے جواب دیا۔
''مجھے شوق کوئی نہیں بس نکاح کے وقت جب مولوی صاحب کہتے ہیں۔''
''لڑکا کدھر ہے؟ لڑکے کو بلاؤ تب دل میں ٹھنڈ پڑ جاتی ہے۔''

سلمٰی۔بحرین

میرا رب

جب تک انسان ٹوٹتا نہیں ہے رب سے جڑتا نہیں ہے۔خالی ہاتھوں میں اپنی کرچیاں لے کر جب بندہ اس کے آگے پاش پاش ہو کر پیش ہوتا ہے تو وہ سمیٹ لیتا ہے۔دوبارہ بناتا ہے اور وہ بہترین مقدر ہے اس لیے پہلے سے خوبصورت ہی بناتا ہے۔

افشاں۔U.K

صدقہ رد بلا

صدقہ ہر بلا کو ٹال دیتا ہے سوائے اُس بلا کے جس سے آپ کا نکاح ہو چکا ہو۔

..........*

قربان جاؤں

ایک شخص نے مولوی صاحب سے پوچھا۔
''اگر جنگل میں نماز پڑھتے وقت شیر آ جائے تو کیا نماز جاری رکھوں؟''
''قربان جاؤں۔'' مولوی صاحب نے کیا خوب جواب دیا۔
''اگر وضو باقی رہے تو جاری رکھو۔''

راحیلہ۔لاہور

اللہ آپ کو عطا کرے

وہ ایمان جس میں لذت ہو۔
وہ آنکھ جس میں حیا ہو۔
وہ زبان جس میں تاثیر ہو۔
وہ دل جس میں اللہ کا ڈر ہو۔
وہ سینہ جس میں قرآن ہو۔
وہ چال جس میں عاجزی ہو۔
وہ زندگی جس میں اسلام ہو۔
وہ قبر جس میں سکون ہو۔
اور جنت میں وہ مکان جو رسول ﷺ کے پڑوس میں ہو، آمین۔

سارہ۔U.S.A

خوشگوار ازدواجی زندگی کا راز

ایک جوڑے نے جب اپنی شادی کی 25 ویں سالگرہ منائی تو ایک صحافی اُن کا انٹرویو لینے کو پہنچ گیا وہ جوڑا اپنی بہترین اور سکھی ازدواجی زندگی کے لیے مشہور تھا ان دونوں میاں بیوی کے درمیان کبھی کسی معمولی سی بات پر بھی تلخی نہیں ہوئی تھی۔لوگ یہ راز جاننے کے لیے بے چین تھے۔
شوہر نے بتایا۔
''ہم شادی کے فوراً بعد ہنی مون کے لیے ایک پُرفضا پہاڑی مقام پر گئے وہاں پر ہم نے گھڑ سواری کا پروگرام بنایا۔گھوڑا ذرا نخرے والا تھا اس نے دوڑتے دوڑتے میری بیوی کو گرا دیا۔ میری بیوی اٹھی۔ پیار سے گھوڑے کی پیٹ تھپکی اور کہا۔
''یہ پہلی بار ہے۔'' تھوڑی دور چلنے کے بعد گھوڑے نے اُس کو پھر گرا دیا۔ وہ پھر اٹھی۔ پیار سے پیٹ تھپکی اور کہا۔
''یہ دوسری بار ہے۔'' اور پھر اُس پر سوار ہوگئی لیکن تھوڑی دور جا کر میری بیوی کو گھوڑے نے پھر گرا دیا۔ اس بار وہ کچھ نہیں بولی۔ خاموشی سے اپنا پرس کھولا اور گھوڑے کو گولی مار دی۔ مجھے یہ دیکھ کر بہت غصہ آیا میں بہت چیخا اور کہا۔
''یہ تم نے کیا کیا پاگل تو نہیں ہو؟''
بیوی نے میری جانب دیکھا اور کہا۔
''یہ پہلی بار ہے۔'' بس وہ دن ہے اور آج کا دن ہماری زندگی خوشی اور امن سے گزر رہی ہے۔

غزالہ رشید۔کراچی

اللہ توکل

بچپن سے یہ سنتے آئے تھے کہ اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دو کئی دفعہ کیا لیکن اطمینان، سکون اور چین پھر بھی نہیں ملتا تھا حیرت ہوتی تھی کہ جب معاملہ اللہ کے سپرد کر دیا پھر پریشانی کیوں؟
ایک دن حضرت سلطان باہو کا ملفوظ نظر سے گزرا کہ جب معاملہ اللہ کے سپرد کرو تو معاملہ اور اللہ کے درمیان سے نکل جایا کرو۔ ایسا لگا کہ گویا آنکھوں اور دل پر سے پردہ ہٹ گیا۔ میں معاملہ اللہ کے سپرد تو کرتا تھا مگر خود درمیان میں ہی رہتا تھا یہ ہو جائے گا وہ ہو جائے گا' ایسا نہ ہو جائے ویسا نہ ہو جائے۔''

سعدیہ سیٹھی۔U.K

بچے کی پریشانی

گھر میں پنجابی بولو' اسکول میں اردو بولو' پیپر انگلش میں اور مرنے کے بعد حساب عربی میں...... میں کیا کیا پڑھوں۔

عمران۔ کراچی

دعا

مشکل وقت میں ہمیشہ دعا کیا کریں کیونکہ جہاں انسان کا حوصلہ ختم ہوجاتا ہے وہاں سے رحمت خداوندی شروع ہوجاتی ہے۔

طاہرہ۔ فیصل آباد

معصومانہ سوال

بیٹا: ''امی اگر کوئی شخص دیوار کے ساتھ سیڑھی لگا کر ساتھ والوں کے صحن میں جھانک رہا ہو تو کیا کرنا چاہیے؟''

''بہت بری بات ہے تم اگر کسی کو ایسا کرتا دیکھو تو سیڑھی کھینچ لینا۔''

بیٹا: ''جی میں نے ایسا ہی کیا تھا اب ڈیڈی نیچے پڑے ہوئے ہیں چل کر اٹھا لیجیے۔''

رضوانہ پرنس۔ کراچی

پائلٹ کنٹرول روم سے

فلائٹ J-230 میں پاکستان سے 50 میل کی دوری پر ہوں 1600 فٹ کی بلندی پر ایدھن ختم ہوگیا ہے کیا احکامات ہیں؟ اوور

کنٹرول روم: ''کلمہ پڑھیے ایندھن تو ہمارے پاس بھی نہیں اور لائٹ بھی جانے والی ہے آپ کو ایئرپورٹ ہی نہیں نظر آئے گا۔ اوور......''

شاکرہ۔ حیدرآباد

شعر

مہرباں ہو کہ بلالو مجھے چاہو جس وقت
میں گیا وقت نہیں ہوں کہ پھر آ بھی نہ سکوں

محمد خضر صدیقی۔ کراچی

لطیفے

رپورٹر پٹھان سے: ''جب زلزلہ آیا تب آپ کیا کررہے تھے؟''

پٹھان: ''میں ہل رہا تھا۔''

............*

دوست پٹھان سے: ''یار کوئی گفٹ بتا جو تیری بھرجائی کے دل پر ٹھاہ کر کے لگے۔''

پٹھان: ''گولی مار دے۔''

ایس ایم تحسین۔ جدہ

حضرت علیؓ نے فرمایا

3 چیزیں ایمان کو برباد کر دیتی ہیں
امیروں کی محفل
عورتوں کی صحبت
جاہلوں سے بحث

فرحانہ نقوی۔ گجرات

تشدد

ایک عورت نے جڑواں بچوں کو جنم دیا تو ڈاکٹر نے کہا۔

''آج کل تشدد کے واقعات اس قدر بڑھ گئے ہیں کہ بچے اکیلے آتے ہوئے ڈرتے ہیں۔''

ناعمہ ظہور۔ کراچی

بے مثال جرأت

بیوی: ''تم سوتے ہوئے مجھے گالیاں دے رہے تھے؟''

شوہر: ''تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔''

بیوی: ''کیا غلط فہمی ہوئی ہے؟''

شوہر: ''یہی کہ میں سو رہا تھا؟''

رمشا۔ پشاور

دیوان غالب سے

قطع کیجیے نہ تعلق ہم سے
کچھ نہیں ہے تو عداوت ہی سہی

............*

تم اُن کے وعدے کا ذکر اُن سے کیوں کرو غالب
یہ کیا کہ تم کہو اور وہ کہیں کہ یاد نہیں

منزہ سہام۔ کراچی

انوکھے فائدے

جو شخص گھر سے نکلتے ہوئے سواری پر بیٹھتے ہوئے یا کسی کام کی ابتداء کرتے ہوئے 11 بار اللہ تعالیٰ کا صفاتی اسم 'یا حفیظ' پڑھے گا۔ ہر حادثے' پریشانی اور ہر دکھ درد سے محفوظ رہے گا۔

سام علی۔ اسلام آباد

تجزیہ

بہت دور تک جانا پڑتا ہے
صرف یہ جاننے کے لیے کہ نزدیک کون ہے

ماریہ۔ کراچی

آئینے ہنستے ہیں

ٹیچر: ''2 میں سے 2 نکلے تو کیا بچا؟''
شاگرد: ''مجھے سوال سمجھ میں نہیں آیا؟''
ٹیچر: ''تمہارے پاس 2 روٹیاں تھیں تم نے دونوں کھالیں اب کیا بچا؟''
شاگرد: ''سالن......''

............*

ماں بیٹے سے: ''اپنے لیے ایک لڑکی ڈھونڈو جو نمازی' پرہیزگار' پردے والی' اور نیک سیرت ہو۔''

بیٹا: ''یہ بتائیں اس سے شادی کرنی ہے یا پانی دم کروانا ہے؟''

دانیال۔ کراچی

سب سے پیارا میرا اللہ

یا اللہ میں نے تجھ سے بڑھ کر کسی کو چاہنے والا نہیں پایا۔
لوگ جب ہمارے دُکھ جان لیتے ہیں تو تنہا چھوڑ دیتے ہیں اور تو ہمارے دکھ میں ہمیں تھام لیتا ہے۔

فاخرہ رسول۔ سکھر

خوبصورت بات

جب آپ دوسروں کا دکھ مٹانے لگو گے تو آپ کا درد اللہ مٹائے گا۔

****

بابا بلھے شاہ

کیتا سوال......میاں مجنوں نوں
تیری لیلیٰ رنگ دی کالی اے
دتا جواب......میاں مجنوں نے
تیری اکھ......نہ ویکھن والی اے
قرآن پاک......دے ورقے چٹے
اتے لکھی سیاہی کالی اے
چھڈ دے بھلیا......دل دے چھڈ یا
تے کی گوری تے کی کالی اے

............*

کام کی بات

والدین کبھی غلط نہیں ہوتے اگر ان سے غلط فیصلے ہو جائیں تو ان کی نیت صاف ہوتی ہے اور انہی کی دعاؤں سے تقدیریں بدل جاتی ہیں

شعبان کھوسہ۔ کوئٹہ

جرم

جہاں معاف کرنے سے خوشگوار نتائج اور اچھائی کا امکان ہو وہاں بدلہ لینے کی خواہش جرم ہے
اُم مناہل۔ایبٹ آباد

مسکرائیے

ایک چرسی بس میں چرس پی رہا تھا ساتھ والی سیٹ پر بیٹھے بابا جی بولے۔
''تم جہنم کے راستے پر جارہے ہو۔'' چرسی بولا۔
''اوئے بس روکو...... میں نے تو گوجرانوالہ جانا ہے۔''

............*

ایک گھر کی ڈور بیل کے باہر لکھا تھا۔
''گھنٹی بجانے کے بعد تھوڑی دیر رکیں اندر بیٹھا انسان چل کر آرہا ہے اُڑ کر نہیں۔''
ظل ہما۔ساہیوال

خوبصورت اشعار

وقت ازالہ نہ کرسکا جن کا
لوگ ایسے بھی ہم نے کھوئے ہیں
اپنے ساتھ ہوں' نہ تیرے پاس ہوں
میں کئی دنوں سے یونہی اُداس ہوں
طاہر فضل۔لاہور

انسان

فون جب تک تار سے جڑا تھا تب تک انسان آزاد تھا۔
جب سے فون آزاد ہوا ہے انسان فون سے بندھ گیا ہے۔
عقیلہ حق۔کراچی

بابا جی کی باتیں

میں نے اپنی زندگی میں چند باتیں سیکھی ہیں۔
☆......ماں باپ کے علاوہ کوئی وفادار نہیں۔
☆......عزت صرف پیسے کی ہے انسان کی نہیں۔
☆......غریب کا کوئی دوست نہیں۔
☆...... انسان جس شخص کے لیے دل سے مخلص ہو وہ ضرور دکھ دیتا ہے۔
☆......لوگ اچھی سیرت کے بجائے اچھی صورت کو ترجیح دیتے ہیں۔
ڈاکٹر مکرم۔دبئی

مردم شماری

سنا ہے مردم شماری کا عملہ مشکل کا شکار ہے۔
اندرونِ سندھ ہر گھر سے بھٹو نکل رہا ہے۔
آسیہ اسماعیل۔بورے والا

ماڈرن آرٹ

نیویارک کے میوزیم آف آرٹ میں 18 اکتوبر سے 6 دسمبر تک ایک پینٹنگ الٹی لٹکی رہی اس دوران اس کو ایک لاکھ سے زائد افراد نے دیکھا اور کسی کو پتہ نہ چل سکا کہ یہ الٹی آویزاں ہے سب یہی سمجھتے رہے کہ یہ ماڈرن پینٹنگ ہے۔
فزا علی۔اٹک

محبت

میرے خیال میں محبت میں کوئی شرط نہیں ہوتی' صرف محبت کی جاتی ہے۔ چاہے دوسرا کرے یا نہ کرے۔اس میں شکوے شکایت کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی اور نہ ہی بے وفائی کی جگہ......
جاوید احمد۔شکار پور

☆☆......☆☆

نئے لہجے نئی آوازیں

درد

کیسے اذیت ناک
لمحے تھے وہ
جب اُس کی
ستارہ صفت آنکھوں کی
سرد مہری
میرے جسم میں
بن کے نشتر اتری

شاعرہ: فصیحہ آصف خان۔ ملتان

کیسے کہیں

اشکوں کی کہانی کیسے کہیں، آنکھوں کی زبانی کیسے کہیں
جو آگ لگی ہے سینے میں، اُس آگ کو پانی کیسے کہیں
جو کرب دیا تھا تحفے میں، اُسے تیری نشانی کیسے کہیں
جو عمر گزاری تیرے بنا، اُسے وقتِ جوانی کیسے کہیں
جو عمر گزارے قدموں میں، اُس داسی کو رانی کیسے کہیں
جو پیار کے رستے دیکھے تھے، انہیں راہ انجانی کیسے کہیں
اشکوں سے سجائی جو میں نے، اُسے سیج سہانی کیسے کہیں
اقرار میرا، انکار تیرا، اُسے تیری روانی کیسے کہیں

شاعرہ: عائشہ شفقت۔ ساہیوال

غزل

اُس شخص کی الفت کا ارمان رہا آخر
لیکن وہ مرے غم سے انجان رہا آخر
حاصل نہ ہوا کچھ بھی دل دے کے زمانے کو
اس کارِ محبت میں نقصان رہا آخر
بخشا ہے مجھے اُس نے آلام کا سرمایہ
اس کا تو بہت مجھ پر احسان رہا آخر

وہ بھول گیا مجھ کو میں بھول گیا اُس کو
یادوں کا صحرا بھی ویران رہا آخر
لوگوں کی مصیبت کا احساس نہیں کچھ بھی
انسان کہاں یارو ! انسان رہا آخر

شاعر: محمد حسان۔ کراچی

دکھ

جاتے ہوئے رفیق کو دیکھا نہ جاسکا
مجبور تھے اس قدر کہ روکا نہ جاسکا
یہ سچ ہے میرے گھر کا اثاثہ تو بک گیا
مجھ سے میرے ضمیر کو بیچا نہ جاسکا
بیٹی کا رشتہ آیا تو غم اور بڑھ گیا
مہنگا تھا اِس قدر کہ خریدا نہ جاسکا
انسانیت کی بات تو کرتے ہیں سب نسیم
گہرائی سے مگر کبھی سوچا نہ جاسکا

شاعرہ: سمیہ نسیم۔ پٹنہ بہار۔ بھارت

دھیرے دھیرے....

مجھے محبت ہونے لگی ہے دھیرے دھیرے
حد سے بڑھنے لگی ہے دھیرے دھیرے
میں کہتی تھی محبت ہو نہیں سکتی مگر
سمجھ میں آنے لگی ہے دھیرے دھیرے
تیرا ساتھ جو ملا تو مجھ پر خوشیوں کی
برسات ہونے لگی ہے دھیرے دھیرے
تجھے پوجنے سے فرصت نہیں ہے مجھے
محبت اپنا آپ جتانے لگی ہے دھیرے دھیرے
تیری میری باتیں سن کر اب تو
محبت بھی مسکرانے لگی ہے دھیرے دھیرے

شاعرہ: عائشہ نور عاشا۔ شادیوال۔ گجرات

دلاسہ

بے بسی کے دریاؤں میں کوئی تو کنارا دے
اندھیروں میں مجھے دکھائی کوئی تو ستارا دے
آغازِ سفر میں ہیں جو آبلہ پا یا الٰہی
اُن مجھ جیسوں کو تُو ہی کوئی اشارہ دے
شہرِ رنگین میں باوفا کا چلنا محال ٹھہرا
شہر کی نسبت سے اُن کو بھی دلِ آوارہ دے
یادوں کی تتلیاں آنکھوں میں ہیں کیونکر قید
چھپ جائے آنکھ اس سے پہلے اُن کو اڑا دے
چل کچھ پل خواب کی دنیا میں چلیں
کچھ تُو بول کچھ میں، میری آنکھوں کو سجا دے
اتنی بے ربط خاموشی میری جان لے لے گی
پلٹنے کی امید مجھ کو، کوئی تو دلاسہ دے
شاعرہ: نگین افضل وڑائچ۔شادیوال۔گجرات

دستورِ زمانہ ہے

کتنا عجیب ٹھہرا یہ دستور زمانہ ہے
آج ہیں ساتھ تو کل بچھڑ جانا ہے
کاش پھر سے لوٹ آئے گزرا زمانہ
پر یہ خیال ہی کتنا احمقانہ ہے
وہ دوستوں کی پُررونق محفلیں
ہوتا بس اک کام سب کو ستانا ہے
کوئی روٹھ جائے گر چھیڑ چھاڑ میں
مل کر ساتھ جانا پھر اُسے منانا ہے
چھیڑ کر طنز و مزاح کے قصے
سنگ یاروں کے ہنسنا اور ہنسانا ہے
جب تک ہیں ساتھ تو جی لو ہر لمحہ
پھر کہاں یہ وقت لوٹ کر آنا ہے
جاؤ کہیں بھی نینا کی بات یاد رکھنا
تم دوستوں کا فقط دل ٹھکانا ہے
شاعرہ: نینا خان۔کراچی

نہیں ملتی

تیری یاد سے پیچھے کی ہنسی نہیں ملتی
بعد تیرے پہلے تھی جو خوشی نہیں ملتی
خواہشیں ضرورت کے درمیاں معلق ہیں
خواب سی وہ بچپن کی زندگی نہیں ملتی
بادلوں کے آنے پر اب دعائے بارش میں
سو برس کی نانی...... وہ کھوئی نہیں ملتی
دسترس میں تھا ان کے چاند چھوڑ آئے کہ
چاند ہاتھ میں لے کر چاندنی نہیں ملتی
خواہشیں سلگتی ہیں تاریک راتوں میں
تیرگیٔ شب کو پر روشنی نہیں ملتی
خواب اور خیالوں کی دھول اڑتی رہتی ہے
نام کو بھی آنکھوں میں اب نمی نہیں ملتی
شاعرہ: خولہ عرفان۔کراچی

نظرِ کرم

اگر نظر کرم ہو تو مرا اک کام کردینا
تم اپنے دل کا سرمایہ' ہمارے نام کردینا
میں تم سے پیار کرتی ہوں' اور اب اقرار کرتی ہوں
ضرورت گر پڑی مجھ کو، تو میں کچھ اور مانگوں گی
نہ جان مانگوں گی' نہ پہچان مانگوں گی
گزارش ہے یہ چھوٹی سی' تمہارا ساتھ مانگوں گی
اگر ناراض کردو گے، میرا دل ٹوٹ جائے گا
کبھی جڑنے نہ پائے گا' بہت رونا بھی آئے گا
کہ میں اک خاص لڑکی ہوں، بہت حساس لڑکی ہوں
اگر تم مان جاؤ گے، خوشی سے جھوم جاؤں گی
گلے میں ڈال کر بانہیں، تمہیں اپنا بناؤں گی
اگر نظر کرم ہو تو......
شاعرہ: فریدہ فری۔لاہور

ڈی خان

وہ خبریں جو آپ کا موڈ بدل ڈالیں......

برا ہوا تیرے وعدے پر

جس خبر کا انتظار تھا وہ آ ہی گئی پچھلے ماہ ہم نے فریحہ کو صبر کا مشورہ دیا تھا اور کہا تھا بس کچھ دن کی

کہانی ہے پھر جدائی ہی جدائی ہے تو نعمان جاوید سنگر جنہوں نے فریحہ سے علیحدگی کے بعد جاناں ملک سے شادی کی تھی اور ہنسوں کا یہ جوڑا روز صبح کسی نہ کسی مارننگ شو میں ہاتھ تھامے موجود ہوتا تھا اب جدا ہو گیا ہے۔ دونوں نے باہمی رضا مندی سے طلاق لے لی ہے اب تو جاناں بھی کہتی نظر آتی ہیں کہ برا کیا جو تیرے وعدے پر اعتبار کیا۔

محبت تم سے نفرت ہے

عائزہ خان، عمران عباس اور شہزاد شیخ بہت جلد 7th اسکائی پروڈکشن کے تحت بننے والے ڈرامے

'محبت تم سے نفرت ہے' میں نظر آئیں گے۔ ڈرامہ

تحریر کیا ہے صدقے تمہارے اور پیارے افضل کے رائٹر خلیل الرحمان قمر نے.....ڈرامائی تشکیل دی ہے فاروق رند نے اپریل میں یہ ڈرامہ جیو سے نشر کیا جائے گا۔

سائیں تو سائیں

میرا نے اعلان کیا ہے کہ وہ اسٹیج کی فنکارہ دیدار کے ساتھ مل کر بہت جلد بیوٹی سیلون کھولیں گی۔ جو لاہور کے علاقے گلبرگ میں ہوگا۔ یہ

اعلان نہوں نے دیدار کے دوسرے بیوٹی سیلون کے افتتاح کے موقع پر کیا۔ جہاں وہ بطور چیف گیسٹ مدعو تھیں۔ شاید اسی لیے ہماری پیاری میرا بھیک مہم پر نکل چکی ہیں اور چیف منسٹر پنجاب سے مدد کی اپیل کرتی نظر آرہی ہیں۔ کسی دل جلے نے درست کہا میرا تو میرا میرا کی باتیں بھی سائیں ہیں۔

سیٹھی کی کہانی

نجم سیٹھی اور جگنو سیٹھی کی صاحبزادی میرا سیٹھی جنہوں نے اپنے ڈرامہ کیریئر کی ابتدا ڈرامہ 'سلوئیں' سے کیا تھا۔ بہت جلد فلم میں بھی نظر آئیں گی اب یہ

تو پتہ نہیں چلا کہ وہ پنجابی فلم کر رہی ہیں یا اردو فلم میں پنجابی لڑکی کا کردار مگر یہ طے ہے کہ وہ بہت اچھی اداکارہ ہیں اور یہ بات انہوں نے بہت جلد منوالی ہے۔ اب تو انتظار ہے کہ میرا کب اپنی خوبصورتی اور اداکاری کے جوہر فلم میں دکھاتی ہیں۔

'نو' بالی ووڈ

پیسے کی بھاگ دوڑ کے دور میں جب روپیہ سب

سے بڑا بھیا ہے مدیحہ شاہ نے ہندوستانی پروڈیوسر ریتش اگروال کی فلم میں کام کرنے کی آفر ٹھکرا دی۔

ان کا کہنا ہے کہ فنکاروں کو جو عزت ملنی چاہیے بھارت وہ نہیں دیتا...... ایسے میں وہاں جاکر کام کرنا اور صرف پیسہ کمانا درست نہیں۔ پیسے سے بہت بڑی عزت ہوتی ہے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ وہ کبھی بھارتی فلموں میں کام نہیں کریں گی۔ مدیحہ جی خوشی ہوئی آپ کے جذبات جان کر مگر آپ بھارت کو چھوڑیں اپنے ملک کی فلموں اور ڈراموں میں تو کام کریں یا یہاں بھی عزت ملنے کا معاملہ ہے؟

فلسطینی تھیٹر گروپ

فلسطینی تھیٹر گروپ 'فری ڈم' نے کسی اور ملک جاکر پرفارم کیا۔ 'ناپا' کے تحت ہونے والے پروگرام میں شرکت کرکے انہوں نے اس دکھ اور اذیت کا بھرپور انداز میں اظہار کیا۔ جس سے ہر فلسطینی ایک طویل عرصے سے گزر رہا ہے۔ فری ڈم نامی یہ گروپ 2006ء میں ایک رفیوجی کیمپ میں وجود میں آیا۔ اس گروپ کی بانی ارتا نامی یہودی خاتون تھیں۔ جنہوں نے فلسطینی نوجوان سے شادی کی تھی۔ کراچی میں ہونے والے تھیٹر پروگرام کے بعد شرکاء محفل نے کھڑے ہوکر مہمان گروپ کے فنکاروں کو سراہا۔ فری ڈم گروپ کے افراد کا ماننا ہے کہ وہ جلد تمام عالمی طاقتوں کو قائل کریں گے کہ ایک آزاد ریاست اُن کا بھی حق ہے۔

پاک فوج تجھے سلام

اس بار 23 مارچ مکمل قومی جذبے سے منایا گیا۔ شہر شہر قصبہ قصبہ روشنیوں میں نہایا ہوا تھا۔ طویل عرصے کے بعد پاکستانیوں نے یہ اہم دن خوشیوں سے بھرپور گزارا...... پہلی بار دوست ممالک

جن میں چین اور سعودی عرب کے فوجی دستے اور ترک بینڈ نے شرکت کی۔ دہشت گردی کے عفریت سے جان چھوٹنے پر تمام قوم نے اللہ کا شکر ادا کیا اور پاک فوج کو سلام پیش کیا۔

☆☆......☆☆

دوشیزہ قارئین کی فرمائش پر اب سے انتہائی سہل کھانے کی تراکیب پیش کی جارہی ہیں وہ تراکیب جو عام زندگی میں سہولت کے ساتھ استعمال کی جاسکیں۔

اچاری کوفتے

اجزاء:۔

قیمے میں ملانے کے اجزاء

قیمہ	آدھا کلو
پسا ہوا لہسن	ایک چائے کا چمچہ
پسی ہوئی ادرک	ایک چائے کا چمچہ
تکہ مسالہ	آدھا پیکٹ
کارن فلور	تین کھانے کے چمچے
تیل	حسبِ ضرورت

مسالا بنانے کے اجزاء:۔

پسی ہوئی پیاز	آدھا کپ
پسا ہوا لہسن	آدھا چائے کا چمچہ
پسی ہوئی ادرک	آدھا چائے کا چمچہ
سوکھی میتھی	آدھا چائے کا چمچہ
کٹے ہوئے ٹماٹر	تین عدد
دہی	آدھا کپ
زیرہ	دو چائے کے چمچے
اچار مسالا	تین کھانے کے چمچے
پسی ہوئی مرچ	آدھا چائے کا چمچہ
نمک	حسبِ ضرورت
تیل	آدھا کپ
سجاوٹ کے لیے	ہرا دھنیا

ترکیب: قیمہ دھو کر پیس لیں پھر اس میں تمام اجزاء ملا کر آدھے گھنٹے کے لیے رکھ دیں۔ قیمے کے گول کوفتے بنا کر تل لیں۔ ایک دیگچی میں تیل گرم کریں۔ پہلے پسی ہوئی پیاز اور لہسن ادرک ڈال کر تھوڑی دیر بھوننے کے بعد اس میں ٹماٹر کاٹ کر ڈالیں پھر دہی، اچار مسالا اور سوکھی میتھی ملا کر مزید بھونیں جب پانی خشک ہونے لگے تو تیار کیے ہوئے کوفتے ڈال کر دھیمی آنچ پر دس منٹ کے لیے رکھ دیں۔ ڈش میں نکالنے کے بعد ہرا دھنیا ڈالیں۔ گرم گرم نان کے ساتھ پیش کریں۔

جے پوری کوفتہ بریانی

اجزاء:۔

اجزاء کوفتوں کیلئے

پسا ہوا قیمہ	آدھا کلو
چوکور کٹی ہوئی پیاز	دو عدد
پسا ہوا لہسن	ایک چائے کا چمچہ
پسی ہوئی ادرک	ایک چائے کا چمچہ
پسی ہوئی ہری مرچ	ایک چائے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ

زیرہ	: آدھا چائے کا چمچہ
پسا ہوا گرم مسالا	: ایک چائے کا چمچہ
دہی	: ایک چائے کا چمچہ
دہی	: ایک چائے کا چمچہ
تازہ کریم	: ایک چائے کا چمچہ
کارن فلور	: ایک کھانے کا چمچہ

نوٹ: قیمے میں تمام اجزاء ملا کر تھوڑی دیر رکھنے کے بعد گول کوفتے بنالیں پھر انہیں دھیمی آنچ پر تلنے کے بعد علیحدہ رکھ دیں۔

اجزاء بریانی کے لئے

چاول	: تین کپ
تیل	: آدھا کپ
پیاز	: دوعدد
دہی	: آدھا کپ
نمک	: حسب ذائقہ
پسی ہوئی مرچ	: دو کھانے کے چمچے
گرم مسالا	: آدھا چائے کا چمچہ
الائچی	: تین سے چار عدد
بادیان	: دو پھول
زعفران	: ایک چٹکی
بادام	: دو کھانے کے چمچے

ترکیب: چاول صاف کر کے بیس منٹ کے لیے رکھ دیں۔ بریانی کا مسالا تیار کرنے کے لیے پہلے پیاز تلیں ساتھ میں تمام اجزاء ملا کر مسالا بھونیں اور دہی آخر میں ڈالیں۔ پھر تیار کیے ہوئے کوفتے ڈالیں، پودینہ، ہری مرچیں ڈال کر دم پر رکھ دیں۔ چاولوں کو نمک اور بادیان ڈال کر پانی میں ابالیں جب ایک کنی رہ جائے تو پانی نکال دیں۔ ترتیب وار چاولوں اور کوفتوں کو مسالے کی تہہ لگائیں آخر میں بادام ڈالیں اور زعفران چھڑک کر 10 منٹ کے لیے دم پر رکھ دیں۔ دہی کے رائیتے اور سلاد کے ساتھ پیش کریں۔

راجھستانی پنج رنگی دال

اجزاء:۔

چنے کی دال	: ایک چوتھائی کپ
مونگ کی دال	: ایک چوتھائی کپ
ارد کی دال	: ایک چوتھائی کپ (دھلی ہوئی)
ماش	: ایک چوتھائی کپ
مسور کی دال	: ایک چوتھائی کپ
نمک	: حسب ذائقہ
لونگ	: چار سے پانچ عدد
تیل	: تین کھانے کے چمچے
ہری مرچیں	: دوعدد
دھنیا	: ایک چائے کا چمچہ
ادرک	: ایک انچ کا ٹکڑا
ہرا دھنیا	: دو کھانے کے چمچے
زیرہ	: ایک چائے کا چمچہ
ہینگ	: ایک چٹکی
گرم مسالہ	: آدھا چمچہ
ٹماٹر	: دوعدد

ترکیب: سب سے پہلے تمام دالوں کو دھو کر کم از کم دو گھنٹے کے لیے پانی میں بھگو دیں۔ پھر نمکین پانی میں ہلدی ڈال کر دالیں ڈال دیں اور انہیں ابال لیں۔ ہری مرچیں، ہرا دھنیا کے پتے اور ادرک چھیل کر الگ رکھ لیں۔ ایک پین میں تیل گرم کرلیں اور اس کے اندر ہینگ، زیرہ، لونگ اور خشک لال مرچیں ڈال دیں۔ جب مصالحہ رنگ بدلنے لگے تو ادرک اور ہری مرچیں ڈالیں اور کچھ دیر تیز فرائی کریں۔ پھر

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

اس کے اندر پسا ہوا دھنیا اور سرخ مرچ پسی ہوئی ڈال دیں۔ پھر اس کے اندر ٹماٹر شامل کریں یہاں تک کہ تیل الگ ہو جائے۔ پھر تمام مصالحے میں دالیں ڈال دیں اور پکنے دیں۔ اچھی طرح مکس ہونے کے بعد اوپر سے گرم مصالحہ چھڑک کر گرم گرم پیش کریں۔

چیز ویجی ٹیبل

اجزاء:۔

ٹماٹر	: دوسو گرام (ابلے ہوئے)
گاجر	: دوسو گرام (ابلی ہوئی)
مٹر	: سو گرام
چیز	: پچاس گرام (باریک کٹا ہوا)
سفید مرچ	: پانچ گرام (پاؤڈر)
چائنیز نمک	: پانچ گرام
نمک	: پانچ گرام
زیرہ	: دو گرام
لال مرچ	: تین گرام (پسی ہوئی)
وائیٹ ساس	: دس گرام
کریم	: بیس ملی لیٹر
لہسن	: پانچ گرام (پیسٹ کی صورت میں)
مکھن	: پچاس گرام (بغیر نمک کے)

ترکیب: تمام تازہ سبزیاں ابال لیں اور ان تمام سبزیوں کو الگ الگ کر کے رکھیں۔ اب ایک بڑے سے پین میں مکھن ڈال دیں اور پھر اس میں لہسن شامل کریں اور اب اس کے اندر تمام سبزیاں ڈال کر دو سے تین منٹ پکائیں۔ اور پھر اس کے اندر وائیٹ ساس اور تمام مصالحہ ڈال کر چمچ چلاتے رہیں۔ اب اس کے اندر کیوب کی شکل میں چیز ڈال دیں اور دو منٹ تک پکائیں۔ اس مکمل ڈش کو کتری ہوئی چیز سے گارنش کر کے سرو کریں۔

برگر اسٹیک وِدہنی

اجزاء:۔

بیف اسٹیکس	: چار عدد (آدھا کلو)
زیتون کا تیل	: دو چائے کے چمچے
ڈان برگر	: چھ عدد
شہد	: دو کھانے کے چمچے
لہسن (پسا ہوا)	: دو جوئے
لیمن جوس	: آدھا کپ
رائی کے دانے	: ایک کھانے کا چمچ
پارسلے	: دو چائے کے چمچ

ترکیب: بیف پر پہلے نمک اور پپیتا لگا کر تقریباً دو گھنٹے کے لیے رکھ دیں تاکہ گوشت خستہ ہو جائے۔ پھر تیل کو فرائنگ پین میں گرم کر کے اسٹیکس کو اس میں اچھی طرح براؤن کر لیں۔ اسی پین میں لیمن جوس، شہد، رائی کے دانے، لہسن اور کٹے ہوئے پارسلے ڈال کر پکائیں تاکہ گاڑھی سی ساس بن جائے۔ اب ڈان کے لمبے والے برگرز لے کر بیچ سے آدھا کریں اور ہر ایک میں اسٹیک کا پیس رکھ کر اوپر سے ساس سے گارنش کر لیں۔ یہ برگر اسٹیک شہد کے ساتھ بے حد لذیذ اسٹیک ہے جو سلاد کے ساتھ بہت مزا دیتی ہے۔ بچوں میں بے حد پاپولر ہے۔

☆☆☆